امام خمینی کی شخصیت، اسلامی انقلاب کے رہبر کی حیثیت سے

(مقالہ برائے پی ایچ ڈی)

مقالہ نگار

محمد اسحاق

زیر نگرانی

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

کلیہ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی

۲۰۱۳ء

TO WHOM IT MY CONCERN

It is certified that Mr. Muhammad Ishaq S/o Akhone Ahmad is a Ph.D. student in Islamic Learning and has completed his Thesis titled:

امام خمینی کی شخصیت، اسلامی انقلاب کے رہبر کی حیثیت سے

Under my supervision for the award of Ph.D. Degree. Mr. Muhammad Ishaq is eligible for submission of Thesis under the Rules & Regulation of the Islamic Learning as well as of the University regarding Ph.D. The material used by him is original and he has shown creativeness in his work.

Supervisor

Prof. Dr. Hafiz Muhammad Shakil Auj
Dean Fuculty of Islamic Studies
University of Karachi, Karachi.

انتساب

''جنت ارضی والدہ محترمہ اور والدم محترم الحاج آخوند احمد کے نام جن کی دعاؤں اور تعاون کی بدولت میں آج اس مقام پر پہنچا۔''

اظہار تشکر

میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے علم کی طرف راغب ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ سچ ہے اگر وہ اپنی کرم نہ فرماتا تو آج میں اتنی بھاری ذمہ داری پوری کرنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔ اس مقالہ کو تحریر کرنے میں جس شخصیت کا تعاون ہمیشہ رہا وہ میرے نگران اور موجودہ رئیس کلیہ معارف اسلامیہ جناب پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوجؔ صاحب ہیں۔ دوران تحقیق آپ کی ذات میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی۔ آپ نے نہ صرف میری بھرپور رہنمائی کی بلکہ پیش آنے والی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ بھی دیا۔ آپ نے اس مقالہ کو ابتداء سے لے کر آخر تک ایک ایک لفظ کو بغور پڑھا اور جہاں جہاں ترمیم کی ضرورت تھی اس کی نشاندہی کی۔ میں اللہ تعالیٰ اور اپنے گھر والوں کے بعد اگر کسی کا شکر گزار ہوں تو وہ آپ کی شخصیت ہے۔

اس کے علاوہ مولانا غلام عباس رئیسی صاحب، پروفیسر ڈاکٹر غلام مہدی صاحب، ڈاکٹر زاہد علی زاہدیؔ صاحب، شیخ محمد حسن صلاح الدین صاحب، مولانا علی مرتضیٰ زیدی صاحب، مولانا مرزا یوسف حسین صاحب، مولانا سید محمد رضوی صاحب، استاد محترم سید فیاض حسین نقوی صاحب اور مولانا فدا حسین شگری کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے مقالہ ہذا کی تکمیل میں میری معاونت کی۔

نیز امام خمینی لائبریری گمبہ اسکردو کا عملہ خاص طور پر سید حسین موسوی صاحب کا مشکور ہوں جنہوں نے پوری جانفشانی کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ خانہ فرہنگ ایران کراچی کے سید کوثر عباس کا تعاون بھی میرے شامل حال رہا۔ ان کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ تحقیق کے اس مشقت اور محنت طلب عرصے میں کئی نشیب و فراز آئے اور متعدد مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن رشتہ داروں، عزیز و اقارب اور دوستوں کے حوصلے بھی میرے ہمراہ رہے۔ خاص طور پر میرے بڑے بھائی آخوند غلام محمد صاحب کا احسان میں تاحیات نہیں بھول سکتا۔ ان کے حوصلوں کی بدولت میں نے مشکلات و مشقات کا سامنا کیا اور منزل پانے کی جستجو کو ہر آن زندہ رکھا۔ یہ حوصلہ نہ ہوتا تو شاید میں یہ مقالہ مکمل نہیں کر پاتا۔

الغرض معاونین کی طویل فہرست ہے۔ کس کس کا تذکرہ کروں؟ ایک طرف پرائمری اسکول کے اساتذہ کی لمبی فہرست ہے تو دوسری طرف ہائی اسکول سے لے کر یونیورسٹی کے اساتذہ کے احسانات بھی میرے کاندھوں پر ہیں۔ ہزاروں میل دوری اور تعلقات کی سرد مہری کے باوجود ان محسنین کو فراموش کر دینا ممکن نہیں۔ یہ میری تعلیم و تربیت کے معمار ہیں، ان کی انتھک کوشش اور بھرپور رہنمائی نے مجھے اس حلقہ میں داخل ہونے کا راستہ فراہم کیا جس کو "اعلیٰ تعلیم یافتہ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ الغرض بالواسطہ یا بلاواسطہ جن تمام لوگوں اور دوستوں کا تعاون رہا ان سب کا نام فرداً فرداً لکھنا ناممکن ہے، بطور عمومی ان تمام افراد کا شکر گزار ہوں اور اللہ تعالیٰ سے نیک تمناؤں کی امید رکھتا ہوں۔

مقالہ نگار

محمد اسحاق

مقدمہ

امام خمینی انقلاب ایران کے عظیم رہبر کی حیثیت سے سامنے آئے۔ ایرانی عوام کیلئے شروع کی گئی آپ کی تحریک نہ صرف بھرپور طریقے سے کامیاب ہوئی بلکہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی اس کے واضح اثرات دیکھے گئے۔ انقلاب ایران کا زمانہ اگرچہ بیسویں صدی کے اواخر میں ظہور رہوا تاہم اس کا آغاز اسی صدی کے وسط میں ہوا۔ یہی وہ دور تھا جب امام خمینی کی زندگی تربیت کے ابتدائی مراحل طے کر رہی تھی۔

عصر حاضر میں امام خمینی کی شخصیت سے جتنا استفادہ کیا جانا چاہیے تھا وہ نہیں کیا جاسکا۔ انقلاب ایران کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر یہ بات قابل توجہ ہے کہ آج کی عرب دنیا میں آنے والے انقلابات کا تعلق بالواسطہ اور بلاواسطہ انقلاب ایران سے ہی رہا ہے۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امام خمینی کے دنیا پر پڑنے والے اثرات کو چند نکات میں بیان کیا جائے۔

- امام خمینی نے عالم اسلام کی نئی نسلوں کو اپنے انقلابی افکار ونظریات سے متاثر کیا۔
- ایک ایسے دور میں جبکہ مسلمانان عالم مایوسی اور کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے امام خمینی نے اپنے کردار وعمل کے ذریعے مسلمانوں کو یہ بات سمجھادی کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اس دور کے تمام فتنوں، الجھنوں اور مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔
- امام خمینی نے اپنے وقت کے سامراجی واستعماری طاقتوں کے خلاف (بے سروسامانی کے عالم میں) بغاوت کا علم اٹھا کر مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ انہیں خدا، رسول اور قرآن کے علاوہ کسی قسم کا خوف نہیں۔
- امام خمینی کی شخصیت نے عالم اسلام کے فکری کردار کو اعتماد فراہم کیا۔
- امام خمینی کی شخصیت کے انقلابی اثرات عالم اسلام کے نوجوان نسل پر پڑے اور ان میں مجاہدانہ کردار ابھرے۔
- انقلاب اسلامی کے ظہور کے ساتھ امام خمینی نے اتحاد بین المسلمین کا نعرہ بلند کرتے ہوئے کہا کہ آج اگر کوئی فرد شیعہ اور سنی کے درمیان اختلافات کا باعث بنے تو وہ نہ شیعہ ہے اور نہ سنی بلکہ استعمار کا ایجنٹ ہے۔
- دشمنوں کی طرف سے مختلف قسم کے مخالفانہ پروپیگنڈے کے باوجود امام خمینی نے اسلامی اصولوں کی پاسداری کرنے میں انحراف نہیں کیا۔
- امام خمینی نے عالم اسلام کے قلب میں جو لرزشیں پوشیدہ تھیں ان کو رفع کیا اور اپنی قیادت کے کرشمہ سے

عالمی سیاسیات میں اسلام اور بلاد اسلام کو مرکزی اہمیت فراہم کی۔

- امام خمینی مستضعفین جہاں کی آواز بن کر ابھرے۔
- امام خمینی نے اپنی جدوجہد اور کاوشوں کے ذریعے عالم اسلام پر یہ واضح کر دیا کہ خمینی ذاتی اقتدار کا حصول نہیں چاہتے بلکہ ان کا مقصد دین محمدی کو لے کر پوری دنیا میں چھا جانا ہے۔

درج بالا چند نکات امام خمینی کی شخصیت کی مکمل تفسیر ہے۔ زیرِ نظر مقالہ بھی انہی نکات کا مجموعہ ہے جس کو آٹھ مختلف ابواب میں بیان کیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم اِن آٹھ ابواب کی تفصیل بیان کرتے ہیں:

باب اول:

باب اول میں ایران کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور اس بحث کو دو منقسم حصوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ایران قبل از اسلام اور ایران بعد از اسلام، ہر دو صورت کو تفصیلی اور تحلیلی انداز میں بیان کرنے کے بعد پھر ایران کی جغرافیائی اہمیت کو مختلف سیاحتی وثقافتی مقامات کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔ اس باب میں ایران کے اہم شہروں کی تاریخی و جغرافیائی اہمیت کو بھی تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

باب دوئم:

باب دوئم میں امام خمینی کے حالات زندگی، تعلیم و تربیت، درس و تدریس، قم اور نجف میں آپ کے شب و روز کی مصروفیات کو بیان کرنے کے بعد امام خمینی کی اجتہادی حیثیت کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ بحیثیت مرجع آپ نے اپنے تفردات، نظریات خاص طور پر ولایت فقیہ جیسے نظام اسلامی کی توضیح وتشریح کو محققانہ انداز میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

باب سوئم:

باب سوئم میں امام خمینی کے انقلابی نظریات، امت مسلمہ کے درمیان تصورِ اتحاد امام خمینی کی نظر میں کیا ہو سکتا ہے، جبکہ امام خمینی حقیقی اسلام کی تفسیر کیا کرتے ہیں، عورت کے بارے میں آپ کے کیا نظریات ہیں، اس کے علاوہ ایران میں جنم لینے والا فرقہ ''بہائیت'' کے بارے میں امام خمینی کے ارشادات جیسے اہم موضوعات اس باب کا حصہ ہیں۔

باب چہارم:

باب چہارم میں انقلاب اسلامی ایران کا پس منظر، امام خمینی کی جلاوطنی اور اس کے اثرات، بعد از اں جلاوطنی کے

خاتمے کے بعد آپ کی ایران واپسی کے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔

باب پنجم:

بنیادی طور پر یہ باب انقلاب کے بعد کے حالات پر مشتمل ہے۔ مجلس شوریٰ کے قیام، پھر انقلاب کے خلاف سازشوں کی پوری تفصیل، جبکہ باضابطہ اسلامی ریاست میں تبدیل ہونے کے بعد ایران کی ترقی اور تعلیمی اداروں کی روز افزوں تعداد کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

باب ششم:

باب ششم میں امام خمینی کے اس خاص موضوع جس کا تعلق مستضعفین سے ہے کو بیان کیا گیا ہے جبکہ عدل وانصاف کے حوالے سے امام خمینی کے نمایاں نظریات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

باب ہفتم:

اس باب میں ایران کی خارجہ پالیسی کو زیر بحث لایا گیا ہے جبکہ انقلاب ایران کے عمومی اثرات بعد ازاں امام خمینی کی شخصیت کو بطور رہبر، رہنماء، اور بااثر فرد کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے۔

باب ہشتم:

باب ہشتم میں امام خمینی کی زندگی کے آخری لمحات کو بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ آپ کی علمی خدمات بھی اس باب کا اہم موضوع کے طور پر شامل ہیں۔

ہم نے اپنی وسعت کے مطابق جبکہ ہماری راہ میں کئی رکاوٹیں پیش آئیں، اور یہ مشکلات کبھی معاشی صورت میں سامنے آئیں کبھی مواد کی عدم دستیابی کی صورت میں، اس کے باوجود ہم نے امام خمینی کی شخصیت کا ایک اہم پہلو (امام خمینی بطور انقلابی وسیاسی رہبر ورہنماء) پیش کیا ہے۔ جبکہ شخصیت کی اہمیت کے پیش نظر تحقیق کی مزید گنجائش باقی رہتی ہے۔ من جملہ امام خمینی کی علمی شخصیت کو تحقیقی انداز میں پیش کیا جاسکتا ہے، جیسے امام خمینی بطور فلسفی، بطور شاعر، بطور عارف جیسے اہم گوشے اسی علمی پہلو میں بیان کیے جاسکتے ہیں۔ ثانیاً انقلاب ایران کے مخالفین کے نقطۂ نظر کو نقد وجرح کے ساتھ ایک منفرد تحقیق کی صورت میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

فہرست مضامین

خلاصہ

بانی اسلامی جمہوریہ ایران آیت اللہ روح اللہ امام خمینی الموسوی ۲۴ رستمبر ۱۹۰۲ء کو خمین میں پیدا ہوئے جو تہران سے تین سو کلو میٹر دور ہے۔ ایران، عراق اور اراک میں دینی علم کی تکمیل کی۔ ۱۹۵۳ء میں رضا شاہ کے حامی جرنیلوں نے قوم پرست وزیر اعظم محمد مصدق کی حکومت کا تختہ الٹ کر تودہ پارٹی کے ہزاروں ارکان کو تہ تیغ کر دیا تو ایرانی علما نے در پردہ شاہ ایران کے خلاف مہم جاری رکھی اور چند سال بعد امام خمینی ایرانی سیاست کے افق پر ایک عظیم رہنما کی حیثیت سے ابھرے۔

۲۸ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کا ذکر ہے کہ شاہ کی حکومت نے ایک قانون کی منظوری دی جس کے تحت امریکی فوجی مشن کے افراد کو سفارتکاروں کے ہم پلہ وہ حقوق دیئے گئے جو ویانا کونشن کے تحت سفارت کاروں کو حاصل ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ امریکی جو چاہیں کرتے رہیں ان پر ایرانی قانون لاگو نہ ہوگا۔ اگلے دن امام خمینی نے مدرسہ فیضیہ قم میں وہ شہرہ آفاق تقریر کی جو ایک عظیم انقلاب کا دیباچہ بن گئی۔ انہوں نے کہا:

> ''میرا دل درد سے پھٹا جا رہا ہے، میں اس قدر دل گرفتہ ہوں کہ موت کے دن گن رہا ہوں۔ اس شخص (رضا شاہ) نے ہمیں بیچ ڈالا، ہماری عزت اور ایران کی عظمت خاک میں ملا ڈالی۔ اہل ایران کا درجہ امریکی کتے سے بھی کم کر دیا گیا ہے۔ اگر شاہ ایران کی گاڑی کسی امریکی کتے سے ٹکرا جائے تو شاہ کو تفتیش کا سامنا ہوگا لیکن کوئی امریکی خانساماں شاہ ایران یا اعلیٰ عہدیداروں کو اپنی گاڑی تلے روند ڈالے تو ہم بے بس ہوں گے۔ آخر کیوں؟ کیونکہ ان کو امریکی قرضے کی ضرورت ہے۔ اے نجف، قم، مشہد، تہران اور شیراز کے لوگو! میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ یہ غلامی مت قبول کرو کیا تم چپ رہو گے اور کچھ نہ کہو گے؟ کیا ہمارا سودا کر دیا جائے اور ہم زبان نہ کھولیں۔''

اس تقریر نے تخت شاہی کو ہلا کر رکھ دیا۔ پورا ایران ارتعاش محسوس کرنا لگا۔ سات دن بعد امام خمینی کو گرفتار کر کے تہران کے مہر آباد ہوائی اڈے سے جلاوطن کر دیا۔ امام خمینی ایک سال کے قریب ترکی میں رہے اور ۴ر اکتوبر ۱۹۶۵ء میں نجف اشرف چلے گئے۔ عراق کی سرزمین بھی آپ کیلئے تنگ ہوگئی تو ۶ر اکتوبر ۱۹۶۸ء کو فرانس منتقل ہوگئے اور پیرس کے قریب قصبہ نوفل لوشاتو میں سکونت اختیار کی۔ جلاوطنی کے اس سارے عرصے میں شاہ ایران کے خلاف تحریک کی ''جس میں ملک کے تمام محب وطن عناصر شامل تھے'' رہنمائی کرتے رہے۔ ۱۷ر جنوری ۱۹۷۹ء کو شاہ ایران ملک سے چلا گیا۔ امام خمینی یکم فروری ۱۹۷۹ء کو چودہ سالہ جلاوطنی کے بعد وطن واپس لوٹے تو تہران کے مہر آباد ہوائی اڈے سے بہشت زہرا کے قبرستان تک لاکھوں ایرانیوں نے ان کا استقبال کیا۔ بعض لوگوں نے یہ تعداد ایک کروڑ سے بھی زیادہ لکھی ہے۔ یہ بھی عجیب دن تھا کہ شاہانہ جاہ وجلال رکھنے والا ایک حکمران امریکہ کی بھرپور سرپرستی، ایک بڑی سپاہ اور ساواک جیسی ایجنسی کے باوجود ایک خرقہ پوش کے ہاتھوں شکست کھا کر ملک سے فرار ہو چکا تھا۔ اس کی نامزد حکومت خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہی

تھی۔شاہ پور بختیار تمام تر کاغذی اختیارات کے باوجود ردی کے کاغذ کا ایک پرزہ بن چکا تھا جو کسی لمحے کوڑ دان کا رزق بننے والا تھا۔شاہ نے قم کے مدرسہ فیضیہ کی آواز دبانے کیلئے کیا کیا جتن نہ کئے،کون کون سے مظالم نہ توڑے۔لیکن امام خمینی کی آواز نہ دبائی جا سکی۔امریکہ کی آشیرباد سے شہنشاہ ایران کی خودی اور ان کی زندگیوں سے کھیل رہا تھا۔امام خمینی کچھ وقت قم میں گزارنے کے بعد تہران آئے تو کہا میں عوام کے درمیان کسی سادہ سے گھر میں رہوں گا۔سید مہدی نے بارگاہ حسینیہ جمران سے متصل اپنا گھر پیش کیا۔امام خمینی نے کہا میں کرائے کے بغیر نہیں رہوں گا۔۸۰ ہزار ایرانی ریال یعنی تقریباً ۶۵۰ روپے ماہانہ کرایہ مقرر ہوا۔جنوری ۱۹۸۰ء سے ۳ر جون ۱۹۸۹ء تک امام خمینی اسی کوارٹر نما گھر میں مقیم رہے۔یہ وہ دور تھا جب ایران میں ان کی فرمانروائی تھی۔ان کے اشارہ کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہ کرتا تھا۔

انقلاب ایران اور نئے سیاسی نظام کی تشکیل کے سلسلے میں امام خمینی کا کردار نمایاں تھا۔اگرچہ ان کی تحریک کا باقاعدہ آغاز قم سے ہوا تھا لیکن اس کا اختتام ۱۴سالہ جلاوطنی کے بعد وطن واپسی پر ہوا۔بطور عمومی آپ کی شخصیت امت مسلمہ کے کئی ایک گروہ کیلئے مشعل راہ ثابت ہوئی۔

ABSTRACT

Ruhollah Imam Khomeini Al-Musavi روح اللہ امام خمینی الموسوی (24 September 1902 - 3 June 1989), known in the West as Ayatollah Khomeini, was an Iranian religious leader and politician, and leader of the 1979 Iranian Revolution which saw the overthrow of Mohammad Reza Pahlavi, the Shah of Iran. Following the revolution, Khomeini became the country's Supreme Leader, a position created in the constitution as the highest ranking political and religious authority of the nation, which he held until his death.

Khomeini was a marja ("source of emulation") in Twelver Shi'a Islam, author of more than forty books, but is primarily known for his political activities. He spent more than 15 years in exile for his opposition to the last Shah. In his writings and preachings he expanded the Shi'a Usuli theory of velayat-e faqih, the "guardianship of the jurisconsult (clerical authority)" to include theocratic political rule by the Islamic jurists. This principle (though not known to the wider public before the revolution) was installed in the new Iranian constitution after being put to a referendum.

He was named Man of the Year in 1979 by American newsmagazine TIME for his international influence, and has been described as the "virtual face of Islam in Western popular culture" where he remains a controversial figure due to lack of support or likeliness from the western world. He was known for his support of the hostage takers during the Iran hostage crisis[13] and his fatwa calling for the death of British Indian novelist Salman Rushdie.

Khomeini has been criticized for these acts and for human rights violations of Iranians (including his ordering of execution of thousands

of political prisoners;), but also lauded as a "charismatic leader of immense popularity" and a "champion of Islamic revival" by Shia scholars.

Khomeini held the title of Grand Ayatollah and is officially known as Imam Khomeini inside Iran and by his supporters internationally, and generally referred to as Ayatollah Khomeini by others.

Imam Khomeyni's role was central in shaping the new political order that emerged from the revolution, the Islamic Republic of Iran. At first it appeared that he might exercise his directive role from Qum, for he moved there from Tehran on February 29, causing Qum to become in effect a second capital of Iran. On March 30 and 31, a nationwide referendum resulted in a massive vote in favor of the establishment of an Islamic Republic The Imam proclaimed the next day, April 1, 1979, as the "first day of God's government."

باب اوّل:

ایران تاریخی وجغرافیائی تناظر میں

قبل از اسلام تاریخی جائزہ:

قدیم دور میں بڑے شہروں کا کوئی تصور نہ تھا۔ انسان بکھری ہوئی بستیوں میں رہتا تھا۔ پھر یہی بستیاں آباد اور منظم ہوئیں تو گاؤں وجود میں آئے اور پھر رفتہ رفتہ روئے زمین پر شہروں کی تشکیل ہوئی۔ زرتشت کی مذہبی تعلیمات پر مبنی کتاب اوستا (زرتشت کی مذہبی کتاب) میں لکھا ہوا ہے کہ آریائی قوم نے زمانہ قدیم میں اپنی رہائش گاہ کیلئے ایران کی سرزمین کی طرف ہجرت کی اور اس سرزمین کو اپنا مسکن بنالیا۔ متعدد مورخین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایران میں آریاؤں کی آمد ہزار تا پندرہ سو سال قبلِ مسیح ہے اور ان کے خیال میں یہ لوگ یورپ سے ہندوستان گئے پھر ہندوستان سے ایران میں داخل ہوئے۔ اسی طرح بعض دیگر مورخین کا خیال ہے کہ ایران میں آریاؤں کی آمد سے قبل یہاں آبادی نہ تھی۔ اس لئے ان کے خیال میں ایران کی تاریخ کا آغاز آریاؤں کی آمد سے شروع ہوتا ہے۔(۱)

ایرانی آریاؤں کی نظر میں خلقت (پیدائش) ایک ایسا میدان جنگ ہے جو اچھائی یا برائی، روشنی یا تاریکی کے مقابلے میں ہوتا ہے اور انسان کا تعلق انہی میدانی جنگوں سے رہتا ہے۔(۲) اسی قوم نے ۵۵۰ سال قبل مسیح اپنے بڑے سربراہ کوروش ہخامنشی کی سربراہی میں متحد ہو کر سامی نژاد کی پرانی سلطنت پر حملہ کر کے ان کا تختہ الٹ دیا۔ پھر اس جگہ پر ایک بڑی آریائی حکومت تشکیل دی اور اس سرزمین کا نام فارس یا ایران رکھا۔(۳)

بعد کے ادوار میں ہخامنشی بادشاہوں کی طاقت کمزور ہوتی گئی اور وہ حکومت کے معاملات اور رعایا کے مسائل سے لاتعلق ہو گئے۔ اسی دوران مقدونیہ کے بادشاہ ''اسکندر'' نے ایران پر حملہ کیا تو یہاں کے عوام نے اس کے مقابلے میں اپنے بادشاہ کی کوئی مدد نہ کی۔ اسکندر نے ایران پر قبضہ کر کے کئی شہروں کو آگ لگا دی حتی کہ ہخامنشی دارالسلطنت ''پرسی پولس'' کو بھی نذرِ آتش کر دیا۔ اس طرح ہخامنشی سلطنت ۲۲۰ برس تک قائم رہنے کے بعد یونانیوں کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔(۴)

طبقات ناصری نے اپنی کتاب منہاج سراج میں شہنشاہان عجم کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ باستانی یا پیشدادی ۲۔ کیانی

۳۔اشکانی ۴۔ساسانی

۵۔اکاسرہ (یعنی وہ بادشاہ جن کے ناموں کے ساتھ کسریٰ لگا ہوا ہے)۔(۵)

ابن خلدون کی تحقیق کے مطابق بلا اختلاف محققین اہل انساب اس امر کے قائل ہیں کہ اہل فارس سام بن نوح کی اولاد سے ہیں اوران کا جدِ اعلیٰ جس پران کا سلسلہ نسب منتہی ہوتا ہے وہ فرس ہے اوروہ ایران بن اشود بن سام بن نوح کے لڑکوں میں سے ہے۔(۶) ابن خلدون نے یہ بھی لکھا ہے کہ اہل فارس ایران بن فریدون کی اولاد سے ہیں اوراس سے پہلے فارس کے نام سے موسوم نہیں کیے جاتے تھے اوروہ پہلا شخص جو بلادِ فارس کا بادشاہ ہوا وہ ایران ہے۔اس کے بعد اس کی آئندہ نسلیں بادشاہت وراثتاً کرتی رہیں۔تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایران کی زمین وہی ہے جو زمین ترک ہے اوراسرائیلین کا یہ خیال ہے کہ اہل فارس طیراش بن یافث کی اولاد سے ہے۔علمائے فارس اوران کے اہل انساب ان تمام روایت کے مخالف ہیں اور وہ اہل فارس کو کیومرث کی طرف نسبت دیتے ہیں اور انہیں اپنا منتہائے نسب کہتے ہیں۔کیومرث کے معنی ابن الطین (مٹی کا لڑکا) بتاتے ہیں۔ ابتداء میں یہ ارض فارس میں رہتے تھے۔یہ زمین انہی کے نام سے موسوم ہوئی۔(۷)

اسکندر کے مرنے کے بعد اس کے سپاہیوں میں ریاست کی تقسیم کے مسئلے پر اختلاف پیدا ہوگیا۔اس وسیع سلطنت پر حکومت کے سوال پر یونانی جنرل ایک طویل عرصہ تک باہم جنگ کرتے رہے۔آخرکار سلیوکس نامی جنرل نے فارس پر قبضہ کرلیا۔اس نے اس خطے میں یونانی زبان اور یونانی تمدن نافذ کرنے کی کوشش کی اس سلسلے میں اس سے شدید مخالفت سے دوچار ہونا پڑا۔خراسان اور گرگان میں بسنے والے بعض ایرانی قبائل نے ارشک کی سربراہی میں سلیوکیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور بالآخر انہیں شکست دے کر اشکانی حکومت کی بنیاد رکھی۔(۸)

اشکانیوں نے کم وبیش پانچ سو سال تک حکومت کی۔آخرکار اشکانی حکمران اردواں پنجم کو اردشیر پاپکان نے شکست دے کر ساسانی عہد کی بنیاد رکھی۔اس خاندان کی سلطنت ۲۲۶ء سے شروع ہوئی اردشیر اس خاندان کا پہلا بادشاہ تھا۔اس کے علاوہ ستائیس بادشاہ اور تخت پر بیٹھے۔اردشیر نے اپنا پایہ تخت شہر مدائن کو جو دجلہ کے کنارے واقع تھا، بنایا۔بہت کامیابی سے حکومت چلانے کے بعد ۲۴۰ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔اس کا قول تھا کہ ''سلطنت کا قیام فوج پر ہے فوج بغیر روپے کے جمع نہیں ہوتی۔روپیہ بغیر زراعت کے دستیاب نہیں ہوتا اور زراعت بغیر امن وامان کے ترقی نہیں پاسکتی۔''(۹)

اردشیر کے بعد شاہپور تخت پر بیٹھا۔شاہپور اول کے بعد ہرمز تخت پر بیٹھا ہرمز کے بعد بہرام اور بہرام

کے بعد نرسی اس کے بعد ہرمز ثانی اور شاہ پور ثانی تخت پر بیٹھا۔ شاہپور کے خیال میں الفاظ چشمہ شیرین کے قطروں سے زیادہ روح افزا اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوتے ہیں۔ تلوار کی نوک جسم سے نکل آتی ہے لیکن درشت الفاظ زخم رسیدہ دل سے باہر نہیں نکلتے۔

شاہپور کے بعد اس کا بیٹا اردشیر تخت پر بیٹھا۔ اردشیر کے بعد شاہپور ثالث اور اس کے بعد بہرام گور تخت نشین ہوا۔ بہرام گور کے بعد ہرمز ثانی، ہرمز ثالث پیروز پلاش اور قباد تخت پر بیٹھا۔ قباد کے بعد نوشیروان ۵۳۰ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانے میں ایران میں بہت ترقی ہوئی۔ نئے پل تیار ہوئے، عدالتوں، مدرسوں، کالجوں کے لئے عمارتیں بنوائی گئیں، تعلیم کی ترقی ہوئی، یونان اور ہندوستان سے فلسفی بلائے گئے اور ان کو نہایت قدرو منزلت سے لوگوں کی تعلیم وتلقین پر مامور کیا گیا۔ نوشیروان اور اس کے وزیر بزرج مہر نے انتظامِ سلطنت میں اس قدر اصلاحات کیں کہ گویا ایران کی کایا پلٹ گئی۔ نوشیروان کی فتوحات کی وجہ سے اس قدر ترقی نہیں ہوئی جس قدر عدل وانصاف کے سبب اِن کا نام عروج پر پہنچا۔ ایک مرتبہ سلطنت روما کا ایک مسافر نوشیروان کے پائے تخت مدائن میں آیا۔ محل شاہی پر کھڑے ہوکر ادھر اُدھر نظر ڈالی تو چاروں طرف عجیب دلکش منظر دکھائی دیا۔ ایک رکن سلطنت سے پوچھا کہ اس جگہ کو نادرستی کی حالت میں کیوں چھوڑا گیا ہے؟ اس نے تو سارے نظام کو خراب کر دیا ہے۔ رکنِ سلطنت نے جواب دیا: یہاں ایک بڑھیا کی جھونپڑی ہے۔ بادشاہ نے کئی مرتبہ خواہش کی کہ بڑھیا اسے فروخت کر دے مگر وہ راضی نہیں ہوئی اور بادشاہ اسے بزور لینا پسند نہیں کرتا۔ پس اس نظارے میں کوئی مقام اس سے بہتر اور دلکش نہیں۔ یہی جھونپڑی نوشیروان کے عدل وانصاب کا نمونہ ہے۔

نوشیروان کے عہد میں ایران کی سلطنت بحیرہ قلزوم سے بحیرہ خزر تک اور بحیرہ روم سے دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی اور جو عروج اس زمانے میں حاصل ہوا وہ کبھی حاصل نہ ہوا۔ نوشیروان کے خیال میں دنیا میں سب سے بڑا شخص وہ ہے جو اپنے آرام وآسائش کے لئے دنیاوی سامان کا پابند نہ ہو اور جو اسے میسر آئے اس پر قناعت کر سکے۔ نوشیروان کے بعد ہرمز چہارم اور اس کے بعد اس کا بیٹا خسرو پرویز تخت پر بیٹھا۔ خسرو پرویز نے اپنا محل شاہی مدائن سے ساٹھ میل دور تیار کرایا۔ اس قصر شاہی کی چھت اس قدر وسیع تھی کہ یہ سنگ مرمر اور خوش نما تراشیدہ لکڑی کے چالیس ہزار ستونوں پر قائم تھی۔ نوسو ہاتھی اور چھ ہزار گھوڑے ساز وسامان سے آراستہ وپیراستہ شاہی جلوس کے ہمراہ ہوا کرتے تھے۔ (۱۰)

بعد از اسلام تاریخی جائزہ:

ایران پر مسلمانوں کے حملوں کی ابتداء حضرت عمر کے زمانے میں ہوئی۔ سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید مسلمانوں کی طرف سے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ حفیر کے مقام پر جنگ ذات السلاسل میں ایرانیوں کو پہلی شکست ہوئی۔ حضرت خالد بن ولید کے بعد حضرت ابوعبیدہ ثقفی عربی سالار مقرر ہوئے۔ انہوں نے ایرانی سپہ سالار جابان کو معرکہ غارق میں شکست دی۔ اس کے بعد جنگ جُسر ہوئی جس میں مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن جب اس کی خبر دربار خلافت پہنچی تو حضرت عمر نے تازہ دم فوج بھیجی جس نے بویب کے مقام پر مہران کو شکست دے کر جنگ جسر کے نقصان کی تلافی کر دی۔ اس کے بعد جنگ قادسیہ ہوئی جس میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے رستم فرخ زاد ایرانی سپہ سالار کو شکست دی اور مسلمان دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے پر قابض ہو گئے۔ اس کے بعد جلد مسلمانوں نے ایرانی پایہ تخت مدائن پر قبضہ کر لیا۔ آخر کار ۶۴۱ء کو نہاوند کے مقام پر عربوں اور ایرانیوں کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی اور اس طرح ساسانی عہد کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ نہاوند کے بعد رے، اصفہان، آذربائیجان خوزستان، فارس، سیستان، مکران وغیرہ کے علاقے مسلمانوں کے تسلط میں آ گئے۔ اس کے بعد ایران کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا جس کے نتیجے میں عوام اور حکومت کی سیاسی، اجتماعی اور مذہبی زندگی میں ایک بنیادی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ ایرانی عوام ساسانی عہد حکومت میں اجتماعی عدم مساوات کی وجہ سے خوش نہیں تھے۔ لہٰذا انہوں نے اسلامی قوانین میں ہی اپنی امیدوں کو بر آتے دیکھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے بہت جلد اسلام قبول کر لیا اور اس کی گہری ثقافت کی اشاعت میں کوشاں ہو گئے۔ اسلام کی آمد سے پہلے ایرانی مذہب ''زرتشتی'' تھا۔ تاہم اس کی آمد کے بعد سے لے کر اب تک ایران کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ ملک میں تقریباً ۹۹ فیصد لوگ مسلمان ہیں جن میں سے ۹۱ فیصد شیعہ اثنا عشری ہیں۔(۱۱) اس کے علاوہ دیگر اسلامی مکاتب فکر پر عمل کرنے والے مثلاً حنفی، شافعی، مالک اور حنبلی بھی مکمل مذہبی آزادی اور احترام کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے علاوہ زرتشتی، عیسائی اور یہودی اقلیتیں بھی آباد ہیں۔

ایران میں اسلامی خلافت ذیل کے تین ادوار پر مشتمل ہے:

۱۔ خلفائے راشدین کا دور ۶۳۲ء سے ۶۶۱ء تک

۲۔ خلفائے بنوامیہ کا دور، اس کے چودہ خلفاء نے ۶۶۱ء سے ۷۵۰ء تک حکومت کی۔

۳۔ خلفائے بنو عباس کا دور ۷۵۰ء سے ۱۱۰۰ء تک رہا۔ ابو عباس سفاح سے معتصم باللہ تک ۳۷ خلفاء ہوئے۔(۱۲)

ان تین ادوار کی اجمالی بحث حسب ذیل ہے:

(الف) خلفائے راشدین کے عہد میں جمہوری حکومت قائم کی گئی جس میں عدالت ومساوات کا بلند معیار قائم تھا۔

(ب) بنوامیہ کے دور میں اہل عرب ایرانی مسلمانوں کو بھائی بند سمجھنے کے بجائے ایرانیوں کو ہر لحاظ سے کم تر سمجھتے تھے۔

(ج) بنوعباس کی حکومت ایرانیوں کی مدد سے حاصل کی گئی تھی، اسی لئے بنوعباس کے حکمرانوں نے ان کی خاطر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ دربار میں ایرانیوں کو زیادہ قرب حاصل تھا۔ وہ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز تھے۔ خاندان برامکہ کے افراد جو سالہا سال تک یکے بعد دیگر وزارت جلیلہ پر فائز رہے، ایرانی نسل سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ (۱۳)

جب عباسی خلافت روبہ زوال ہونے لگی تو ملک افراتفری اور خلفشار کی نذر ہوگیا۔ اس طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر بعض طاقت ور خاندانوں نے آزاد اور خود مختار ریاستیں قائم کیں جن میں دولت طاہریہ ۸۲۲ء تا ۸۷۲ء، دولت صفاریہ ۸۶۷ء تا ۹۰۳ء، دولت سامانیہ ۸۷۴ء تا ۹۹۹ء، دولت غزنویہ ۹۶۲ء تا ۱۱۸۶ء، دولت سلجوقیہ ۱۰۳۶ء تا ۱۱۵۶ء، دولت غوریہ ۱۱۴۷ء تا ۱۲۱۱ء، دولت خوارزم شاہیہ ۱۱۵۷ء تا ۱۲۳۱ء میں قائم ہوئیں۔ (۱۴) اس کے بعد منگولوں کی یورش نے اسلامی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ زمانہ گزرتا رہا، حالات تبدیل ہوتے رہے، حکومتیں بنتی رہیں اور ٹوٹتی رہیں۔ تیمور اور آل تیمور کی یورش اور حکومت بھی قصہ پارینہ ہوگئی۔ صفویوں کا دور آیا۔ صفوی حکومت ایران کی طاقت ور ترین حکومتوں میں سے ایک تھی۔ اس عہد میں شاہ اسماعیل، شاہ طہماسپ اور شاہ عباس اعظم جیسے حکمراں گزرے۔ شاہ عباس کا عہد صفوی حکومت کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ وہ حقیقت میں جدید ایرانی سلطنت کا بانی تھا۔ صفوی دور میں ایران نے سیاسی استحکام، سماجی، معاشی اور معاشرتی ترقی کے ساتھ ساتھ فن تعمیر میں بہت ترقی کی۔ اصفہان میں مدرسہ سلطان حسین، مسجد شیخ لطف اللہ، علی قاپی، مسجد شاہ اور قصر چہل ستون آج بھی عظمت رفتہ کے ترجمان ہیں۔ اس دور میں ایران نے قالین بافی، طب و علم وادب میں بھی بہت ترقی کی، صفویوں کے زوال نے ایک مدت تک اسلام کیلئے حقیقی دائرۂ عمل کو ایک فعال دین کے طور پر محدود کردیا۔ افشاریوں اور زندیقوں کی حکومتیں بھی اس روش میں کوئی خاص تبدیلی پیدا نہ کرسکیں۔ قاچاری زمانہ ایران میں غیر ملکی طاقتوں یعنی روس اور انگلستان کے بڑھتے ہوئے نفوذ کا دور تھا۔

اسلام کے حلقہ بگوش ہونے کے بعد ایران اسلامی تہذیب وثقافت، علوم وفنون اور فنِ معماری کا مرکز بن

گیا۔حتی کہ خلافتوں کے مراکز کے سنہری زمانوں میں بھی ایران علم و ہنر کی سرپرستی میں بھی اہم مقام رکھتا تھا۔ ایران کے علمی مدرسوں اور ثقافتی مراکزوں نے ایران اور اسلامی دنیا کے کے سرگرم مرکزوں کے نمونوں کے طور پر اپنے اپنے زمانے میں اعلیٰ کارکردگی دکھاتے ہوئے بڑے بڑے دانشور اور معروف علماء مثلاً زکریاں رازی، بوعلی سینا، ابونصر فارابی، امام غزالی، ابوریحان البیرونی، خواجہ نصیر الدین طوسی، فردوسی، سعدی شیرازی، حافظ شیرازی، عمر خیام اور مولانا روم جیسی عظیم شخصیتیں پیدا کیں ہیں۔(۱۵)

سرزمین ایران دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے اور آج کی دنیا میں شاندار تہذیب وتمدن کی امین کے طور پر جانی جاتی ہے۔وہ تہذیب وتمدن جس سے مختلف ادوار میں مختلف حکمرانوں، شاہی سلسلوں، عقائد و نظریات اور خارجی عوامل نے گوناگوں اور حسین رسم ورواج اور روایات سے مزین کیا۔ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں جب یہاں اسلام کی روشنی پھیلی تو رفتہ رفتہ صدیوں پرانی شہنشاہیت کی وسعتیں سمٹنے لگیں۔جس کے بعد اس خطے نے نووارد حکمرانوں کا دور بھی دیکھا۔گو ایران کی تاریخ کے دو اہم اور بھرپور چہرے ہیں ایک اسلام کی آمد سے پہلے اور دوسرا اسلام کی آمد کے بعد۔

ایران کا جغرافیائی جائزہ:

ایران کے شمال میں بحیرہ خزر اور ترکستان ہے۔اس کے مشرق میں اس کی سرحد افغانستان اور پاکستان سے ملی ہوئی ہیں۔جنوب میں خلیج فارس واقع ہے اور مغرب ترکی سے ملا ہوا ہے۔

رقبے کے اعتبار سے ایران کا شمار دنیا کے بڑے ممالک میں ہوتا ہے۔اس کا کل رقبہ ۱۶۴۸۱۹۵ مربع کلو میٹر ہے۔(۱۶) جدید ترین سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ایران کی آبادی ۷۷،۹۹،۲۰۴، ۵۷ نفوس پر مشتمل ہے۔ جس میں سے ۵۶.۶ فیصد شہروں میں اور ۴۳.۴ فیصد آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔(۱۷)

مملکت جمہوری اسلامی ایران میں عظیم سطح مرتفع وسیع حصہ پر واقع ہے۔شمال اور جنوب میں پہاڑی سلسلے ہیں۔شمال سلسلہ البرز اور جنوبی سلسلہ کوہ زاگروس ہے۔یہ پہاڑ کافی بلند ہے۔ایران کی سب سے بلند چوٹی ''کوہ دماوند'' کوہ البرز پر واقع ہے۔اس کی بلندی تقریباً ۱۸،۰۰۰ فٹ ہے۔بحیرہ کیسپئن کا ساحلی علاقہ، جنوبی ساحلی علاقے اور میدان خوزستان، ہموار اور میدانی خطے ہیں جن میں زراعت بخوبی ہوتی ہے۔

ایران کا سب سے بڑا دریا، دریائے کارون ہے جو وسطی ایران کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور میدان خوزستان کو سیراب کرتے ہوئے خلیج فارس میں جا گرتا ہے۔دوسرے دریاؤں میں دریائے ارس، سفید رود، کرخہ، ہرلیل رود، ہیرمند زانید رود اور رود گر اہم ہیں۔ان کے علاوہ بے شمار ندی نالے پہاڑوں سے بہتے ہیں۔قدرتی

جھیلیں بھی واقع ہیں۔ زیر زمین پانی کے بھی وسیع ذخائر ایران میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں میٹھے پانی اور کھارے پانی کی جھیلیں شامل ہیں۔ سب سے بڑی جھیل ارومیہ ہے جو ۶۰۰ مربع کلومیٹر کے رقبے پر پھیلی ہوئی ہے اس میں کھارے پانی کا تناسب ۲۳ فیصد ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ جھیل بختگان، جھیل ہامون اور جازموریان اہم جھیلیں ہیں۔ (۱۸)

ایران کی آب و ہوا مجموعی طور پر خشک ہے۔ (۱۹) کیونکہ یہ ملک خشک عالمی آب و ہوا کے راستے میں واقع ہے اور دوسری طرف البرز اور زاگروس کے پہاڑ خزر سمندر کی مرطوب آب و ہوا کو پورے ملک میں داخل ہونے سے روکے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایران کی آب و ہوا خشک اور بیابانی خصوصیت رکھتی ہے۔ ان سب وجوہات کے باوجود چونکہ ایران ۲۵ درجے اور ۴۰ درجے عرض بلد کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اسی لئے اس ملک میں بلند پہاڑوں کی وجہ سے مختلف علاقوں میں آب و ہوا بھی مختلف ہے۔ ایران کا سالانہ اوسط درجہ حرارت آذربائیجان میں دس درجہ سینٹی گریڈ سے شروع ہوکر جنوب مشرقی علاقے یعنی سیستان و بلوچستان میں ۲۵ سے ۳۰ درجے سینٹی گریڈ تک پہنچتا ہے۔ ایران کے شمالی اور جنوبی سمندری کنارے سال کے مختلف موسموں میں مرکزی اور کوہستانی علاقوں سے بالکل الگ آب و ہوا رکھتے ہیں۔ مثلا ایران کے جنوب میں بندر عباس کا درجہ حرارت ۲/۱۸۱ سنیٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ سالانہ بارش کا اوسط بھی مختلف علاقوں میں بہت زیادہ ہے جس کی صوبہ گیلان میں ۲۰۰۰ ملی میٹر سے لیکر وسطی علاقوں میں ۱۰۰ ملی میٹر تک مختلف ہے۔ ایران کی مجموعی سالانہ اوسط بارش تقریباً ۲،۷۵ ملی میٹر ہے۔ (۲۰) وسطی ایشیا، ترکی اور عرب ممالک کے راستوں میں واقع ہونے کی وجہ سے ایران میں مختلف قومیں آباد ہیں۔ جن میں ترکمن قوم جوادغور کی نسل سے ہے۔ یہ قوم صوبہ خراسان کے شمال میں صحرائے ترکمن میں آباد ہے۔ یہ اپنے چہرے مہرے، زبان اور ثقافت کے لحاظ سے ایران کی دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہیں۔ آذربائیجان میں ترک آباد ہیں جو زبان کے علاوہ ایران کے دوسرے شہریوں سے کوئی زیادہ فرق نہیں رکھتے۔ مرکزی علاقہ میں قشقائی قبیلوں کے لوگ آباد ہیں۔ یہ دراصل ترکی النسل ہیں۔ عرب صوبہ خوزستان یا خلیج فارس کے ساحل پر بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ فارس، کرد، لر، تالش، بختیاری اور بلوچ اقوام بھی آباد ہیں۔ مگر یہ سب قومیں آپس میں گھل مل گئی ہیں۔ اسی وجہ سے ایران میں قومی سرحدوں کے تعین میں دن بدن مشکل پیش آرہی ہے۔

زبان، رسم الخط، سال کا آغاز اور جھنڈا:

قدیم ایرانی زبانوں کی بنیاد اس طرح سے ہے: اوستائی، پارسی، باستان پارسی، ہخامنشی پارسی اور پہلوی پارسی، بالآخر زبان فارسی کی بنیاد رکھی گئی اور اسی میں بولنے اور لکھنے لگے۔ (۲۱) اس ملک کی مشترکہ رسم الخط ان کے

مطابق فارسی ہے۔اور سال کا آغاز پیغمبر اکرم ﷺ کی ہجرت سے ہوتا ہے۔ سال کا پہلا دن ''نوروز'' کہلاتا ہے جو ہر سال یکم فروردین (۲۱ مارچ) سے شروع ہوتا ہے۔ ملک کا سرکاری کلینڈر اور تاریخ ہجری شمسی ہے اور ایران کے جھنڈے کا رنگ سبز، سفید اور سرخ ہے جس کے درمیان اسلامی جمہوریہ ایران کا خاص نشان ہے اور اس کے اوپر نیچے بائیس مرتبہ اللہ اکبر لکھا ہوا ہے جو ۲۲ بہمن (۱۱ فروری) کی یاد تازہ کرتا ہے جس دن اسلامی انقلاب کامیاب ہوا۔

دوسرے ملکوں سے ایران جانے کا بہترین راستہ فضائی سفر ہے۔ اسلامی جمہوریہ ایران کی بین الاقوامی پروازیں ایران ایئر ہر روز تہران اور دنیا کے بڑے بڑے شہروں کے درمیان جاری ہے۔ تہران میں تقریباً سبھی ہوائی کمپنیوں کے دفاتر موجود ہیں۔

ترکی، وسط ایشیاء، پاکستان اور افغانستان سے بھی خشکی کے راستے ایران کا سفر کیا جاسکتا ہے۔ ایران کے مرکزی خشکی والے راستے جو اس ملک کو دوسرے ملکوں سے ملاتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ایران براستہ ترکی: ایران کے شمال مغرب میں بازگان کی سرحد پر

۲۔ ایران براستہ پاکستان: زاہدان کے راستے پر میر جاوہ سرحد پر

۳۔ ایران براستہ افغانستان: تایبات، ہرات سرحد پر

۴۔ ایران براستہ جمہوریہ آذربائیجان: آستارا اور جلفا سرحدوں پر

۵۔ ایران براستہ جمہوریہ ترکمستان: سرخس سرحد پر

۶۔ ایران براستہ عراق: قصر شیرین میں خسروی سرحد پر (۲۲)

ان کے علاوہ ایران شمالی سمندری سواحل اور سمندری راستوں کے ذریعے ایشیائی ممالک کے ساتھ اور جنوبی سواحل اور سمندری راستوں کے ذریعے کویت، بحرین، متحدہ عرب امارات اور عمان سے ملا ہوا ہے اور بحر ہند کے ذریعے پوری دنیا سے متصل ہے۔

ایران کے سیاحتی علاقے:

ا۔ بحیرۂ خزر کے ساحلی علاقے:

ایران میں بحیرۂ خزر کا ساحلی میدانی علاقہ گھنے جنگلوں سے بھرا ہوا ہے۔ ان جنگلوں کے درخت کے پتے چوڑے ہیں اور ان جنگلی پارکس، ریتلے ساحل، صاف پانی اور بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا اس علاقے کی قدرتی خوبصورتی کے اچھے مناظر پیش کرتے ہیں۔ ان قدرتی مناظر کے ساتھ ساتھ چھوٹے بڑے شہر جو اکثر ساحلی

شاہراہ پر واقع ہیں۔ اجتماعی اور اقتصادی سرگرمیوں کے مراکز ہیں۔ سرحدی شہر ''آستارا'' سے لے کر جو ایران کے شمالی ترین نقطہ پر واقع ہیں، بحیرہ خضر کے جنوب مشرق میں واقع دریائے اتاترک کے کناروں تک بہت زیادہ شہر اور سیاحتی مراکز مثلاً تالش، بندر انزلی، رشت، لاہیجان، رامسر، چالوس، نوشہر، بابل، امل، بہشہر، گرگان اور گنبد کاؤوس وغیرہ واقع ہیں۔ ان شہروں کے علاوہ خصوصاً ساحلی علاقوں میں بہت سے چھوٹے چھوٹے سیاحتی شہر بنائے گئے ہیں جن میں سیاحوں کی رہائش اور مہمان نوازی کے تمام ذرائع میسر ہیں۔

صوبہ آذربائیجان:

آذربائیجان کا پرانا اور تاریخی خطہ ایران کے قدیم ترین تمدنی علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔ آذربائیجان کی سیاحتی اہمیت صرف اس کے قدرتی پہاڑی مناظر مثلاً سہند اور سبلان کے پہاڑوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اس خطے میں موجود پانی سے علاج و معالج کے مراکز جو بہت اہمیت کے حامل ہیں مثلاً سرعین، بستان آباد، قورتو سو اور خصوصاً ارومیہ جھیل کے خوبصورت اور دلکش کنارے بھی اس کا موجب ہیں۔

ہمدان، باختران، کردستان اور ایلام:

شہر ہمدان جس کی بنیاد ماد قوم کے زمانے میں یعنی ۷۰۰ قبل مسیح میں پڑی تھی بہت سے قابل دید مقامات رکھتا ہے۔ ان میں سے اہم ترین آثار مندرجہ ذیل ہیں:

گنج نامہ کے کتبے، شیر سنگی (پتھر کا شیر)، مقبرہ استر اور مقبرہ مردخانے، گنبد علویان، ابو علی اور بابا طاہر عریان کے مزارات وغیرہ، ہمدان کے اردگرد بہت سی قابل دید قدرتی چیزیں ہیں جن میں سے ''علی صدر کا غار''، ''جوق کا قلعہ''، ''ہزج کا قلعہ'' اور دوسرے غار مشہور ہیں۔

باختران کے صوبے میں پرانے شہر مثلاً باختران (سابقہ کرمانشاہ) قصر شیرین، پاوہ، سنقر اسلام آباد اور کرند مشہور ہیں جو ایران کے تمدنی مراکز میں شمار ہوتے ہیں۔

کردستان کی پہاڑی سرزمین جس میں سے سندج (صوبے کا مرکز) اور دوسرے شہر مثلاً سقز، بیجار، مریوار، قروہ اور بانہ وغیرہ شامل ہیں۔ بہت قابل دید اور رہائشی مقامات رکھتی ہے۔

صوبہ ایلام:

صوبہ ایلام کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ایلام شہر میں بھی اس صوبے کے دوسرے شہروں یعنی مہران اور دہلران کی طرح بین النہرین کی تاریخی سرزمین سے تعلق رکھنے کی وجہ سے بہت زیادہ آثار قدیمہ موجود ہیں جیسا کہ درہ شہر، دہلران اور سراب گلان شیروان میں جن کی تاریخ ساسانی عہد حکومت جا پہنچتی ہے۔

صوبہ خراسان:

صوبہ خراسان ایران کے شمال مشرقی حصے میں واقع ہے۔ سرزمین خراسان عام طور پر تاریخی اور بڑے شہروں پر مشتمل تصور کی جاتی ہے۔ خراسان کا شمار ایران کے بہت بڑے ثقافتی، تاریخی اور قدیم مراکز میں ہوتا ہے جس میں مشہد، نیشاپور، بیرجند وغیرہ مشہور ہیں اور ان کے علاوہ طبس، جو ریگستانی علاقے کا بہت ہی خوبصورت شہر اسی صوبے میں واقع ہے۔

مشہد:

یہ شہر جو دوسری صدی ہجری یعنی نویں صدی عیسوی تک ایک چھوٹا سا گاؤں جس کا نام ''سناباذ'' تھا۔ حضرت امام علی رضا کی جائے شہادت کی وجہ سے اس کا نام ''مشہدِ مقدس'' پڑ گیا۔ روضہ امام رضا کا عجائب گھر اور لائبریری ایران کے سب سے بڑے ثقافتی اور ہنری خزانوں میں شمار ہوتے ہیں۔

طوس:

مشہد شہر سے ۲۸ کلومیٹر شمال مغرب میں واقع ہے جو کسی زمانے میں خراسان کے بہت بڑے شہروں اور تمدنی مراکز میں گنا جاتا تھا۔ لیکن آج اس میں کھنڈرات اور قدیم قلعے کے کچھ حصے کے سوا کوئی چیز باقی نہیں ہے اسی شہر میں ایران کے نامور شاعر ''فردوسی'' کا مقبرہ ہے۔

نیشاپور:

یہ شہر مشہد سے جنوب مغرب میں تقریباً ۱۱۰ کلومیٹر کے فاصلے پر سبزوار شاہراہ پر واقع ہے۔ حکیم عمر خیام نیشاپوری کا مقبرہ جس کی رباعیات بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں، اسی شہر میں ہے۔

طبس کا شہر:

طبس کا شہر ایران کے خشک اور گرم ریگستانی علاقوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ طبس کی ''مہمان سرا'' اپنے مناسب وسائل کے ساتھ مسافرین کی مہمان نوازی کیلئے مشہور ہے۔

اصفہان:

اصفہان کی ثقافتی اور تمدنی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اس شہر کی بنیاد غالباً ہخامنشی عہدِ حکومت میں رکھی گئی تھی اس شہر میں سیاحوں کی کشش کیلئے مندرجہ ذیل تاریخی مقامات ہیں۔
جامع مسجد اصفہان: اسلامی عہد کے مختلف زمانوں کے فن معماری کا مجموعہ ہے۔

مسجد امام: پہلے اس مسجد کا نام ''بادشاہی مسجد یا مسجد شاہ'' تھا یہ شاہ عباس صفوی کے زمانے کی یادگار ہے۔
آتش کدہ زرتشی یا آتش گاہ: اصفہان میں اسلام سے پہلے کی عمارت ہے۔

شیراز:

شیراز صوبہ فارس کا صدر مقام ہے۔ حافظ اور سعدی شیرازی کے مقبرے قابل دید مقامات میں شمار ہوتے ہیں۔ جہاں ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ زیارت کیلئے آتے ہیں۔

کرمان:

کرمان کی تاریخی عمارت کا تعلق تیسری صدی عیسوی سے ہے۔ اہم ترین مقامات میں قلعہ اردشیر اور قلعہ دختر شمار کیے جاتے ہیں۔ ان آثار کے علاوہ جامع مسجد کبیر جو نویں صدی ہجری کی عمارت ہے، بھی مشہور ہے۔

یزد:

ایران کے قدیم اور ریگستانی علاقے کا شہر ہے۔ یزد کی دستکاری کی صنعتوں کی پیداوار مشینی دور سے پہلے اپنی ہنری اصالت اور دلکشی کی وجہ سے شہرت رکھتی ہے۔ شہر یزد کے اہم آثار یہ ہیں:
مسجد جامع یزد: جو آٹھویں صدی ہجری کے اوائل سے تعلق رکھتی ہے۔ زندان اسکندر (اسکندر کا جیل خانہ) آتشکدہِ یزدان، باغ دولت آباد، باغ خان، میدان خان اور بازار خان۔ شہر یزد ایران میں زرتشوں کا سب سے بڑا مرکز ہے جو صدیوں سے اس شہر میں آباد ہیں۔

جنوبی ساحلی علاقہ اور خلیج فارس کے جزائر:

ایران کے اس علاقے اپنی تاریخی قدامت کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ اسی لئے گذشتہ چند سالوں کے دوران اس علاقے کی سیاحتی اہمیت پر بھی کافی توجہ دی گئی ہے۔ بندر عباس، بوشہر میں جو اس علاقے کے نئے مراکز ہیں ساحلی شہروں کے قدیم اور جدید نمونے ایک ساتھ دیکھنے میں آتے ہیں۔ جزیرہ ہرمز کے مشہور قلعے اور پانی کے قدیم ذخائر، جزیرہ قشم میں قدیم قابل دید علاقائی مقامات اور جزیرہ کیش میں واقع بڑے بڑے سیاحتی ادارے اور تاریخی آثار مثلاً شہر ہریرہ اور زمین دوز پانی کے روایتی مخزن، جنوبی سواحل پر ایران کے اہم مراکز میں شمار ہوتے ہیں۔

خوزستان:

یہ علاقہ اپنی تمدنی قدامت کی وجہ سے بہت ہی قابل دید تاریخی اور قدیم مقامات رکھتا ہے۔ خوزستان کے

شہر شوش میں موجود دانیال پیغمبر کے مقبرے کے علاوہ جو علاقائی زیارت گاہوں میں سے ہیں۔ خود پرانے شہر شوش کے کھنڈرات بھی مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔ مسجد سلیمان اور شوستر کے شہروں میں باقی ماندہ آثار قدیمہ جو ہخامنشی، اشکانی اور ساسانی زبانوں سے متعلق ہیں دنیا میں اپنی قسم کے آثار میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔

تہران:

تہران اگرچہ بہت پرانا نہیں پھر بھی اپنے اندر خاص قابل دید آثار رکھتا ہے۔ تہران جو شہر ''رے'' کا ایک گاؤں تھا، مغلوں کے ہاتھوں رے کی تباہی کے بعد آہستہ آہستہ ترقی کرتا گیا یہاں تک محمد خان قاچار کے زمانے یعنی اٹھارویں صدی عیسی کے آخر میں ایران کا دارالحکومت بن گیا اور پھر اس نے رے کی جگہ لے لی۔ تہران میں اہم ترین قابل دید مراکز مندرجہ ذیل ہیں۔

نیشنل بینک میں جواہرات کا عجائب گھر، جس میں مشہور ہیرے ''دریائے نور'' اور دوسرے قیمتی جواہرات کے علاوہ بادشاہوں کے تاج بھی محفوظ ہیں۔

ملک کے اصلی اور سب سے بڑے شہر کی حیثیت سے آج تہران کی شکل بالکل تبدیل ہو چکی ہے اور اس کی وجہ اس شہر کا حد سے زیادہ پھیلاؤ ہے۔ ملک کے اہم ترین فوجی، سیاسی، اقتصادی، مواصلاتی اور تجارتی ادارے تہران میں ہی واقع ہیں۔

تہران کے جنوب میں بہشت زہرا قبرستان واقع ہے جس میں اسلامی انقلاب اور ایران، عراق جنگ میں جاں بحق ہونے والے ایک لاکھ سے زائد مقتولین کی قبریں ہیں۔ آج سے چوبیس سال قبل رہبر اسلامی انقلاب ایران امام خمینی کو بھی یہاں دفن کیا گیا ہے۔ ان کا مقبرہ بھی اب ایک زیارتی مرکز میں تبدیل ہو گیا ہے۔ روزانہ ملکی اور غیر ملکی عقیدت مندان کے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ (۲۳)

حوالہ جات

(۱) رضائی، ڈاکٹر عبدالعظیم، تاریخ تمدن و فرہنگ ایران، کتاب خانہ ملی، ایران، اشاعت چہارم، ۱۳۸۶ش، بمطابق ۱۹۶۳ء، ص:۶۳

(۲) نیا، حسن پیر، تاریخ ایران از آغاز انقلاب ساسانیان، انتشارات کتاب خانہ خیام، (تہران)، س ن، ص:۲۵۶

(۳) جوان، ڈاکٹر موسیٰ، تاریخ اجتماعی ایران باستان، چاپ خانہ رنگین، تہران، ۱۳۴۰ خورشیدی، بمطابق ۱۹۶۳ء، ص:۹

(۴) مشمولہ: وحدت اسلامی (اسلام آباد)، دفتر قونصلر جنرل اسلامی جمہوریہ ایران، یکم دسمبر ۱۹۹۴ء، ص:۴۹

(۵) ناصری، طبقات، منہاج سراج، ج ۱، (مترجم: غلام رسول مہر)، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص:۴۵

(۶) ابن خلدون، عبدالرحمٰن، دیوان المبتداء والخبر فی تاریخ العرب والبربرومن عاصرھم من ملوک التتر، ج ۲، دارالفکر بیروت، ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء، ص:۹

(۷) ایضاً، ص: ۱۰، ۱۱، ۱۲

(۸) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۱۱۵، دسمبر ۱۹۹۴ء ص:۴۹

(۹) شیخ، محمد حیات، تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران، مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور، س ن، ص:۱۴

(۱۰) ایضاً، ص:۱۹

(۱۱) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۱، ستمبر ۱۹۹۲ء، ص:۲۴

(۱۲) شیخ، محمد حیات، تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران، ص:۱۱۷

(۱۳) حسین، پروفیسر ڈاکٹر عسکری، انقلاب ایران کی سماجی، سیاسی اور نظریات ہمہ گیری، زرافشا عسکری، گلستان جوہر، بلاک ۷، کراچی، ۲۰۰۲ء، ص:۹

(۱۴) ایضاً

(۱۵) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۱، ستمبر ۱۹۹۲ء، ص:۲۶

(۱۶) فرہنگ جہانگ بخش، دائرہ المعارف، بزرگ زرین، ج۱، گروہ مترجمین، انتشارات زرین، تہران، اشاعت اول، ۱۳۷۷ش، بمطابق ۱۹۹۸ء، ص:۳۳۳

(۱۷) مشمولہ: روزنامہ اطلاعات، تہران، ۴ر دسمبر ۱۹۹۱ء، ص:۸

(۱۸) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۱، ستمبر ۱۹۹۲ء، ص:۱۹

(۱۹) تاریخ وتمدن وفرہنگ، ص:۲۳

(۲۰) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۱، ستمبر ۱۹۹۲ء ص:۲۲

(۲۱) تاریخ تمدن وفرہنگ ایران، ص:۲۰۴

(۲۲) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۱، ۱۹۹۲، ص:۳۴

(۲۳) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۱، ستمبر ۱۹۹۲ء، ص:۴۶

باب دوئم:

امام خمینی کا خاندانی پس منظر

امام خمینی کے خاندان کا تعلق امام موسیٰ کاظم سے ہے۔آپ کے دادا کا نام سید احمد موسوی تھا۔آپ ''الہندی'' کے لقب سے بھی مشہور تھے۔(۱) ان کا تعلق بہت بڑے عالم میر حامد حسین نیشاپوری سے تھا جو عبقات الانوار کے مصنف تھے۔آپ کے اجداد کا تعلق برصغیر سے بھی قائم رہا۔اس کا اظہار امام خمینی کے پوتے سید حسن خمینی نے بھی کیا ہے۔فروری ۲۰۰۰ء میں پاکستان کے چیف ایگزیکٹیو جنرل مشرف نے انہیں پاکستان آنے کی دعوت دی اور اسلام آباد میں ایک بڑے اجتماع سے اپنے خطاب میں انہوں نے کہا:

> ''انقلاب ایران صرف ایران تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کے اثرات افغانستان، کشمیر، فلسطین، بوسنیا اور چیچنیا تک جا پہنچے ہیں۔میرے جد امجد کا تعلق کشمیر سے رہا ہے، اس نسبت سے میں کشمیر سے خصوصی تعلق محسوس کرتا ہوں۔''(۲)

امام خمینی کے دادا سید احمد موسوی کی وفات کے وقت ان کے دو بچے تھے ایک دختر جس کا نام صاحبہ اور ایک پسر بنام سید مصطفیٰ خمینی جو امام خمینی کے والد تھے۔

آپ کے والد آیت اللہ مرزا شیرازی کے ہم عصر تھے، نے ابتدائی تعلیم ایران کے شہر اصفہان میں حاصل کی۔اصفہان میں ان کے استاد میر محمد تقی مدرسی تھے اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے عراق گئے۔عراق کے شہر نجف اشرف میں کئی سال تک اسلامی علوم حاصل کرنے کے بعد درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے۔پھر ایران واپس آ کر خمین میں قیام پذیر ہوئے اور لوگ ان کی رہنمائی میں دینی امور انجام دیتے تھے۔(۳) علم حاصل کرنے کا طریقہ کار وہی تھا جو اس وقت پورے ایران میں رائج تھا یعنی روایتی طریقہ کار تھا۔ابتدائی تعلیم ایران میں حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے عراق کے وہ شہر جن میں ائمہ کے روضے ہیں وہاں جاتے تھے۔یہ طریقہ طویل عرصے تک رہا۔رہبر انقلاب اسلامی امام خمینی کی تعلیم مکمل طور پر ایران میں ہوئی۔

سید مصطفیٰ خمینی کے تین بیٹے تھے: ۱۔سید مرتضیٰ جو بعد میں آیت اللہ پسندیدہ کے نام سے مشہور ہوئے۔۲۔سید نور الدین ۳۔سید روح اللہ جو بعد میں امام خمینی اور آیت اللہ خمینی کے نام سے مشہور ہوئے۔واضح رہے کہ خود امام خمینی کے دو بیٹے پیدا ہوئے ان میں سے ایک کا نام انہوں نے اپنے والد کے نام پر سید مصطفیٰ خمینی رکھا ان کو امام خمینی کے نجف میں تدریس کے دوران قتل کیا گیا۔جس کی تفصیلی بحث ہم اسی باب کے اگلے مرحلے

میں بیان کریں گے۔ دوسرے بیٹے کا نام سید احمد خمینی رکھا۔ اس طرح امام خمینی نے اپنے ایک بیٹے کا نام اپنے والد کے نام پر اور دوسرے بیٹے کا نام اپنے دادا کے نام پر رکھا۔

ذوالحجہ ۱۳۲۰ھ میں امام خمینی کی ولادت کے چار ماہ بعد آپ کے والد سید مصطفیٰ خمینی کو خمین اور پڑوسی شہر اراک کے درمیان شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے ایک حملے میں قتل کر دیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر ۴۷ سال تھی۔ (۴) قاتل کی پہچان فوراً کر لی گئی۔ یہ جعفر قلی خان تھا جو اس علاقے کے ایک بڑے زمیندار بہرام خان کا چچازاد بھائی تھا۔ قتل کے جس سبب کو قابل اعتبار مانا گیا اس کے مطابق سید مصطفیٰ غریب کسانوں کی حمایت کرنے کے سبب مقامی زمینداروں کے غیظ و غضب کا شکار ہوئے۔ ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ سید مصطفیٰ مذہبی رہنما ہونے کے ساتھ ساتھ اوسط درجہ کے ایک کاشتکار بھی تھے۔ اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آب پاشی کے حقوق کے ان جھگڑوں کا شکار ہوئے ہوں جو اس وقت عام تھے۔ ان کے قتل کے بعد ان کی بہن "صاحبہ" نے کوشش کی کہ بھائی کے قاتل کو قانونی طور پر سزا دلا دے مگر وہ خمین میں بھائی کے قاتل کو سزا دلوانے میں ناکام رہی تو مصطفیٰ خمینی کی بیوہ اور ان کے لواحقین ان کے قاتل کو سزا دلوانے کیلئے احتجاج کرتے ہوئے تہران گئے۔ (ایک روایت کے مطابق اس وقت ہاجر کی گود میں شیر خوار روح اللہ خمینی تھے جبکہ ان کے دو بڑے بیٹے مرتضیٰ اور نور الدین ان کے ساتھ تھے)۔ آخر کار ان کی کوششیں کامیاب ہوئیں یہاں تک کہ مصطفیٰ خمینی کے قاتل سے قصاص لیا گیا۔

امام خمینی کی ولادت، بچپن اور ابتدائی تعلیم:

امام خمینی کا نام روح اللہ تھا آپ کی ولادت ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۲۰ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۰۲ء کو خمین میں ایک مذہبی گھرانے میں ہوئی۔ خمین قم سے دور جنوب مغرب کی طرف ۱۶۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ امام موسیٰ کاظم کی اولاد سے تھے۔ اس لئے موسوی کہلاتے تھے۔ آپ کے والد سید مصطفیٰ خمینی کو جس وقت قتل کیا گیا اس وقت آپ کی عمر پانچ ماہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تعلیم و تربیت میں آپ کے والد کا کوئی کردار نہیں رہا۔ بلکہ آپ کی تعلیم و تربیت میں آپ کی والدہ "ہاجر" جو مرزا احمد خوانساری جیسے عالم دین کی صاحبزادی تھی کا کردار رہا۔ اس وقت مرزا احمد خوانساری خمین ہی میں رہتے تھے۔ امام خمینی نے اپنے بچپن کا زمانہ "خمین" میں بسر کیا۔ ایک خاتون جس کا نام خاور تھا وہی امام خمینی کی دایہ تھی اور وہی ان کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔ اس کے شوہر کربلائی مرزا امام خمینی کے والد کے ملازم تھے۔

جب امام خمینی کی عمر سولہ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ ہاجر اور پھوپھی "صاحبہ" جنھوں نے آپ کی تربیت میں نمایاں حصہ لیا تھا، ۱۹۱۸ء میں دونوں کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد گھر کی تمام ذمہ داریاں آپ کے بڑے بھائی

سید مرتضیٰ پر آپڑیں۔ بھائیوں کی مالی بہبود کا ذریعہ ان کے والد کی جائیداد تھی لیکن عدم تحفظ اور لاقانونیت جس نے ان کی جان لی تھی، وہ اب بھی باقی تھی۔ زمینداروں کے لگاتار آپسی جھگڑوں کے علاوہ خمین بختیاریوں اور دیگر قبائل کے حملوں کا شکار بھی رہا جب بھی ان قبائل والوں کو موقع ملتا تھا خمین پر حملہ کر دیتے تھے۔ ایک بار جب قبائلی سردار رجب علی حملہ کرتا ہوا آیا تو امام خمینی نے اپنے بھائیوں کے ساتھ رائفل اٹھا کر اپنے خاندان کا دفاع کیا۔ اس وقت آپ کم عمر تھے۔ امام خمینی ایک مقام پر بعض ایسے سرداروں اور افراد کا نام لے کر جو مرکزی حکومت کی پشت پناہی میں عوام کے جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلتے تھے اس طرح ذکر کرتے ہیں:

''میں بچپن ہی سے جنگ میں مصروف رہا ہوں۔ ہم زلقی اور رجب علی کے حملوں کی زد میں ہوتے تھے۔ ہمارے ہاتھوں میں بندوقیں ہوتی تھیں جبکہ میں ابتدائی بلوغت میں تھا۔ میں بچہ تھا اس وقت ہمارے علاقے میں ان کی طرف سے حملہ کر کے ہمیں لوٹنے کے لئے بنائے گئے مورچوں میں کھوج لگانے جاتا تھا۔''(۵)

جس وقت امام خمینی کی عمر ۱۲ سال تھی آپ پہلی عالمی جنگ کے بارے میں اظہار خیال اس طرح بیان کرتے ہیں:

''مجھے دونوں عالمی جنگوں کی یاد ہے اگرچہ (اس وقت) میں چھوٹا تھا لیکن مدرسہ جاتا تھا۔ میں روسی فوجیوں کو خمین میں قائم ان کی بیرکوں میں دیکھتا رہتا تھا۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران ہمارا ملک لوٹ مار کا شکار ہو گیا تھا۔''(۶)

ایک اور جگہ پر امام خمینی اپنی کم عمری کا ذکر اس طرح سے کرتے ہیں:

''جس علاقے میں ہم رہتے تھے یعنی خمین میں ہم مورچہ بندی کرتے تھے میرے پاس بھی بندوق تھی لیکن میں بچہ تھا۔ بچہ ہونے کے باوجود سولہ، سترہ سال کی عمر میں ہمارے ہاتھوں میں بندوقیں ہوتی تھیں اور بندوق چلانے کی ٹریننگ لیتے اور دیتے تھے۔ ہم مورچوں میں جاتے اور ان شرپسند عناصر سے مقابلہ کرتے تھے جو ہم پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ افراتفری کا دور دورہ تھا۔ مرکزی حکومت میں کوئی طاقت نہ تھی ایک دفعہ خمین کے ایک محلے پر انہوں نے قبضہ کیا تو عوام نے ان سے مقابلہ کرنے کے لئے بندوقیں اٹھائیں میں بھی ان میں شامل تھا۔''(۷)

آپ نے اپنی جوانی کے زمانے میں جن مناظر کا مشاہدہ کیا جنہوں نے ان کی سیاسی تحریکات کو ایک شکل دی ان میں جاگیرداروں اور صوبائی گورنروں کے ظالمانہ اور پرتشدد رویہ بھی بتایا جاتا ہے۔ برسوں بعد انہوں نے

ایک واقعہ کو اس طرح یاد کیا:

"کہ کس طرح ایک نئے گورنر گلپایگان کے تاجروں کی انجمن کے سربراہ کو گرفتار کر کے صرف اس وجہ سے زدوکوب کیا تا کہ عام شہریوں کو خوف زدہ کیا جا سکے۔" (۸)

امام خمینی نے ابتدائی تعلیم خمین میں اپنے گھر کے قریب ملا ابوالقاسم آخون کے مکتب میں حاصل کی۔ حفظ قرآن سے شروع کی۔ امام خمینی کے بڑے بھائی آیت اللہ پسندیدہ کے بقول امام خمینی نے صرف ۷ سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا۔ صرف ونحو اور ادب کیلئے آپ کی والدہ کے چچازاد بھائی شیخ جعفر کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔ ان کے بعد امام خمینی نے دوسرے ابتدائی دروس کی تعلیم افتخار العلماء میرزا محمود سے حاصل کی۔ منطق میں ان کے پہلے استادان کے بہنوئی میرازرضا نجفی تھے۔ مطول اور سیوطی کی کتابیں انہوں نے اپنے بڑے بھائی مرتضیٰ پسندیدہ سے پڑھیں پھر ۱۳۳۹ھ میں اراک چلے گئے اس وقت آیت اللہ شیخ عبدالکریم حائری اراک میں ہوا کرتے تھے اگر چہ لوگوں میں نور اللہ عراقی کو مقدم سمجھا جاتا تھا تا ہم علمی لحاظ سے عبدالکریم حائری مقدم سمجھے جاتے تھے۔ امام خمینی نے اراک کے علاقے سلطان آباد میں شیخ محمد گلپایگانی سے منطق اور عباس اراکی سے شرح لمعہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ (۹)

امام خمینی کی اعلیٰ تعلیم وتدریس:

۱۳ رجب ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء کو آیت اللہ شیخ عبدالکریم حائری یزدی نے اراک سے قم (✽) کی طرف ہجرت کی اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد امام خمینی بھی اپنی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے قم میں آئے وہاں کے اساتذہ کے ہاں دینی نصاب میں شامل تعلیمی مراحل کو طے کیا۔ آپ نے علم ومعانی وبیان میں مرزا محمد علی ادیب تہرانی کے ہاں کتاب مطول پڑھی۔ قم میں ہی آیت اللہ سید محمد تقی خوانساری اور سید علی یثربی کاشانی سے بھی اکتساب فیض کیا۔ پھر انہوں نے آیت اللہ حائری کے درس خارج میں جانا شروع کر دیا۔ اس دوران انہوں نے اپنی زیادہ تر اعلیٰ تعلیم کو آیت اللہ حائری اور آیت اللہ میرزا محمد علی شاہ آبادی کی شاگردی میں مکمل کی۔ جب تک آیت اللہ حائری حیات رہے (۱۳۵۵ھ تک) امام خمینی ان کے درس میں باقاعدہ شرکت کرتے رہے۔ (۱۰)

آپ کی تعلیم کا زیادہ تر دورانیہ قم میں گزرا ہے اور یہی وہ دور ہے جب رضا خان کے بیٹے احمد قاچار کا تختہ الٹا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی قم سیاسی مرکز بنا ہوا تھا۔ (۱۱) انگریزوں کے خلاف قیام کی قیادت کرنے پر

✽ قم تہران کے جنوب میں ۱۶۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور انتظامی لحاظ سے یہ صوبہ تہران میں شامل ہے۔ یہ شہر تیسری صدی ہجری سے علوم اسلامی کا مرکز ہے اور بارہویں صدی سے لے کر اب تک علوم اسلامی کے طالبین کی تربیت، فقہ، اصول فقہ، حدیث، تفسیر، عرفان اور اخلاق کے بزرگوں کا مرکز کے طور پر معروف ہے۔ اس کا قدیمی مرکز ہونا امام موسیٰ کاظم کی دختر حضرت فاطمہ معصومہ کے مزار کا یہاں ہونا موجب بنا۔

عراق سے محمد تقی شیرازی اور ان کے ساتھ لایا گیا تھا اور انہوں نے ایران میں پناہ لی ہوئی تھی۔ انہوں نے بھی قم جانے کو ترجیح دی ان میں سید ابوالقاسم کاشانی، سید محمد تقی خوانساری، مرزا نائنی اور سید ابوالحسن اصفہانی جیسے علماء شامل تھے۔ اسی طرح اصفہان سے بھی سینکڑوں علماء رضا خان کی سیاست پر اعتراض کرتے ہوئے قم آئے انہی میں ایک محمد رضا نجفی بھی تھے۔ جن سے امام خمینی نے ڈارون کا فلسفہ اور اس پر تنقید کا خصوصی درس حاصل کیا تھا۔ عام طور سے ایسے مضامین مدارس کے نصاب میں شامل نہیں تھے بلکہ ان کے حصول کی مخالفت ہوتی تھی اور شکوک وشبہات پیدا کرنے کا باعث سمجھتے تھے اس کے علاوہ آپ مدارس کے ماحول سے ہٹ کر اخبارات اور رسائل بھی پڑھتے تھے۔

۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۰ء کے دوران امام خمینی آیت اللہ بروجردی کے دروس میں شرکت کرتے رہے۔ (۱۲) لوگوں کو ان کے مقام کے بارے میں بتاتے تھے۔ اسی زمانے میں ڈاکٹر محمد مصدق کی جماعت مبارزہ ملی بھی شاہ کے خلاف سرگرم عمل تھی اور آیت اللہ ابوالقاسم کاشانی بھی اس میں شامل تھے۔ آیت اللہ بروجردی اور امام خمینی مبارزہ ملی کو قوم پرست جماعت سمجھتے تھے اور ان کی سیاست کو پسند نہیں کرتے تھے۔

امام خمینی کی تدریس دو حصوں پر مشتمل ہے تدریس قم اور تدریس نجف پہلے تدریس قم کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے اس کے بعد تدریس نجف کا مرحلہ آئے گا۔

قم میں امام خمینی کی تدریس:

امام خمینی کے استاد آیت اللہ عبدالکریم حائری کا انتقال (۱۹۳۵ء) میں ہوا ان کے انتقال کے بعد آیت اللہ بروجردی نے حوزہ علمیہ قم کی قیادت سنبھالی۔ آیت اللہ بروجردی کو قم لانے اور حوزہ علمیہ کی قیادت کے فرائض سنبھالنے پر آمادہ کرنے میں امام خمینی نے اہم کردار ادا کیا۔ آیت اللہ بروجردی جس وقت قم میں آئے تھے اس وقت آپ فقہ، اصول فقہ، فلسفہ، عرفان وسلوک اور اخلاقیات کے شعبوں میں ایک صاحب نظر استاد اور مجتہد کے طور پر جانے جاتے تھے۔ آپ کا حلقہ درس حوزہ علمیہ قم کے معتبر ترین حلقوں میں شمار ہوتا تھا۔ جن میں متعدد مجتہد بھی شامل ہوتے تھے اور آپ کے مکتب فقہ اور اصول فقہ سے استفادہ کرنے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ ہزاروں علماء اور دانشوروں کی تربیت امام خمینی کی قم میں چند سالہ تدریسی کاوشوں کا نتیجہ بتایا جاتا ہے۔ ان علماء میں سے ہر ایک آج کے دور میں حوزہ علمیہ قم اور دیگر دینی مراکز کے طلباء کے درس دینے والے نامور اور مستند مجتہدین، فقہاء اور عرفاء میں شمار کیا جاتا ہے۔ آیت اللہ مرتضیٰ مطہری اور آیت اللہ ڈاکٹر بہشتی جیسے نامور مفکرین بھی امام خمینی کے شاگردوں میں سے تھے۔ (۱۳) آج ایران کے کلیدی عہدوں پر فائز علماء آپ کے فقہی اور سیاسی مکتب کے تربیت

یافتہ ہیں۔

جس وقت امام خمینی حوزۂ علمیہ قم میں درس دے رہے تھے اس وقت رضا خان پہلوی نے حوزہ علمیہ کے نظام کو درہم برہم کرنے کی غرض سے سرکاری طور پر علماء سے امتحان لینے کا حکم جاری کیا۔ آپ نے بھرپور طریقے سے اس حکم کی مخالفت کی اور قم کے بعض نامور علماء کو رضا شاہ پہلوی کے اس منصوبے کے پس پردہ عزائم سے آگاہ کیا جو اس کاروائی کو ایک اصلاحی قدم قرار دے رہے تھے۔ اس دور میں ایران کے علماء سرکاری ذرائع ابلاغ کے وسیع مہم کی وجہ سے آپس کے تفرقہ ونہضت مشروط (آئینی تحریک) کے بعد مذہبی رہنماؤں کے طبقے کو پہنچنے والے صدمات کی وجہ سے گوشہ نشینی ہونے پر مجبور ہوگئے تھے۔ یہاں تک کہ عرفان وسلوک اور فلسفہ جیسے علوم کی تدریس و تعلیم جو روزہ مرہ مسائل اور عصری تقاضوں کو موضوع بحث بنانے کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔ بعض لوگوں کی طرف سے ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ ان حالات میں آپ پر فلسفہ عرفان اور اخلاقیات کے دروس بند کرنے کے لئے دباؤ بڑھ گیا لیکن آپ نے دروس کو بند کرنے کے بجائے ایک خفیہ جگہ پر منتقل کیا اور شاگردوں کی تربیت پر توجہ دیتے رہے اور آپ کہتے رہے کہ ''میں اپنے آپ کو اسلام اور قوم کا خادم اور سپاہی سمجھتا ہوں۔'' (۱۴) قم میں امام خمینی نے اپنے دروس کے سلسلے کو اس وقت روکا جس وقت آپ اپنے استاد آیت اللہ عبدالکریم حائری کی فرمائش پر اپنی کتاب کشف الاسرار لکھنے میں مصروف تھے۔ کشف الاسرار دراصل احمد کسروی نامی شخص کے ایک شاگرد علی اکبر حکیمی زادہ کی کتابچہ ''اسرار ہزار سالہ'' کا جواب تھا۔ جو مکتب تشیع کے بعض حساس عقائد پر تنقید کا جواب ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے شیعہ مکاتب پر ہونے والے بہت سے اعتراضات کے جوابات دیئے اور رضا خان کی حکومت کو غیر قانونی قرار دیا اور فقیہ کی ولایت کو بھی بیان کیا۔ آپ کی سوچ یہ تھی کہ خدائے عادل ہرگز ظالم حکومت کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکتا بلکہ صرف حکومت خدا یعنی قانون الٰہی کی حاکمیت ایک ایسی حکومت ہے جسے عقل وشرع برحق سمجھتی ہے اور ایسی حکومت اگر فقیہ کے ہاتھ میں نہ ہو تو کم از کم قانون الٰہی کی بنیاد پر استوار ہونا چاہیے اسی میں حکومت اور عوام کی فلاح ہے اور ایسی حکومت فقہاء کی نظارت کے بغیر ممکن نہیں۔

اس دور میں امام خمینی نے رضا خان پہلوی اور ان کے ہم خیال لوگوں کی غیر قومی اور لادینیت پر مبنی پالیسیوں کو بھی ہدف تنقید بنایا اور رضا خان کو شاہی خطاب کے بجائے اس کے نام سے پکارا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے درس اخلاق میں بھی شاہ کے خلاف مواد شامل ہوتا تھا اس وقت امام خمینی نے لوگوں کو تجویز دی کہ قابل ترین مجتہدین کی ایک اسمبلی ایک انصاف پرور شہنشاہ کا انتخاب کریں جو الٰہی قوانین کی خلاف ورزی نہ کرے نیز ظالم اور بداعمالیوں پر روک لگائے اور لوگوں کی املاک، زندگی اور عزت کے معاملے میں حد سے نہ بڑھے۔ یہ شہنشاہیت

بھی اس وقت تک قابل قبول رہے گی جب تک کوئی بہتر نظام تشکیل نہیں پاتا۔

قم میں امام خمینی نے عرفانیات اور اخلاقیات کے درس کو شیخ انصاری کی منازل السائرین کے تحقیقی مطالعے سے آغاز کیا لیکن مطالعہ کا دائرہ متن کے علاوہ معاصر نظریات کا احاط کئے ہوئے تھا۔ اس درس کو اس قدر مقبولیت ہوئی کہ دینی علوم کے طلباء اور عوام جو قم میں رہتے تھے ان کے علاوہ تہران اور اصفہان سے لوگ درس سننے آجاتے تھے۔ آپ کی تقریروں کی یہ مقبولیت پہلوی حکومت کی پالیسیوں کے خلاف تھی جو علماء کے اثرات کو دینی درسگاہوں تک محدود رکھنا چاہتی تھی۔ مختلف النوع سامعین کو اخلاقیات کا درس دینے کے ساتھ ہی انہوں نے اہم عرفانی کتاب ملا صدرا کی کتاب اسفار اربعہ کا روح سے متعلق حصہ اور سبزواری کی شرح منظومہ کچھ منتخب نوجوان طلباء کو پڑھانا شروع کیا ان طلباء میں مرتضی مطہری، حسین علی منتظری کے علاوہ محمد جواد باہنر اور اکبر ہاشمی رفسنجانی بھی تھے۔

اس زمانے میں سیاسی منظر نامہ پر سیکولر نیشنلسٹ ڈاکٹر مصدق کی شخصیت چھائی ہوئی تھی اس وقت امام خمینی نے اپنی توجہ اپنے اردگرد ایسے طلباء جمع کرنے پر دی جو بعد میں پہلوی حکومت کو اکھاڑ پھینکنے میں ان کے معاون بنے۔ حوزۂ علمیہ قم میں آپ نے مدرسہ فیضیہ، مسجد اعظم، مسجد محمدیہ، مدرسہ حاج ملا صادق، مسجد سلماسی کے مقامات پر دروس کا سلسلہ جاری رکھا۔

نجف میں امام خمینی کی تدریس:

جس زمانے میں امام خمینی ترکی سے بدر ہو کر عراق پہنچے اس وقت عراق کے حوزہ علمیہ کے زعیم آیت اللہ محسن الحکیم طباطبائی تھے امام خمینی نے انہیں ایران جانے اور وہاں کے حالات کا قریب سے مشاہدہ کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔ نجف ہی میں امام خمینی نے درس کا سلسلہ شروع کیا تو بحث واعتراض اور حریف کو لاجواب کرنے میں مہارت رکھنے والے افراد کافی تعداد میں آپ کے درس میں آنے لگے۔ ان کا خیال تھا کیونکہ امام خمینی نجف کے فارغ التحصیل نہیں اس لئے وہ ان محققین کے آگے مقاومت نہ لاسکیں گے جو ہر قسم کی ذمہ داریوں سے فارغ ہو کر سالہا سال تک اسلامی علوم میں تحقیق کرتے رہتے تھے۔ امام خمینی نے اپنے باقاعدہ درس کا آغاز ''بیع'' کی بحث سے کیا جو علم فقہ کی پر پیچ اور فنی موضوعات میں سے ایک ہے آپ نے تازہ اور نہ سنے ہوئے مطالب سے حوزہ نجف کو مستفید کیا جن سے بہت سے علماء اور فارغ التحصیل لوگ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتے تھے حیرت کرنے لگے۔ جس کے نتیجے میں مخالفتوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ آپ نے درس میں حوزہ علمیہ نجف کے حالات کو تلخ قرار دیتے ہوئے طلباء کو تہذیب نفس کی دعوت دی۔ آپ نے حدیث کی روشنی میں اس بات پر زور دیا

کہ محبت دنیا اور محبت نفس ہر قسم کے اختلاف کی بنیاد اور مراکز علمی کے تنزل کا باعث ہے۔ امام خمینی نے علماء کے درمیان اختلاف کو لوگوں کے درمیان ان کے اثر ونفوذ کے خاتمے کا سبب قرار دیا۔

ایک نشست میں جہاں امام خمینی کے کچھ حامی شریک تھے، ان میں سے ایک نے نجف کے دو مراجع کی خاموشی اور ان کی طرف سے عدم تعاون پر سخت الفاظ میں تنقید کی۔ اس نشست کی رپورٹ امام خمینی کو ملی آپ نے اپنے حامیوں کو خبردار کیا اور اسے مراکز علمیہ کی کمزوری کا باعث اور حکم شرع کے خلاف قرار دیا۔ نجف میں امام خمینی کو بہت سے مسائل کا سامنا تھا۔ شاہ کے ایجنٹ طلباء کے درمیان افوائیں پھیلاتے اور انہیں ڈراتے تھے خوف کے سبب لوگ امام خمینی کے پیچھے نماز پڑھنے سے بھی ڈرتے تھے۔ تاہم ایک گروہ ایسا بھی تھا جو باقاعدہ امام خمینی کے دروس میں شرکت کرتا تھا اور ان کے پیغامات کو عام کرتا تھا خود امام خمینی اپنی سرگرمی کو خفیہ رکھتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ حوزہ علمیہ کا تعلیمی ماحول خراب ہو۔ البتہ خود عراق کے سیاسی حالات خراب ہونے کے سبب حوزہ علمیہ کا تعلیمی ماحول متاثر ہوا تھا اور بیرون ملک جامعات میں زیر تعلیم ایرانی طلباء کی ایک تنظیم نے امام خمینی کے پیغامات کو عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

حوزہ علمیہ نجف میں امام خمینی نے اپنے درس خارج میں ولایت فقیہ اور اس کے فقہی مباحث کو بیان کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ولایت فقیہ کو اس طرح حوزہ علمیہ میں بیان کیا گیا ورنہ اس سے پہلے کے فقہا نے ولایت فقیہ کی بحث کو کبھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بحث میں کبھی جہاد کے سلسلے میں اور کبھی حدود وقصاص کے ساتھ بیان کیا تھا۔ نجف ہی میں امام خمینی نے اپنی کتاب بیع لکھی جس میں ولایت فقیہ اور حکومت اسلامی کے تصور کو زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھا بلکہ ولی فقیہ کے حدود واختیار کو بھی واضح کیا آپ حوزہ علمیہ نجف میں ولایت فقیہ اور اصول فقہ کے درس خارج کے دوران اور ولایت فقیہ کے عنوان سے حکومت اسلامی کے نظری اصولوں کی تشریح وتوضیح کے علاوہ مختلف قسم کے دشواریوں کے باوجود ایران اور اسلامی دنیا کے سیاسی مسائل کا سرگرمی کے ساتھ جائزہ لیتے تھے۔

عراق میں امام خمینی نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا تو ایران میں شاہ کی طرف سے پروپیگنڈہ کیا جارہا تھا کہ امام خمینی نے سیاست سے دوری اختیار کرلی ہے اور درس وتدریس میں مصروف ہوگئے ہیں۔ اچانک حوزۂ علمیہ قم کے اساتذہ وطلباء کے نام امام خمینی کا ایک پیغام آیا جس میں ایرانی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے انہوں نے شاہ کے جرائم کو بے نقاب کیا۔ یہ پیغام اس قدر خفیہ تھا خود ساواک یعنی شاہ کے خفیہ پولیس کے اہلکاروں کو پانچ مہینے کے بعد اس کی کاپی ملی۔ امام خمینی کے نجف میں قیام کے وقت آپ نے دیگر اسلامی ممالک کے رہنماؤں سے

رابطہ کیا جن میں فلسطینی اور لبنانی شامل تھے۔ عرب اسرائیل جنگ میں آپ نے زکوٰۃ کے ذریعے امداد فراہم کی۔ (۱۵)

۱۹۷۱ء کو ایران کی ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا جشن منایا گیا۔ اس جشن کی تیاری پر دو سو ملین ڈالر خرچ کئے گئے۔ صرف تہران اور شیراز میں چراغاں کیلئے ۶۰ میل طویل تار استعمال کیا گیا۔ پیرس کے ایک مشہور ہوٹل سے باورچیوں، بیکرز اور بیروں کا انتظام کیا گیا۔ شراب کی ۲۵ ہزار بوتلیں ایک ماہ قبل ایران پہنچائی گئیں تھیں۔ اس تقریب میں جن مہمانوں نے شرکت کی ان میں ۲۰ بادشاہ اور شیوخ، ۵ ملکائیں، اکیس ہزار شہزادے اور شہزادیاں، ۱۶ صدور تین وزرائے اعظم، چار نائب صدور اور دو وزرائے خارجہ شامل تھے۔ اہم اعلیٰ شخصیات میں:

سوویت یونین کے صدر نکولائی بوڈ گورنی
یوگوسلاویہ کے صدر مارشل جوزف ٹیٹو
پاکستان کے صدر جنرل محمد یحییٰ خان
ہندوستان کے صدر وی۔ وی۔ گری
اُردن کے بادشاہ حسین بن طلال
حبشہ کے بادشاہ ہیل سلاسی
امریکہ کے نائب صدر اسپائرو اگینو

سمیت دیگر اہم شخصیات شامل تھیں۔ اگرچہ محمد رضا شاہ گذشتہ ۲۶ سال سے تخت نشین تھا مگر رسم تاج پوشی ادا نہیں کی گئی تھی۔ اب جو جشن تاج پوشی منعقد کیا گیا تو دنیا حیران رہ گئی۔ شاہ کے زیب سر کرنے کیلئے جو تاج بنایا گیا تھا اس میں ۳۴۴ قیراط الماس، ۱۹۹ قیراط زمرد، ۱۹ قیراط یاقوت کبود اور بڑی تعداد میں مروارید ستعمال ہوئے تھے۔ اس تاج کا وزن ۳۴۴ مثقال یعنی ۲ کلو ۶۰ گرام تھا اور ملکہ فرح کا جو تاج تیار ہوا تھا اس کا وزن دو کلو تھا۔ (۱۶)

ایران میں ہونے والے تقریباً ہر اہم معاملہ میں امام خمینی کی کیسٹس نجف سے ایران پہنچ جاتی تھیں۔ امام خمینی نے ایران میں ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا جشن منانے پر شاہ کو تنقید کا نشانہ بنایا اور اس سے دورِ جاہلیت سے تعبیر کیا۔ جبکہ ان کی نظر میں اسلام انہی چیزوں کو ختم کرنے کیلئے آیا تھا۔

ستائیس سال کی عمر میں امام خمینی کی شادی آیت اللہ مرزا محمد تقی تہرانی کی دختر (خدیجہ ثقفی) سے ہوئی جن سے دو بیٹے سید مصطفیٰ خمینی اور سید احمد خمینی اور تین بیٹیاں پیدا ئیں۔ جن کے نام یہ ہیں: صدیقہ خانم، فریدہ خانم اور فہیمہ خانم (۱۷) جس زمانے میں امام خمینی نے نجف میں اپنے دروس کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا اسی دوران آپ کے

بیٹے سید مصطفیٰ خمینی کو زہر کے ذریعے قتل کیا گیا۔ ان کے قتل سے ایران کے اندر انقلاب کی آگ بھڑک اٹھی۔ سید مصطفیٰ خمینی نے ۱۵ سال کی عمر میں دینی تعلیمات کا آغاز کیا تھا اور ستائیس سال کی عمر میں درجہ اجتہاد پر فائز ہو گئے تھے ان کے اساتذہ میں امام خمینی، آیت اللہ بروجردی اور سید محمد داماد جیسے لوگ شامل تھے۔ وہ اپنے سیاسی دور اندیشی اور بلند افکار کی وجہ سے امام خمینی کے پیروکاروں کے تکیہ گاہ تھے۔ ۱۳۴۲ھ/۱۹۶۳ء میں امام خمینی کی گرفتاری کے بعد سید مصطفیٰ خمینی نے پندرہ خرداد (۵ جون) کے دن جس دن قم کی شام الم کی شام تھی پورے شہر میں جنگ کا سماں تھا۔ (جس کی تفصیل کے ساتھ بحث اور تجزیہ باب چہارم میں کریں گے)

جس دن ''موت یا خمینی'' کے نعروں نے قم، تہران، شیراز، مشہد اور دیگر دسیوں شہروں کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔ شہر قم کے ارم روڈ، میدان آستانہ اور حرم معصومہ کے صحن میں مظاہرہ کرنے والوں کی انہوں نے قیادت کی تھی۔

آپ کے بیٹے سید مصطفیٰ کے قتل کے بعد حوزہ علمیہ نجف کے علماء کا خیال تھا کہ امام خمینی اپنے بیٹے کی یاد میں چالیس دن تک قرآن خوانی اور مجالس کا اہتمام کریں گے تاہم امام خمینی نے اس سلسلے میں ان سے کہا:

''آپ کو زندہ ساز ہونا چاہیے اس قسم کے موقعوں پر بے تابی نہ کیا کریں بلکہ درس و بحث، تہذیب نفس اور خودسازی میں لگ جائیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ سید مصطفیٰ خمینی کو امام خمینی کی تدریس کے دوران قتل کیا گیا تھا ان کے تمام دوستوں حتیٰ کہ حوزہ علمیہ میں امام خمینی کے بہت سے مخالفین کے مطابق امام خمینی کی تحریک کا مستقبل ان سے وابستہ تھا چنانچہ باوجود اس کے کہ اس حادثے نے ایک عظیم روحانی صدمہ پہنچایا تھا امام خمینی نے اس حادثہ کو خدا کے مخفی الطاف میں شمار کیا۔'' (۱۸)

سید مصطفیٰ خمینی روحانی طور پر اپنے والد کی طرح پہلوی سلطنت کا تخت الٹنے کے لئے ہر طرح سے قیام کی ضرورت کے قائل تھے۔ ۱۳ آبان ۱۳۴۳ش/ ۴ رنومبر ۱۹۶۴ء کو صبح کے ۹ بجے امام خمینی کی جلاوطنی کے ساتھ آپ اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے کے موضوع پر مراجع دینی کے ساتھ بحث و گفتگو کے لئے آیت اللہ مرعشی نجفی کے پاس گئے تیس منٹ کے بعد سرکاری اہلکاروں نے ان کے گھر پر چھاپہ مار کر ان کو گرفتار کر لیا اور اسی دن تہران کے قزل قلعہ نامی زندان میں بھیج دیا۔ ۵۷ دن زندان میں رکھنے کے بعد ۸ دی ماہ ۱۳۴۳ش/ ۳۰ جنوری ۱۹۶۴ء کو قم میں ساواک کے سربراہ کرنل بدیعی نے ساواکی اہلکاروں کی ایک جماعت کے ساتھ قم میں امام خمینی کے گھر پر چھاپہ مار کر مصطفیٰ خمینی کو گرفتار کر کے تہران بھیج دیا تا کہ وہاں سے ان کے والد کے پاس ترکی جلاوطن کر دیا جائے۔ ۱۳ دی ماہ (۶ رفروری) کی صبح انہیں ترکی جلاوطن کر دیا گیا اور کچھ عرصہ کے بعد انہیں امام خمینی کے ساتھ ترکی سے عراق بھیج دیا گیا۔ یہ ان کے عراق کی طرف دوسری جلاوطنی تھی۔ وہ امام خمینی کے ساتھ وہاں کے رجعت پسندانہ ماحول اور

عراق وایران کی حکومتوں کی سازشوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ فقہ، اصول فقہ میں آپ کے درس خارج کا حلقہ نجف کے مشہور حلقوں میں سے ایک تھا۔ سبھی آپ کو دینی، علمی مراکز کے مستقبل کی امید سمجھتے تھے۔ عراقی حکومت جس نے آپ کو اپنی نظروں میں رکھا تھا، ۱۳۴۸ش میں آپ کو براہ راست بغداد میں صدارتی محل لے آئی۔ اس وقت کے عراقی صدر حسن البکر جس کو آیت اللہ محسن الحکیم سے ان کی پوشیدہ ملاقات کی خبر مل چکی تھی ان کو دھمکی دیتے ہوئے یہ تجویز دیتا ہے کہ عراق کی بعثی حکومت کی مدد سے ایرانی حکومت کا مقابلہ کریں انہوں نے اس تجویز کو مسترد کیا لیکن عراقی حکومت نے ملک کے اندران کے خلاف عراقی حکومت کے ساتھ ملی بھگت کا الزام لگایا۔

ادھر ایران میں شاہی حکومت سید مصطفیٰ خمینی کو باپ کے لئے ایک مضبوط بازو سمجھتی تھی اور چاہتی تھی کہ ان کو قتل کر کے امام خمینی سے وفادار ساتھی کو چھین لے۔ ثانیاً امام خمینی کے عزم وحوصلے کو متزلزل کردے۔ یوں ان کو اپنی تحریک جاری رکھنے اور سخت موقف اختیار کرنے سے روک دیں۔ شاہی حکومت کے توقع کے برخلاف امام خمینی نے ۱۰ آبان ۱۳۵۶ھ یکم نومبر ۱۹۷۷ء کو اپنے بیٹے کے قتل کے دس دن بعد ایک تقریر میں اپنے بیٹے کی جوانی کو خدا کا لطفِ خفی قرار دیا اور کہا:

''اگر ہم بندے اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ الطاف سے آگاہ ہوتے۔ اللہ لطیف بعبادہ ہے۔ اللہ اپنے بندوں کی نسبت رحیم وکریم ہے۔'' (۱۹) ان حقائق کو جانتے تو غیر اہم باتوں کے لئے پریشان اور بے تاب نہ ہوتے کیونکہ ہمیں علم ہوتا کہ یہاں کچھ مصلحتیں اور رحمتیں موجود ہیں۔ اس طرح کے حادثے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اکثر پیش آتے رہتے ہیں تمام لوگ ان سے دوچار ہوتے ہیں خدائے تبارک وتعالیٰ کے لطف کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری لطف ہے اور ایک غائبانہ لطف ہے۔ اللہ تعالیٰ غائبانہ طور پر الطاف کرتا ہے لیکن علم وعمل کے اعتبار سے ہم ناقص ہیں اور ان الطاف کا علم نہیں رکھتے اسی وجہ سے جب اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو ہم روتے ہیں اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہمارے پاس مقام خدا کی معرفت میں نقص پایا جاتا ہے۔ اگر ہمیں ان غائبانہ الطاف کی خبر ہوتی جو خدا اپنے بندوں پر روا رکھتا ہے۔ **اللہ لطیف بعبادہ** تو اس طرح کی چیزوں میں جو معمولی اور اہمیت نہیں رکھتے اس قدر کمزوری کا اظہار نہ کرتے اور سمجھ جاتے کہ اس کی مصلحتیں اور اس کے الطاف کارفرما ہیں۔ (۲۰) اس سانحہ کے بعد امام خمینی نے اپنے پہلے درس میں ایران اور دیگر اسلامی معاشروں کے مسائل ومشکلات سے متعلق مفصل تقریر کی۔ اس تقریر میں انہوں نے نظام کائنات کے اندر انسان کے مشن کی سنگینی کو بیان کرنے کے بعد علماء کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے ان اہل قلم اور روشن فکر مسلمانوں پر تنقید کی جو مسلمان ملتوں کی جدوجہد کی تاریخ میں علماء کے کردار نظر انداز کردیتے ہیں۔ (۲۱) امام خمینی کے بیٹے کے قتل کے

بعد ایران میں احتجاج کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس کے نتیجے میں بے شمار لوگ مارے گئے یہ سلسلہ ان کے چہلم تک جاری رہا۔

سید مصطفیٰ خمینی کو جس رات قتل کیا گیا اس واقعہ کو مصطفیٰ خمینی کی اہلیہ معصومہ حائری یزدی اس طرح بیان کرتی ہیں:

''جس رات الحاج آقا مصطفیٰ کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا ہمارے گھر کچھ مہمانوں کے آنے کا پروگرام تھا میں شدید بیمار تھی اس رات انہوں نے کہا تھا کہ اگر مہمان آئے تو میں دروازہ کھولوں آپ سو جائیں پھر ہمیں پتہ نہیں کہ مہمان کب آئے اور کب گئے اور کیا ہوا۔ صبح سویرے جب ان کے لئے ناشتہ لے گئی تو دیکھا آقا مصطفیٰ بیٹھے ہیں۔ لیکن ان کا سر نیچے کی طرف لٹک گیا ہے فوراً رو پڑی دیکھا کہ آقا مصطفیٰ کے ہاتھ نیلے ہو گئے ہیں ان کے سینے پر بھی نیلے دائرے نظر آئے ہم نے آقا مصطفیٰ کو فوراً ہسپتال منتقل کیا وہاں ہمیں اطلاع دی گئی کہ الحاج مصطفیٰ زہر کے سبب دو گھنٹے پہلے چل بسے ہیں۔ جب ڈاکٹروں نے ان کے پوسٹ مارٹم کرنا چاہا تو امام خمینی نے اس کی اجازت نہ دی اور کہا'' کچھ بے گناہ پکڑے جائیں گے ان کی گرفتاری سے آقا مصطفیٰ ہمارے لئے زندہ نہیں ہوں گے۔''(۲۲) ادھر عراق کی بعثی حکومت نے ڈاکٹروں کے نقطہ نظر کے اعلان سے روکا اور ڈاکٹروں کو اجازت نہ دی کہ وہ اپنی رائے بیان کریں کیونکہ ان کو سو فیصد زہر دیا گیا تھا یہاں تک کہ حکومت نے ڈاکٹروں کو دھمکی بھی دی کہ اس معاملے میں اپنی رائے نہ دے۔(۲۳) اس موقع پر امام خمینی کو اہم شخصیات کی طرف سے ایران کے اندر اور ایران کے باہر سے تعزیت نامے موصول ہوتے رہے۔ آپ نے ان سب کے جوابات بھی دیئے۔ ان میں فلسطین کے سربراہ یاسر عرفات بھی شامل ہیں۔ ان کی تفصیل کیلئے صحیفہ نور جلد نمبر ا فصل چہار کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

ادھر امام خمینی نے حوزہ علمیہ نجف میں اصلاح نفس کی تاکید کرتے ہوئے طلباء سے کہا: آپ جب مرکز علم میں قدم رکھیں تو ہر کام سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کریں۔ آپ مرکز علم میں رہے تو اپنے نفس کی اصلاح اور تہذیب نفس کرتے رہیں تاکہ جب مرکز علم سے باہر جائیں اور کسی محلہ یا شہر میں قوم وملت کی رہبری کا بیڑا اٹھائیں تو لوگ آپ کے اعمال وکردار اور فضائل واخلاق سے استفادہ کریں۔ جس وقت آپ کام کاج اور اجتماعی فکروں سے فارغ ہونے کے باوجود اپنی اصلاح اور تہذیب نفس کی کوشش نہ کریں تو پھر جس دن معاشرے نے آپ کی طرف رخ کیا تو اس وقت ہرگز آپ اپنی اصلاح نہ کرسکیں گے۔ بے شمار ایسی چیزیں ہے جو انسان کو بے بس اور بے قابو کر دیتی ہے اور اسے تعلیم وتربیت سے روک دیتی ہے مثلاً انہی چیزوں میں سے بعض لوگوں کی

داڑھی اور عمامہ ہے اگر عمامہ کچھ بڑا ہوا اور داڑھی لمبی ہو لیکن صاحب عمامہ مہذب نہ ہو تو تحصیل علم بے معنی اور بے فائدہ ہے اس طرح مشکل ہے کہ وہ اپنے نفس امارہ کو کچل کر درس میں شامل ہو۔ شیخ طوسی کی مثال دیتے ہوئے اس طرح طلباء کو سمجھاتے ہیں شیخ طوسی باون سال کی عمر میں بھی درس میں جایا کرتے تھے جبکہ انھوں نے بیس سے تیس سال کی عمر میں کتابیں لکھی تھی۔ شیخ طوسی کا نام ابوجعفر محمد بن حسن طوسی تھا آپ شیعہ علماء میں سے ایک عظیم عالم تھے۔ آپ اپنے زمانے کے فقہاء اور متکلمین کے رئیس تھے۔ عربی گرائمر، رجال، تفسیر اور حدیث میں مہارت رکھتے تھے۔ شیخ طوسی دو مشہور کتاب ''استبصار اور تہذیب الاحکام'' کے مصنف تھے جو شیعہ اثناعشری کی کتب اربعہ میں شامل ہیں۔ انہوں نے نجف کو شیعوں کا علمی مرکز قرار دیا تھا۔ آپ نے کتاب تہذیب الاحکام جو اپنے استاد شیخ مفید کی مقنعہ کی شرح ہے شیخ مفید کی حیات میں لکھنا شروع کی تھی۔ اس وقت شیخ طوسی کی عمر ۲۶ سال تھی۔ آپ باون سال کی عمر میں علماء کے دروس میں شرکت کرتے تھے سید مرتضٰی اس زمانے میں علماء شیعہ میں سے ایک بڑے عالم تھے آپ ان کے درس میں جاتے تھے۔ امام خمینی انبیاء کی بعثت کو حوزہ علمیہ نجف میں اس طرح سے بیان کرتے ہیں۔

''انبیاء اسی لئے مبعوث ہوئے تھے کہ لوگوں کو انسان بنائیں ان کی تربیت کریں اور نوع بشر کو پستیوں، فاسد اور پست حرکات و بد اخلاق سے نجات دلائیں اور انھیں فضائل و آداب حسنہ سے آراستہ کریں''۔ آپ حدیث نبوی کا حوالہ دیتے ہیں۔ ''**بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**'' مجھے اس لئے مبعوث کیا گیا تاکہ اچھے اخلاق کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے خود کو تہذیب نفس سے آراستہ کریں تاکہ جب معاشرے یا جماعت کے سربراہ قرار پائیں یا والی بنیں تو سب کو مہذب بنا سکیں اور معاشرے کی اصلاح سنوارنے کے لئے کوئی بھی قدم اٹھا سکیں۔ آپ کہتے ہیں کوئی بھی اقدام اٹھائے تو وہ خدا کے لئے ہونا چاہیے کیونکہ وہ خدا کے لئے ہو تو خدا بھی دلوں کو پھیرنے والا ہے وہ خود دلوں کو تمہاری طرف پھیر دے گا۔ (۲۴) اپنی بات کی دلیل کے لئے قرآن کریم کی آیت کا حوالہ دیتے ہیں:

''إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا'' (۲۵)

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال بجالاتے ہیں عنقریب خدا ان کے دلوں میں محبت قرار دے گا۔

اجتہاد امام خمینی کی نظر میں:

اجتہاد کے لغوی معنی ہے کسی کام کی انجام دہی میں انتہائی کوشش صرف کرنا۔ (۲۶)

اصطلاحاً یہ معلوم کرنا یا کوشش کرنا کہ زیرِ بحث مسئلہ میں اسلام کا حکم یا منشاء کیا ہے؟۔ یہاں اصل قانون قرآن وسنت ہے۔ انسان جو قانون سازی کرتا ہے۔ وہ لازماً یا تو اس اصل قانون سے ماخذ ہونا چاہیے یا پھر ان حدود کے اندر ہونا چاہیے جن میں وہ استعمال رائے کی آزادی دیتا ہے۔ اس سے بے نیاز ہو کر جو اجتہاد کیا جائے وہ نہ اسلامی اجتہاد ہے اور نہ اسلام کے قانونی نظام میں اس کے لئے کوئی جگہ ہے۔ اجتہاد کا مقصد چونکہ خدائی قانون کو انسانی قانون سے بدلنا نہیں بلکہ اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا اور اس کی رہنمائی میں اسلام کے قانونی نظام کو زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ متحرک کرنا ہے۔

اہل تشیع کے ہاں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے لہٰذا ان کی نظر میں متحرک وزندہ اجتہاد کی وجہ سے قرآن کریم کے علاوہ کوئی کتاب حرفِ آخر نہیں ہے، بلکہ ہر کتاب، ہر روایت قابل بحث وتحقیق ہے اور تمام اسلامی نصوص تحقیق وتدقیق کے قابل ہیں۔ چنانچہ اصول کافی اگرچہ کتب شیعہ میں مشہور کتاب سمجھی جاتی ہے مگر اس میں مختلف احادیث موجود ہیں بعض احادیث اگر کچھ مجتہدین کے نزدیک صحیح السند ہیں تو ضروری نہیں کہ دوسرے مجتہدین کی نظر میں بھی وہ صحیح السند ہوں۔ جو مسلمان صحاح الستہ کی روایات کا صحیح السند ہونا ضروری اور لازمی تصور کرتے ہیں ان کے لئے ممکن ہے کہ صحاح میں کسی روایت کا موجود ہونا اس روایت کے مضمون کا ضمنی اعتراف بن جائے لیکن شیعہ کتب میں اگر کوئی روایت موجود ہے تو اسے مضمون کا ضمنی اعتراف تصور نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ علامہ محمد باقر مجلسی نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ روایات نقل کی ہیں اس کے باوجود انہوں نے بحار الانوار میں صریحاً کہا ہے کہ قرآن میں قطعاً کوئی تحریف نہیں ہوئی۔ تحریف قرآن کے بارے میں شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کے اہل تحقیق اس قسم کی روایات کو مسترد کرتے ہیں۔

ایران کی تاریخ میں تحریکوں کے آغاز وکامیابی میں مجتہد جامع الشرائط اور مراجع تقلید کے اجتہاد نے اہم کردار ادا کیا ہے، اس لئے اہل تشیع ان کے فتاویٰ کو حکم پیغمبر اکرم ﷺ سمجھتے ہوئے ان کی اطاعت کرتے ہیں ہم اس کی تفصیل کے ساتھ بحث اسی باب کے اگلے مرحلے میں بیان کریں گے۔ لہٰذا مجتہد جامع الشرائط فتاویٰ دے کر عوام کو میدان سیاست میں اتار سکتے ہیں اور انقلاب کے اہداف کو کامیابی کے ساتھ ہمکنار کرا سکتے ہیں۔ یہی وجہ تھی آیت اللہ مرزا حسن شیرازی کے اجتہادی حکم نے تمباکو نوشی کو حرام قرار دیا اور ایک فتویٰ کے ذریعے ایک بین الاقوامی قرارداد کو جو ملک کے مفاد سے ٹکراتی تھی بغیر کسی خون ریزی کے ختم کرنے پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح روس کے فوجیوں کے مقابل مجتہدین ومراجع نے فتوای دے کر ملکی اور غیر ملکی سیاست دانوں کو مجبور کیا کہ وہ سیاسی موقف میں تبدیلی لائیں۔ مکتب تشیع کے فقہاء کے نزدیک مجتہد جامع الشرائط اور مراجع تقلید کی دس شرائط ہیں:

۱۔عاقل ہو	۲۔بالغ ہو
۳۔حلال زادہ ہو	۴۔مرد ہو
۵۔شیعہ اثناعشری ہو	۶۔عادل ہو
۷۔حافظہ درست ہو	۸۔مجتہد ہو
۹۔تمام مجتہدین سے اعلم ہو	۱۰۔دنیا پر حریص نہ ہو

آخری شرط کو امام خمینی نے احتیاط واجب کے ساتھ لکھا ہے۔(۲۷)

امام خمینی کا نظریہ اجتہاد اس مقام پر دوسرے فقہاء سے الگ ہے کیونکہ آپ ولی فقیہ کو مرجع تقلید ہونا ضروری قرار نہیں دیتے۔فقیہ کی اصطلاح میں تقلید وہ عمل ہے جو مجتہد کے فتویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے انجام پاتا ہے۔(۲۸)البتہ امام خمینی ولی فقیہ کا مجتہد عادل اور مجلس خبرگان کا تائید شدہ ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔یہی مجتہد جامع الشرائط زمانہ غیبت امام میں حاکم شرع کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کو وہ تمام ولایت واختیارات حاصل ہیں۔جو زمانہ غیبت امام میں کسی فقیہ کے لئے ان کے نزدیک ثابت ہے۔عام طور سے اس میں مندرجہ ذیل امور شامل ہیں:

۱۔لوگ احکام شریعت کے حصول کے لئے اس کی طرف رجوع کریں یعنی اس کی تقلید کریں۔
۲۔خمس پورے کا پورا یا سہم امام اس مجتہد کو پہنچائے یا اس سے اجازت لیں۔
۳۔مجہول المالک مال میں تصرف کے لئے اس سے اجازت لیں یا اس کو پہنچائیں۔
۴۔جس کا کوئی ولی نہ ہو تو اس کی ولایت کے لئے اس سے رجوع کریں۔
۵۔اختلافی معاملات میں قضاوت کے لئے اس کو حکم بنائیں۔
۶۔نابالغ،سفیہ یا دیوانہ وغیرہ کے اموال پر اس کی ولایت ہے۔
۷۔خلع اور غائب شخص کی بیوی کو طلاق دینے کے لئے اسے رجوع کریں
۸۔پہلی چاند ثابت کرنے کے لئے اس کے حکم کو قبول کریں۔

امام خمینی کے خیال میں مسلمانوں کو چاہیے کہ حیلہ گر مغرب و متجاوز مشرق اور دنیا پر حکم فرما ڈپلومیسی کے زیر اثر آئے بغیر اسلام کے عملی فقہ کو ظہور میں لانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں ورنہ فقہ جب تک کتابوں اور علماء کے سینوں میں مستور ہیں اس سے عالمی لیٹروں کو کوئی خطرہ نہیں۔امام خمینی کی سوچ میں اجتہاد میں زمان و مکان پر مجتہد کا احاطہ ہونا چاہیے۔ایک زیرک فہم و صاحب فراست مجتہد میں ایک عظیم اسلامی معاشرے بلکہ غیر اسلامی معاشرے تک کی رہنمائی کی صلاحیت ہونی چاہیے خلوص،زہد و تقویٰ جو مجتہد کی پہچان ہوتے ہیں۔ان کے علاوہ

اسے حقیقی طور پر منتظم اور مدبر بھی ہونا چاہیے۔

امام خمینی بحثیت مرجع:

اہل تشیع کے نزدیک مرجع (۲۹) اس بزرگ مجتہد کو کہتے ہیں جس کی طرف عوام اپنے دینی مسائل میں رجوع کرتے ہیں اس خاطر کہ مسلمان اسلامی احکامات میں کسی کی پیروی کریں تاہم ان کا علم کافی نہیں ہے بلکہ تقویٰ اور عدل بھی مرجع کا لازمہ ہے۔ مرجع تقلید کو خود پر مسلط، فقیہ، دین کا نگہبان، نفسیانی خواہشات کا مخالف اور صرف الٰہی احکامات کا مطیع ہونا چاہیے۔ اس صورت میں عوام پر اس کی پیروی ضروری ہے۔

انقلاب ایران کی کامیابی میں امام خمینی کے مرجع کا کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ایران کے گزشتہ سیاسی وقائع وحوادث جیسے تحریک تمباکو، آئینی تحریک وغیرہ کے بعد ایرانی قوم کا اعتماد ایسے علماء کی طرف بڑھ گیا جو سیاسی تدبر، مذہبی وقومی مفادات کی حفاظت کرنے اور اصلاحی فکر ونظر کے حامل ہوں۔ انقلاب ایران میں عوامی اعتماد اور دینی قیادت لازم وملزوم ہوگئے۔ جبکہ گزشتہ تحریکوں میں ایسا نہ تھا۔ جس زمانے میں آیت اللہ عبدالکریم حائری یزدی کا انتقال (۱۹۳۵ء میں) ہوا۔ آپ کے بعد لوگ مختلف مجتہدین کی تقلید کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آیت اللہ بروجردی کی مرجعیت مستحکم ہوئی۔ آیت اللہ بروجردی کی رحلت کے بعد شاہ اوران کے بعض پیروکاروں نے کوشش کی کہ آیت اللہ بروجردی کے بعد مرجعیت کو ایران سے باہر رکھا جائے تاکہ مرجع اور مجتہد کا سیاسی اثر کم سے کم ہو یہی وجہ تھی سرکاری طور پر آیت اللہ محسن الحکیم کے نام عراق میں تعزیت کے پیغام بھجوائے گئے اور ان کی مرجعیت کا اعلان کردیا گیا۔ اس وقت امام خمینی نے اپنا رسالہ عملیہ شائع نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپ اس کی طرف ابھی مائل بھی نہ تھے کہ لوگ آپ کی تقلید کریں تاہم آپ کے حامی علماء نے آپ کی مرجعیت کا اعلان کردیا اور انہیں عوام اور علماء نے آیت اللہ بروجردی کا جانشین تسلیم کرلیا۔ امام خمینی کے ثقافتی جہاد اور ان کی جدوجہد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ (۳۰) اس طرح شاہ کو ان کی طرف شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ شیعوں کے ہاں عوام کے لئے اصول دین اور مسلم وقطعی امور کے علاوہ باقی دینی احکام اور معاملات میں ضروری یا تو خود انسان مجتہد ہو یعنی شریعت کے احکام کو دلائل شرعی کے ذریعے سے حاصل کرسکتا ہو تو واجب وفرض ہے۔ ان دلائل شرعی کی طرف شریعت کے احکام کو لینے کے لئے رجوع کرے یا شریعت کے احکام کو لینے کے لئے کسی مجتہد جامع الشرائط کے فتوے کی طرف رجوع کرے یعنی جو شخص شریعت کے احکام کو دلائل شرعی کے مطابق حاصل کرنے اور استنباط کرنے کی اہلیت وصلاحیت نہیں رکھتا ہو تو اس شخص کے لئے فرض وواجب ہے کہ وہ اس مرجع فقیہ اور مجتہد جامع الشرائط کے فتوے کی طرف شریعت کے احکام کو لینے کے لئے رجوع کرے جو شریعت کے احکام کو دلائل شرعی کے

مطابق استنباط اور اخذ کرتے ہوں۔ اہل تشیع اپنے اس نظریئے کے لئے روایات اور استدلال عقلی کے ذریعے دلائل دیتے ہیں جن کی بناء پر ان کے نزدیک مرجع فقیہ یا مجتہد جامع الشرائط کی تقلید ثابت ہے۔ تقلید کا لغوی معنی پیروی کرنا ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں احکام دین پر مجتہد کے فتویٰ پر عمل کرنا، اس کی تقلید کرنا کہلاتا ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں مجتہد وہ ہوتا ہے جو احکام (شرعی کو دلائلِ شرعی سے) استنباط کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔(۳۱) دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ مرجع تقلید کا کام اس طرح ہے جس طرح ہر علم وفن کے ماہر اشخاص کا کام ان امور کو انجام دینا ہے یعنی ان امور میں رہنمائی کرنا ہے۔ ان اشخاص کے اختیار میں حکومت نہیں ہے کہ لوگوں کو عمل کرنے پر مجبور کرے۔ مرجع تقلید صرف یہی کہتا ہے کہ اگر اسلام کے احکام جاننا چاہتے ہو تو اسلام کے احکام یہ ہیں۔ لیکن کوئی اس پر عمل کرے یا نہ کرے خود اشخاص سے مربوط ہے۔ مرجع تقلید (یا مجتہد) سے ربط نہیں رکھتا۔(۳۲)

لہذا علماء تشیع ضروری سمجھتے ہیں کہ عام شخص کے لئے شریعت کے احکام کو لینے کے لئے ایسے مجتہد جامع شرائط اور مرجع تقلید کی طرف رجوع کرے جو اعلم ہو یعنی وہ مجتہد اپنے زمانے کے دوسرے تمام فقہاء اور مجتہدوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ لیکن اعلم کی شناخت کے لئے ہر مکلف کو خود کوشش کرنا ضروری ہے۔ ان کے نزدیک مجتہد اعلم کی شناخت کے تین طریقے ہیں:

۱۔ خود مکلف جانتا ہو

۲۔ دو عادل شخص گواہی دیں

۳۔ کچھ اہل علم جو مجتہد اعلم کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہوں کسی مجتہد کے اعلم ہونے کی تصدیق کریں اور ان کی تصدیق سے انسان مطمئن ہو جائے۔(۳۳)

یہی وجہ ہے کہ ایک ہی وقت میں دنیا بھر کے شیعہ تقریباً ایک درجن سے زائد مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں جسے یہی تصور کرتے ہیں جیسے ہر تخصیصی فن میں اس سے ناآشنا اور نابلد شخص اس فن کے ماہر کی طرف رجوع کرتا ہے حقیقت میں اس کا رجوع کرنا ان احکام سے اجمالی طور پر باخبر ہونے کا ایک عام اور عادی طریقہ ہے۔ جیسے ہر عقلائی طریقہ ہے کہ جن میں انسان کبھی درستی تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی خطا کر جاتا ہے اور عقلا کا طریقہ ہے کہ وہ اہم اختلافی مسائل میں اعلم کو غیر اعلم پر ترجیح دیتے ہیں اس بناء پر کسی خاص مجتہد اور فقیہ کے لئے کوئی خصوصیت اور امتیاز کا حامل ہونا قرار نہیں دیتے۔ احکام شرعی کا استنباط اور ان دلائل اور مصادر سے احکام شرعی کا استخراج مجتہد فقیہ کی کاوش کو قرار دیتے ہیں جو قرآن کریم وسنت اور عقل قطعی اور ان علوم کا ماہر ہو جن پر استنباط کا دارومدار ہے۔ شیعوں

کے نظریہ کے مطابق جو شخص درجہ اجتہاد پر فائز ہو چکا ہو اس پر دلائل شرعی کے مطابق احکام شرعی کا استنباط اور استخراج کرنا اور جو سمجھا ہو اس پر عمل کرنا فرض ہے لیکن جو شخص مجتہد نہ ہو اور درجہ اجتہاد پر نہ پہنچ چکا ہو تو اگر ممکن ہو تو احکام شریعت پر عمل کرنے کے لئے مقام عمل میں اس طرح سے احتیاط کرے گا کہ اسے یقین ہو جائے کہ اس نے اپنی شرعی ذمہ داری پوری کر دی ہے مثلاً کچھ مجتہد اور فقیہ کسی عمل کے کرنے کو حرام قرار دیں اور کچھ دوسرے مجتہد اور فقیہ کسی کام کے کرنے کو واجب و فرض قرار دیں اور کچھ مجتہد اور فقیہ کہیں کہ واجب و فرض نہیں ہے تو اس کام کو کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا جو لوگ نہ تو مجتہد اور فقیہ ہوں اور نہ ہی اس طرح مقام عمل میں احتیاط کر سکتے ہوں تو ان لوگوں کے لئے مکتب تشیع میں فقیہ اور مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کرنا ضروری ہے۔ اس بناء پر مجلس شوریٰ کے ارکان پر بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ دینی اور سیاسی قوانین کی تیاری کے ضمن میں مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کریں اور اختلافی مسائل میں بھی مجتہد اعلم کے فتوے کی رعایت کریں۔ اسی کو عقل کا حکم اور عقلاء کی سیرت کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ علماء تشیع اس سلسلے میں ان کے بارہویں امام حجت ابن حسن کی روایت سے بھی استفادہ کرتے ہیں، روایت یہ ہے:

''غیبت کبریٰ کے زمانے میں پیش آنے والے حالات کے سلسلے میں ہماری حدیثوں کو بیان کرنے والے راویوں کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ ہماری طرف سے تم پر اسی طرح حجت ہیں جس طرح ہم اللہ کی طرف سے حجت ہیں'' (۳۴)

بعض لوگوں نے اس حدیث میں فقہاء کے بجائے رواۃ کا لفظ استعمال ہونے پر اعتراض کیا ہے رجوع یا تقلید کا تعلق فقیہ سے ہے نہ کہ روای سے یعنی نہ کہ روایت کرنے والے سے اس کا تعلق ہے۔ شیعہ علماء اس کی وضاحت اس طرح سے کرتے ہیں کہ روایت سمجھنے والا فقیہ ہی ہوتا ہے۔

اہل تشیع کے مطابق نبی کریم اور ائمہ کے اصحاب کی سیرت و روش یہی رہی ہے کہ ان میں سے بعض اپنے دوسرے ساتھیوں سے فتویٰ لیتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ اس میں اہم بات یہ ہے ائمہ نے انہیں منع نہیں کیا۔ قرآن کریم میں جس تقلید و رجوع کی ممانعت ہوئی وہ تعصب کی بناء پر اولاد کا اپنے آبا و اجداد کی اور عام لوگوں کا اپنے سرداروں کی طرف رجوع کرنا اور تقلید کرنا ہے جو کہ ایک جاہل کا اپنے ہی جیسے جاہل کی طرف رجوع کرنا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں اس کی مذمت کی گئی ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (۳۵)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کی پیروی کرو تو وہ جواب دیتے ہیں

کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے، خواہ ان کے آباء واجداد نے عقل سے کام نہ لیا ہو اور نہ ہدایت حاصل کی ہو۔''

اس آیت میں اندھی تقلید کی مذمت کی گئی ہے۔ اندھی تقلید وہ ہے جو عقل کے میزان پر پورا نہ اترے اور نہ ہی اس کی حقانیت پر کوئی سند ہو۔ اسلام کی حقانیت کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ اسلام عقل و تدبر کو بہت اہمیت دیتا ہے کیونکہ اگر ایک چیز مبنی برحق نہ ہو تو اس کے داعی عقل و تدبر کے خلاف ہوتا ہے تا کہ اس کا پول نہ کھل جائے اس کے برعکس حق اور حقیقت کی دعوت دینے والا چاہتا ہے کہ لوگ عقل سے کام لیں تا کہ اس کی دعوت کی حقانیت ان پر واضح ہو جائے اسی بنا پر قرآن کریم کسی بات کو تسلیم کرنے کے دو اصول بتا تا ہے۔

ا۔ انسان اپنی عقل و فہم کے ذریعے خود حقیقت کو سمجھ لے تو یہ عقلی معیار کے مطابق ہونے کی وجہ سے تقلید نہیں ہے۔

۲۔ ایسی دلیل پر اعتماد کرے جو علم پر منتہی ہو نیز وہ اس کی ہدایت و رہنمائی کرتی ہو۔

کچھ لوگوں کا نظریہ ہے کہ مذہب بھی علم کے خلاف ایک اندھی تقلید کا نام ہے۔ یہ انسانی تاریخ کے چار ادوار (داستانی دور، مذہبی دور، فلسفی دور اور سائنسی دور) میں سے دوسرے دور کی پیداوار ہے۔ علامہ طباطبائی کی سوچ میں مذہب اندھی تقلید کا نام نہیں ہے کیونکہ مذہب توحید و معاد سے متعلق معارف کرنے کا ایک علمی مجموعہ ہے اس میں معاشرت، عبادات اور معاملات سے متعلق ایسے قوانین موجود ہیں جو وحی اور نبوت کے ذریعے ثابت ہیں۔ جبکہ وحی و نبوت دلیل و برہان کے ذریعے ثابت ہیں۔ جس پر ہمیں علم و یقین حاصل ہے۔ لہٰذا مذہب علمی ہے۔ تقلیدی نہیں۔ مقام تعجب ہے ایسی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جن کے پاس نہ تو کوئی دستور حیات ہے اور نہ ہی معاشرتی آداب، مثلاً وہ خورد و نوش اور لباس و نکاح کے سلسلے میں صرف اندھی تقلید پر عمل کرتے ہیں۔

جس اندھی تقلید کی قرآن میں مذمت ہوئی ہے وہ اصول دین کے بارے میں اور ما انزل اللہ کے مقابلے میں وہ آبائی تقلید ہے، جو عقل و ہدایت سے خالی ہو، لیکن دلیل و برہان کے ذریعے اصول دین کو سمجھنے پر ما انزل اللہ کے مطابق ایمان لانے کے بعد شرعی احکام کی تفصیل معلوم کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے ماہرین (مجتہدین) کی طرف رجوع کرنے کو اندھی تقلید نہیں کہتے بلکہ یہ تو علم و ہدایت پر عمل کرنے کا ایک ایسا طریقہ ہے جس کی اللہ رسول اور ائمہ کی طرف سے نہ صرف اجازت ہے بلکہ اسے تاکید کے ساتھ واجب و فرض قرار دیا گیا ہے۔

امام خمینی کے مرجع تقلید کی بناء پر ایرانی عوام امام خمینی کے حکم کو شرعی و اسلامی فرض کے عنوان سے بجالاتے تھے اور اسے دوسرے اسلامی احکام نماز، روزہ، جہاد جیسا تصور کرتے ہوئے اس حکم کی اطاعت کو لازم و واجب

سمجھتے تھے ایرانی معاشرہ وعوام یقین رکھتے تھے کہ امام خمینی کے احکامات وفیصلے صرف سیاسی نہیں ہیں بلکہ دینی وشرعی ہیں۔ آپ کی مرجعیت وقیادت کی یہ خصوصیت دوسرے دانشوروں اور مصلحین میں موجود نہ تھی۔

امام خمینی اہل تشیع کے مرجع تقلید ہونے کے باوجود سنی وشیعہ اتحاد پر بنیادی طور سے تکیہ کرتے تھے۔ عالمی پیمانہ پر مسلمانوں کے دفاع واتحاد کے لئے ۱۲ ربیع الاول تا ۱۷ ربیع الاول تک ہفتہ وحدت کا پروگرام اسی کا حصہ ہے آپ مذہبی اقلیتوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ انہیں اطمینان دلاتے کہ وہ اسلامی معاشرے میں اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل کرنے میں آزاد ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اس سے قبل مذہبی وسیاسی قائدین نے اپنی سیاسی تحریک کو عوام کے علاوہ دوسرے اساس کو قرار دیا تھا اور عملاً شکست سے دوچار ہوئے تھے۔ سید جمال الدین اسد آبادی جہاں اسلام کی وحدت واتحاد کو اسلامی ممالک کے بادشاہوں اور حکمرانوں کی نصیحت وارشاد سے منسلک سمجھتے تھے۔ آئینی تحریک والے مغرب زدہ روشن خیالی کو اہمیت دیتے تھے اور آیت اللہ کاشانی کا تکیہ چھوٹے تاجروں ومتوسط اور روشن خیال افراد پر تھا۔ یہ تمام افراد اپنے بلند اہداف کو حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ بعض دانشور اور محققین اسلامی انقلاب ایران کی کامیابی کے اصل سبب وعلت کو امام خمینی کی مرجعیت کو قرار دیتے ہیں بحیثیت مرجع امام خمینی ہر جگہ شاہ کے خلاف تقریر کرتے اور ان کی پالیسی پر سخت تنقید کرتے خصوصاً ملک میں بڑھتی ہوئی بے حیائی، امریکہ سے تعلقات اور اسلامی ممالک سے انحراف، ان کے خاص موضوعات تھے۔

امام خمینی کا نظریہ ولایت فقیہ:

امام خمینی کی سوچ میں امام غائب (مہدی منتظر) کے نمائندے اور رہبر کی حیثیت سے اسلامی ریاست کے حاکم، فقیہ اور مجتہد ولی فقیہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے حاکم میں مطلقاً شرط ہے چاہے وہ نصب سے ہو یا انتخاب سے ہو کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ عالم، زیادہ عادل، زیادہ متقی وپرہیزگار، امر حکومت پر قوی اور مواقع میں زیادہ بصیرت رکھتا ہو۔ (۳۶) پس حکومتِ اسلامی مشروط ومقید ہے اور حقیقت میں حاکم اللہ تعالیٰ اور اپنے جامع مقررات کے ساتھ دین اسلام ہے۔ اس لئے اس سے جمہوری حکومت کے مقابلے میں مذہبی حکومت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد قانون الٰہی کی حکومت ہے نہ کہ رجال دین کی حکومت استبدادی ہے جس طرح قرون وسطیٰ میں چرچ اور پوپ کی حکومت تھی۔ (۳۷)

امام خمینی نے ولایت فقیہ کی بحث کو صرف فقہی مباحث تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کو اسلام کے سیاسی و اجتماعی نظام سے مربوط کیا۔ ایک جگہ آپ لکھتے ہیں:

”رسول اکرمؐ قانون کا اجراء کرنے والے تھے۔ یہیں سے تشکیل حکومت اور اجراء قوانین کے

لئے اختیارات و ادارہ سازی لازم قرار پاتی ہے۔ حکومت اسلامی کی تشکیل کی ضرورت اور اجراء قوانین کے لئے اختیارات کے حصول کا اعتقاد ولایت کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ اس کے لیے کوشش کرنا بھی ولایت کا ایک حصہ ہے ہم جو ولایت پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ کہ پیغمبر اکرم حضرت محمد ﷺ نے خلیفہ کا تعین کر دیا تھا اور خدا نے انہیں حکم دیا تھا کہ خلیفہ کا تعین کر دیں اور ولی امر مسلمین کا تعین کر دیں۔ حکومت کی تشکیل کے لئے جد و جہد کرنا ولایت پر ایمان رکھنے کا لازمہ ہے۔" (۳۸)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ (اہل تشیع کے نزدیک) ولی فقیہ کا کام صرف فتویٰ دینا نہیں ہے بلکہ حکم نافذ کرنا ہے۔ حکم اس سے کہتے ہیں کہ ولی فقیہ سماجی امور میں خاص مقامات پر حاکم شرع ہونے کے عنوان سے صادر کرتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں کہا جائے کہ مرجع تقلید کا فتویٰ عام طور سے کلی عناوین پر ہوتا ہے اور اس سے مصداق کو مشخص کرنا عوام کے ذمہ ہوتا ہے۔ مثلاً عالم خارج میں ایک چیز ہے جس کو شراب کہا جاتا ہے۔ شراب ایک کلی عنوان ہے جو متعدد مصادیق پر صدق کرتا ہے۔ مرجع تقلید فتویٰ دیتا ہے کلی عنوان کے تحت (شراب) کا پینا حرام ہے۔ فرض کریں ایک گلاس میں سرخ رنگ کی ایک بہنے والی چیز ہے لیکن ہم نہیں جانتے کہ یہ چیز شراب ہے یا روح افزاء، مرجع تقلید کا کام نہیں ہے کہ مشخص کرے کہ شراب ہے یا شربت بلکہ یہ مقلد کا کام ہے۔ فقیہ ان دونوں چیزوں کے بارے میں کلی حکم بیان کرتا ہے یعنی فتویٰ دیتا ہے کہ شراب حرام ہے اور شربت روح افزاء کا پینا حلال ہے۔ تشخیص دینا مقلد کی ذمہ داری ہے۔

اگر اسلامی ممالک کی سرحدوں پر دشمن حملہ کر دے اور صرف مردوں کے سرحد پر حاضر ہونے سے ملک کی حفاظت نہیں ہو سکتی تو ایسی صورت میں ضروری ہے کہ عورتیں بھی سرحدوں کی حفاظت کیلئے جائیں۔ اس وقت خواتین پر بھی واجب ہے کہ اسلامی ملک کی حفاظت کیلئے سرحدوں پر جائیں۔ مرجع تقلید کی ذمہ داری صرف یہی ہے کہ کلی حکم بیان کر دے لیکن یہ مشخص کرنا کہ اس جنگ میں دفاع کیلئے مرد کافی ہے یا عورتوں کی بھی ضرورت ہے یہ ذمہ داری خود مقلدین کی ہے۔

لیکن ولی فقیہ کا دائرہ اس سے وسیع ہے مثال میں جو مقلدین کی ذمہ داری تھی ولی فقیہ خود مشخص کر سکتا ہے کہ عورتیں بھی جنگ میں شرکت کریں یا نہیں اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ولی فقیہ کا کام صرف احکام کا بیان کرنا ہے۔ موضوع کا مشخص کرنا عوام کا کام ہے۔ بلکہ سبھی لوگوں پر ضروری ہے کہ اس پر عمل کرے جو ولی فقیہ نے مشخص کیا ہے یہ وہی مسئلہ ہے جس کو حکومتی یا احکام ولایتی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۳۹)

یہ مطلب اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فتویٰ اور حکم میں بہت زیادہ فرق ہے۔ امام خمینی تشکیل حکومت، قوانین کا اجراء اور اس کے لئے کوشش کو ولایت کا لازمہ قرار دیتے ہیں اور آپ یہاں ولایت اہل بیت سے مراد سرپرستی لیتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے کہا کہ رسول اکرمؐ نے معاشرے کو بے سرپرست نہیں چھوڑا۔ دراصل شیعوں کے ہاں امامت کا یہی تصور پایا جاتا ہے اور وہ امام کو معاشرے کا سرپرست قرار دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نص اور عصمت کے بھی قائل ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء زمانہ غیبت امام میں حکومت کے لئے کوشش کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ آیت اللہ سید ابوالقاسم خوئی امام خمینی کے ہم عصر اور حوزہ علمیہ نجف کے زعیم تھے۔ ان کی سوچ میں زمانہ غیبت میں فقیہ کی ولایت کے لئے ہمیں دلیل نہیں ملتی اور یہ ولایت صرف پیغمبر اور امام کیلئے ہے۔

البتہ آیت اللہ خوئی ولایت فقیہ کو امور حسبیہ کی دلیل سے ثابت کرتے ہیں ان کی التنقیح اور شرح عروۃ الوثقیٰ کے مقدمہ میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ آیت اللہ خوئی کے نزدیک نابالغ اور بے سرپرست کے اموال میں فقیہ کی ولایت کا تعلق امور حسبیہ اور ضرورت کے تحت ہے۔

خود امام خمینی نے ولایت فقیہ کے لئے امور حسبیہ اور ضرورت کو اہمیت دی ہے تاہم امام خمینی کے نظریہ کے مطابق بغیر حکومت اسلامی کی تشکیل کے ان امور پر عمل نہیں کیا جاسکتا اور جب شارع کو ان امور کا تعطل پسند نہیں ہے تو اسلام کے سیاسی نظام کا تعطل کیسے قابل قبول ہے۔ اس لئے آپ کی فکر میں قوانین اسلام کی ماہیت و کیفیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حکومت کی تشکیل اور معاشرے کی سیاسی، اقتصادی و ثقافتی اداروں کے لئے بنیادی قانون سازی ہوئی ہے۔ آیت اللہ خوئی اور امام خمینی دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ فقیہ کو قضاوت کرنی چاہیے لیکن آیت اللہ خوئی کے خیال میں جب کوئی شخص خود فقیہ کے پاس اس مقصد کے لئے چل کر آئے تو فقیہ اس پر حدود کا اجراء کرسکتا ہے لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ حکومت کے بغیر قضاوت و اجراء حکم ممکن نہیں۔ لہٰذا قضاوت کا لازمہ حکومت ہے۔ امام خمینی نے اس معاملہ کو عملی صورت دی اور کہا جب تک فقیہ کے پاس اختیارات نہ ہوں وہ حدود کا اجراء نہیں کرسکتا۔ پس اگر شارع کو حدود کا اجراء پسند ہے تو فقیہ کے اختیارات بھی ہونے چاہئیں یہی وجہ ہے آپ حکومت کی تشکیل کو واجب کفائی سمجھتے ہیں اور ان کی فکر میں ایک فقیہ تشکیل حکومت پر قادر نہ ہو اور ان کا ایک گروہ مل کر یہ کام کرسکتا ہو تو ان تمام پر واجب کفائی ہے کہ وہ ایسا کریں۔

ایک جگہ پر امام خمینی اسلام کو پورے کا پورا حکومت ہی سمجھتے ہوئے کہتے ہیں:

"حکومت کا قیام اس قدر ضروری ہے کہ نہ صرف یہ کہ اسلام میں حکومت ہے بلکہ اسلام حکومت کے علاوہ کوئی چیز نہیں اور احکام شرعی ایسے قوانین ہیں کہ جو حکومت کا ایک حصہ ہیں۔ اس اعتبار

سے حاکمیت اسلامی اور عدالت کا قیام مطلوب بالذات ہے اور احکام مطلوبات بالعرض ہیں جن کے اجراء کا مقصد ہی حکومت ہے۔''

ایک اور مقام پر امام خمینی اپنے نظریئے کو اس طرح پیش کرتے ہیں:

''یہ احکام جن کا مقصد حکومت کا قیام ہے صرف پیغمبر اکرمؐ کے زمانے کے لئے نہیں تھے اور یہ قرآنی آیات اور احکام اسلام کسی زمان و مکان میں محدود نہیں۔ یہ کہنا اسلامی عقیدہ کے خلاف ہے کہ قوانین اسلام تعطل پذیر یا زمان و مکان میں منحصر ہے۔ کیونکہ اجراء احکام ہمیشہ کے لئے ضروری ہے۔ لہٰذا تشکیل حکومت اور اختیارات کا حصول اور اس کے اداروں کا قیام بھی ضروری ہوگا۔ بغیر ایسی حکومت کی تشکیل کے جن کے سبب یہ تمام افعال ایک عادلانہ نظام کے تحت انجام دیئے جائیں تو معاشرہ ہرج مرج اور اقتصادی، سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی فساد کا شکار ہوگا۔'' (۴۰)

امام خمینی اپنے نظریئے کو دو دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں: ایک عقلی استدلال اور دوسری نقلی یعنی آیات و روایات پر مشتمل ہے۔ امام خمینی سے پہلے آقای نراقی اور آیت اللہ بروجردی نے بھی عقلی استدلال سے حکومت اسلامی کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں تک امام خمینی کا تعلق ہے، وہ عقلی استدلال کی طرف زیادہ مائل نظر آتے ہیں۔ امام خمینی نے قرآنی آیات سے استدلال نہیں کیا سوائے ان آیات کے جو روایات کے ذیل میں آ گئیں۔ البتہ احادیث و روایات کا آپ نے بھرپور استعمال کیا ہے۔ ایک مقام آپ عقلی دلیل اس طرح دیتے ہیں: تحقیق عدالت اجتماعی کے قیام، تعلیم و تربیت کرنے، رفع ظلم اور سرحدوں کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے حکومت کی ضرورت و اہمیت واضح ترین عقلی تقاضوں میں سے ہے اور ان تمام امور کے دلائل شرعی بھی موجود ہیں۔

امام خمینی نے روایات کی بنیاد پر جو استدلال کیا ان میں سے ایک مقولہ عمر ابن حنظلہ ہے جس کی بنیاد پر ہر دور کے فقہا اور مجتہدین نے اسلامی حکومت سے متعلق اظہار خیال کیا ہے۔ روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ سے جب ان دو افراد کے بارے میں پوچھا گیا کہ جو اپنا معاملہ سرکاری قاضی کے پاس لے گئے تھے تو امام نے اسے طاغوت کی طرف رجوع قرار دیا۔ سوال کرنے والے سے پوچھا کہ پھر ہم کیا کریں ایسی صورت میں تو امام نے فرمایا:

ینظران من کان منکم ممن قد روی حدیثنا و نظر فی حلالنا و حرامنا و عرف احکامنا فلیر ضوا به حکما فانی قد جعلته علیکم حاکما فاذا حکم بحکمنا فلم یقبل منه فانما استخف بحکم الله [illegible]

و علینا رد والراد علینا الراد علی حدالشرک باللہ (۴۱)

''دیکھو کہ تم میں سے ہماری حدیث کی روایت کرنے والے اور ہمارے حلال وحرام پر نظر رکھنے والے اور ہمارے احکام کی معرفت رکھنے والے کون ہیں۔ پھر اس کے فیصلہ پر راضی ہو جاؤ کیونکہ میں نے انہیں تم پر حاکم بنایا ہے پس جب وہ ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ کریں اور کوئی اسے قبول نہ کرے تو اس نے اللہ کے حکم کو معمولی جانا اور ہمارا انکار کیا اور ہمارے حکم کو رد کرنا اللہ کو رد کرنا ہے جو شرک باللہ کی حد کو پہنچتا ہے۔''

امام خمینی کہتے ہیں: اس روایت میں عمر ابن حنظلہ کی وجہ سے ضعف ہونے کے باوجود سند کے اعتبار ایسے بہت سے شواہد ہیں کہ جن کی بناء پر اسے موثق یا کم از کم حدیث جس کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے لہٰذا سند کے اعتبار سے اس میں شک کرنا درست نہیں۔ اس کے بعد آپ لفظ حکم پر جو قرآن کریم میں مختلف معنی میں استعمال ہوا بحث کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ نساء کی آیت نمبر ۵۸ اور ۵۹ سورہ ص کی آیت نمبر ۲۶ اور اس کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اختلاف یا تنازعہ عام طور پر کسی چیز کے ثبوت یا عدم ثبوت پر ہوتا ہے جس سے کسی کا حق سلب ہو رہا ہوتا ہے یا دو گروہ میں قتل وغیرہ پر اختلاف ہو جاتا ہے تو عموماً رہبر و حاکم سے رجوع کرتے ہیں قاضی سے نہیں خاص کر ان آیات میں پیغمبر اور اولی الامر کی پیروی کو لازم قرار دیا گیا ہے اور ان کی پیروی درحقیقت ان کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا نام ہے ان کی اطاعت احکام الٰہی کی اطاعت کے ضمن میں نہیں کیونکہ احکام الٰہی میں ان کی اطاعت تو اصل میں خدا کی اطاعت ہے نہ یہ کہ پیغمبر یا اولی الامر کی اطاعت ہے اس اعتبار سے اگر کوئی شخص نماز کو رسول اکرمؐ کی اطاعت سمجھ کر پڑھے تو نماز باطل ہے۔ پس اس میں شک نہیں کہ ان کی اطاعت حکومت سے مربوط امور میں ہے اور یہ خدا کی فرمانبرداری بھی ہے کیونکہ خدا نے ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ امام صادق کی اس روایت میں فـانـی قـد جـعـلـتـہ حـاکـمـا سے چلتا ہے کہ امام فقیہ کو قضاوت میں بھی اور حکومت و رہبری سے مربوط معاملات میں بھی حاکم قرار دیتے ہیں یعنی فقیہ ہر دو اعتبار سے اولی الامر ہے اور حق حاکیت رکھتا ہے باوجود یہ کہ امام ''قـاضـیـا'' بھی کہتے پھر بھی درست ہوتا یعنی قضاوت میں بطور کلی قاضی کی قضاوت اور حاکم کی حاکیت بھی شامل ہے۔ چونکہ اگر چہ سائل نے قضاوت کے بارے میں پوچھا تھا لیکن جواب میں حاکما کہہ کر محدود نہیں کیا ہے۔ لہٰذا حاکما سے مراد تعلق حکومت سے ہے، آپ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ. (۴۲)

''اور کسی مومن یا مومنہ کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کرے تو پھر اس معاملے میں ان کو کوئی اختیار باقی رہے۔''

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں امام خمینی کے نظریئے کے مطابق اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ غیبت امام زمانہ میں ولی فقیہ کا فرض ہے کہ وہ امت کی قیادت اور رہنمائی کرے اور تمام شعبہائے زندگی میں خواہ دینی، سیاسی ہو یا اقتصادی، سماجی ہو یا دفاعی۔ جہاں تک علمائے ایران کا تعلق ہے ان سب کا متفقہ نظریہ ایک اسلامی فلاحی مملکت کا قیام تھا جس کا آئین قرآن وسنت اور ائمہ معصومین کی ہدایات واقوال کے مطابق ہو۔ یہی وجہ تھی کہ شہنشاہیت کا تخت الٹنے کیلئے سب علماء متحد تھے۔ سب نے جد وجہد کی مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس مقصد کے حصول کے طریقوں میں ان کے درمیان اختلاف رہا اور اب بھی یہ اختلاف موجود ہے۔ اس اختلاف میں ایک طرف تو امام خمینی کے شاگرد مثلاً آیت اللہ بہشتی، اردبیلی، رفسنجانی، خامنہ ای، منتظری، محمد باہنر، ناطق نوری، قدوسی اور موسوی تہرانی یہ علماء انقلابی حکومت کے ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ لوگ آیت اللہ خمینی کے نظریات کی روشنی میں شیعی سیاسی نظریات کے مطابق ایک مذہبی حکومت کے قیام کی حمایت کرتے تھے جو بالآخر ولایت فقیہ پر منتج ہوئی۔ دوسرا وہ گروہ تھا جو مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ائمہ کے زمانے سے لے کر اب تک علماء کا کردار صرف ریاست اور معاشرے کی اخلاقی رہنمائی تک رہا ہے۔ اس گروہ میں آیت اللہ شریعت مداری، قمی، شیرازی، محلاتی اور زنجانی شامل تھے۔ خصوصاً شریعتمداری چاہتے تھے کہ علماء کو صرف قانون سازی کی نگرانی کرنی چاہیے۔ متعدل رائے رکھنے والے علماء کے نزدیک ولایت فقیہ کا تصور اعلیٰ ترین مذہبی اور سیاسی اقتدار کی ایک مجتہدانہ نظر ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ مذہبی طور پر ایران میں بڑی تعداد میں مجتہدین رہے ہیں۔ شیعوں کو ان میں سے مرجع تقلید کے طور پر ایک کا انتخاب کرنے کا اختیار رہا ہے۔ وہ اس امر کے قائل تھے کہ سیاسی طور پر ولایت فقیہ کی جو تشریح کی گئی ہے وہ بہت محدود اور نا کافی ہے یعنی علماء کے ذمہ صرف یتیموں اور غریبوں کی نگہداشت رہ گئی ہے۔ دیگر دینی رہنماء جو انتہا پسند نظریہ رکھتے تھے جیسے آیت اللہ طالقانی اور علی شریعتی کے استاد شیخ علی تہرانی کا مطالبہ تھا کہ شوریٰ کا نظام قائم کیا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ اسلام میں حکومت کی بنیاد ہے۔ (۴۳)

بہرحال ان تمام حالات کے باوجود امام خمینی اور ان کے شاگرد ولایت فقیہ کے حصول میں دینی اور سیاسی اختیارات مجتمع کرنے میں کامیاب ہوئے جس کا ذکر ایران کے آرٹیکل ۱۱۰ میں کیا گیا ہے۔ (اس سے باب پنجم میں تحریر کیا جائے گا)

امام خمینی کے خیال میں (غیر اسلامی) ظالم حکومتوں کو نابود کرنے کی چار صورتیں ہیں:

۱. مقاطعة الموسسات التابعة للحکومة الجائرة- جتنے بھی ادارے جو ظالم حکومتوں کے ماتحت کام کر رہے ہیں ان سے بائیکاٹ کرنا۔

۲. ترک التعاون معها- ان ظالم حکومتوں سے تعاون ترک کرنا۔

۳. الابتعاد عن عمل یعود نفعه علیهم- ہر اس کام سے دوری اختیار کرنا جس کا فائدہ ظالم حکومتوں کو پہنچتا ہے۔

۴. تأسیس مؤسسات قضائیة، ومالیة، واقتصادیة، وثقافیة، وسیاسیة جدیدة- ادارہ عدلیہ، ادارہ مالیہ، ادارہ اقتصادیہ، ادارہ ثقافتیہ اور سیاسی کو ایجاد کرنا۔ (۴۴)

امام خمینی اور مولانا مودودی کے مشترکات:

۱۔ اسلامی حکومت کے نظریئے میں قدر مشترک　　　۲۔ اتحاد و یکجہتی میں قدر مشترک

(ا) اسلامی حکومت کے نظریئے میں قدرِ مشترک:

ولایت فقیہ یا اسلامی حکومت کے سلسلے میں اہلسنت کے مولانا بدرالقادر مصباحی جیسے نظریات رکھنے والے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خمینی اور مودودی حصول اقتدار اور کرسی سلطنت کو ہی اسلامی کامیابی وکامرانی کا معیار سمجھتے ہیں۔ (۴۵)

لہٰذا ضروری ہے کہ اس سلسلے میں امام خمینی اور مولانا مودودی کے نظریات کا انہی کی کتابوں سے جائزہ لیا جائے۔ مولانا مودودی اپنی کتاب ''اسلامی ریاست'' میں لکھتے ہیں: قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ مالک الملوک ہے۔ خلق اسی کی ہے لہٰذا فطرتاً امر کا حق بھی اسی کو پہنچتا ہے۔ اس کے ملک میں اس کی خلق پر خود اس کے سوا کسی دوسرے کا امر جاری نہ ہو اور حکم بھی نہ چلے۔ درست راستہ صرف ایک ہے وہ یہ کہ اس کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت میں اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق حکمرانی اور فیصلے کئے جائیں۔ اس کیلئے انہوں نے دلیل کے طور پر سورہ آل عمران کی آیت ۲۶، سورہ فاطر کی آیت ۱۳، سورہ مومن کی آیت ۱۲، سورہ کہف کی آیت ۲۶، سورہ مائدہ کی آیت ۴۴، سورہ نساء کی آیت ۱۴۱ اور سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۰ کا ذکر کرنے کے بعد مودودی کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دنیا میں جو صلاح چاہتا ہے وہ صرف وعظ تذکیر سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کو عمل میں لانے کیلئے سیاسی طاقت بھی درکار ہے۔ اقامت دین اور نفاذ شریعت اور اجرائے حدود اللہ کیلئے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مطلوب ومندوب ہے۔ اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو اس سے دنیا پرستی یا دنیا طلبی سے تعبیر

کرتے ہیں۔ دنیا پرستی اگر ہے تو یہ کہ کوئی شخص اپنے لئے حکومت کا طالب ہو کر خدا کے دین کیلئے حکومت کا طالب ہونا تو یہ دنیا پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہی کا عین تقاضا ہے۔

ہم نے اس سلسلے میں امام خمینی کے دلائل پہلے مرحلے میں بہر حال تحریر کئے ہیں تاہم آپ کے دروس کا مجموعہ کتاب ''الحکومۃ الاسلامیۃ'' سے اس بحث کی مزید وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔ امام خمینی نے سورہ نساء کی آیت ۵۹ کا حوالہ دینے کے بعد کہا ہے کہ اسلامی سلطنت، شہنشاہی کی مانند نہیں ہے کیونکہ اس قسم کی حکومتوں میں حکام لوگوں کے جان و مال پر مسلط ہوتے ہیں اور ذاتی رائے کے ساتھ اس میں مداخلت کرتے ہیں لیکن اسلامی حکومت میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ رسول اکرمؐ جو اسلامی ریاست کے سربراہ تھے اور حکومت کرتے تھے آپ کی رائے حکومت و قانون الٰہی میں کسی قسم کی مداخلت نہیں رکھتی ہے۔ یہی سے امام خمینی اسلامی حکومت اور بادشاہت و جمہوریت میں فرق بیان کرتے ہیں۔ بادشاہت اور جمہوریت میں شاہ کے نمائندے یا لوگوں کے نمائندے قانون بناتے ہیں۔ جبکہ اسلام میں قانون بنانے کا اختیار صرف خدا کیلئے مخصوص ہے۔ شارع مقدس خود تنہا مقننہ ہیں۔ کسی کو بھی قانون بنانے کا حق نہیں اور شارع کے حکم کے علاوہ کسی بھی حکم کا اجراء نہیں کیا جا سکتا۔ (۴۶)

اس بحث سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ امام خمینی اور مولانا مودودی کے نظریات اسلامی حکومت کے سلسلے میں قانونِ خدا کا اجراء کرنا ہے نہ کہ صرف حصول اقتدار اور کرسی سلطنت کو ہی اسلامی کامیابی کا معیار سمجھتے ہیں۔ اس نظریئے میں دونوں قدرِ مشترک ہیں۔

(۲) اتحاد و یکجہتی میں قدرِ مشترک:

شہنشاہ ایران کا تخت سلطنت الٹنے کے بعد مولانا مودودی کی طرف سے ایک وفد ایران گیا اور اتحاد و یکجہتی کا مظاہرہ کیا گیا اور امام خمینی کو مبارک باد دی اور تہران میں جماعت اسلامی کے رہنماء میاں محمد طفیل نے اپنے دورہ ایران کے موقع امام خمینی کی امامت میں نماز ادا کی۔ (۴۷) اس طرح امام خمینی سنی علماء کی امامت میں نماز ادا ئیگی کیلئے کہا گیا ہے اور اپنا ایک وفد ایرانی وزیر خارجہ کمال محمد کی سربراہی میں مولانا مودودی کے پاس بھیجا نہ کہ اس وقت کی حکومت کے پاس۔ اس طرح امام خمینی اور مولانا مودودی نے اتحاد و یکجہتی کا مظاہرہ کیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ وہ دونوں اتحاد و یکجہتی میں قدرِ مشترک تھے۔

حوالہ جات

(۱) Algar Hamid, Islam and Revolution, London, KPL, Limited, 1985, Pg:13

(۲) حسن خمینی، ۲۰۰۰ء، ''امام خمینی عالمی رہنماء تھے''، مشمولہ: روزنامہ جنگ (اسلام آباد) ۲۰ر فروری، ص:۹

(۳) انصاری، حمید، سخن بیداری، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ایران، ۱۹۹۸ء، ص:۱۹

(۴) مشمولہ: وحدت اسلامی، دفتر قونصل اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد، شمارہ ۸۸، مئی تا جون ۱۹۹۲ء، ص:۳۶

(۵) خمینی، روح اللہ، صحیفہ نور، ج ۱۰، انتشارات شرکت سہامی چاپ خانہ، وزارت ارشاد اسلامی، ایران، ۱۳۶۱ش، بمطابق ۱۹۸۲ء، ص:۱۶۳

(۶) ایضاً، ج ۱۲، ص:۱۳۶

(۷) انصاری، حمید، سخن بیداری، ص:۳۱

(۸) ایضاً، ص:۳۲

(۹) مشمولہ: وحدت اسلامی۔ شمارہ ۹۶۔ اپریل، مئی ۱۹۹۳ء، ص:۱۹

(۱۰) ایضاً، ص:۱۹

(۱۱) زاہدی، زاہد علی، حکومت اسلامی تجزیہ ولایت فقیہ، (غیر مطبوعہ) کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، ص:۱۸۹

(۱۲) ایضاً، ص:۱۸۹

(۱۳) انصاری، حمید، سخن بیداری، ص:۲۷

(۱۴) خمینی، روح اللہ، کلمات قصار، پندھا وحکمت ہا، امام خمینی موسسہ تنظیم ونشر آثار، امام خمینی، چاپ ہفتم زمستان، ۱۳۷۸ش (موسم سرما ۱۹۹۹ء)، ص:۲۲۷

(۱۵) زاہدی، زاہد علی، حکومت اسلامی تجزیہ ولایت فقیہ، ص:۱۸۹

(۱۶) حسین، پروفیسر ڈاکٹر عسکری، انقلاب ایران کی سماجی، سیاسی اور نظریاتی ہمہ گیری، زرافشا عسکری فیز ۳ بلاک ۳، W۱۱ ہارون سٹی گلستان جوہر ۱۷، کراچی، ص:۱۰۲

(۱۷) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۶، مئی ۱۹۹۲ء، ص: ۲۰

(۱۸) صحیفہ نور، ج ۱، ص: ۲۵۶

(۱۹) سورہ شوریٰ، آیت: ۱۹

(۲۰) صحیفہ نور، ج ۱، ص: ۲۵۵

(۲۱) خمینی، روح اللہ، کوثر، ج ۱، خطبات امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۹۹۶ء، ص: ۴۸۸

(۲۲) کوثر، ج ۱، خطبات امام خمینی، ص: ۲۸۷

(۲۳) مشمولہ: روزنامہ کیہان (تہران)، مورخہ ۱/۱۸/۱۳۵۹، بمطابق ۱۹۸۰ء

(۲۴) کوثر، ج ۱، خطبات امام خمینی، ص: ۴۹۵

(۲۵) سورہ مریم، آیت: ۹۶

(۲۶) لوئیس معلوف، المنجد عربی بہ فارسی، مترجم: احمد سیاح، اشارات اسلام، تہران، چاپ دوم: ۱۳۷۸ش بمطابق ۱۹۹۹ء، ص: ۳۰۱

(۲۷) خمینی، روح اللہ، تحریر الوسیلہ، ج ۱، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی نمائندگی برصغیر، ۱۴۱۳ھ، ص: ۵

(۲۸) الخوئی، السید ابوالقاسم الموسوی، منہاج الصالحین، دار الغدیر، للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۱۹۷۳ء، ص: ۶

(۲۹) لوئیس معلوف، المنجد (عربی اردو) مادہ رجع یرجع ' (لوٹنا، پھیرنا)، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۹ء، ص: ۳۷۱

(۳۰) وحدت اسلامی، شمارہ ۸۸، مئی تا جولائی، ۱۹۹۲ء، ص: ۱۴

(۳۱) لوئیس معلوف، المنجد عربی بہ فارسی، مترجم: احمد سیاح، اشارات اسلام، تہران، چاپ دوم: ۱۳۷۸ش بمطابق ۱۹۹۹ء، ص: ۳۹

(۳۲) یزدی، آیت اللہ مصباح، ولایت فقیہ پر اجمالی نظر، (مترجم: سید وصی حیدر رضوی)، مجمع جہانی اہل بیت، قم، س ن، ص: ۱۵۴

(۳۳) سیستانی، آیت اللہ سید علی حسینی، ولایت مشہد، چہار راہ شہداء بہشت باغ نادری، ۱۳۸۶ش بمطابق ۲۰۰۷ء، ص: ۴

(۳۴) صدوق، بی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ، کمال الدین و تمام النعمة، ج ۲ الکساء پبلشرز، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۱۲

(۳۵) سورہ بقرہ، آیت: ۱۷

(۳۶) منتظری، آیت اللہ حسین علی، ولایت فقیہ، (مترجم: سید صفدر حسین نجفی)، مصباح الہدیٰ پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت اول: ۱۹۸۹ء ص: ۱۰۹

(۳۷) ایضاً، ص: ۴۵۳

(۳۸) خمینی، روح اللہ، الحکومۃ الاسلامیۃ، کتاب خانہ بزرگ اسلامی ایران، تہران، س ن، ص: ۳۵

(۳۹) یزدی، آیت اللہ مصباح، ولایت فقیہ پر اجمالی نظر، ص: ۱۵۶

(۴۰) زاہدی، زاہدی علی، اسلامی حکومت تجزیہ ولایت فقیہ، ص: ۲۰۳

(۴۱) عاملی، شیخ حر، وسائل الشیعہ، ج ۲۷، موسسہ آل البیت لاحیات التراث قم، ۱۴۱۴ھ، ص: ۱۳۷

(۴۲) سورہ احزاب، آیت: ۳۶

(۴۳) حسین، پروفیسر ڈاکٹر عسکری، انقلاب کی سماجی، سیاسی اور نظریاتی ہمہ گیری، ص: ۴۴۰

(۴۴) خمینی، روح اللہ، الحکومۃ الاسلامیۃ، کتاب خانہ بزرگ اسلامی ایران، تہران، س ن، ص: ۴۳

(۴۵) مصباحی، مولانا بدر القادر، اسلام اور خمینی مذہب، تنظیم اہل سنت پاکستان، س، ن، ص: ۳۸۰

(۴۶) خمینی، روح اللہ، الحکومۃ الاسلامیۃ، کتاب خانہ بزرگ اسلامی ایران، تہران، س ن، ص: ۴۳

(۴۷) مصباحی، مولانا بدر القادر، اسلام اور خمینی مذہب، تنظیم اہل سنت پاکستان، س، ن، ص: ۴۰۲

باب سوئم:

امام خمینی کے انقلابی نظریات

امام خمینی اسلامی انقلاب کو معاشرتی صورت حال کی تبدیلی کا واحد راستہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپ ہر چیز سے قبل حاکمانہ نظام کے لئے اصلاح و نصیحت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اسی صورت میں جب نصیحت، بحث و جدل کارگر نہ ہو تو موجودہ وضع کی اصلاح کے سلسلے میں قاعدہ تدریج کا نظریہ رکھتے ہیں یعنی اگر حکمراں نصیحت وارشاد، اصلاح نظام و رفتار میں تبدیلی نہ کریں تو انقلاب ناگزیر ہے۔ امام خمینی کی نظر میں یہی اصل ہدایت و اصلاح ہے۔ لہٰذا اگر حاکم نظام اصلاح وارشاد کا خیر مقدم کرتا ہے تو ہدف حاصل ہو جائے گا لیکن نظام حاکم اسلامی اصولوں کے سلسلے میں بے توجہی اور خطا کا شکار ہے تو انقلاب جائز ہے بلکہ فرض و واجب ہے۔ اس بنا پر امام خمینی پہلوی حکومت کو سرنگوں کر کے جدید اصولوں والی اسلامی حکومت کو برقرار کرنا چاہتے تھے لیکن دفاعی نظریہ کو اولین راہ حل جانتے تھے یعنی حکومت وقت کو سرنگوں کئے بغیر نصیحت و اصلاح کے ذریعے اسلامی اصولوں کی حفاظت و اسلامی احکام پر عمل کی فضا ہموار کی جائے کیونکہ حکومت وقت کی سرنگوں ملک کے نظم ونسق اور امن و عامہ کے لئے نقصاندہ ہے حالانکہ آپ ملک کے آئین کو ناقص سمجھتے تھے۔

امام خمینی انقلاب سے قبل ایرانی عوام کے اجتماع کو اسلامی نعروں کے ذریعے اسلامی و سیاسی شعور دینا چاہتے تھے تا کہ اسلامی انقلاب کے لئے راہ ہموار ہو سکے اور اس طریقہ وذریعہ سے عادل اسلامی حکومت کا خواب شرمندہ تعبیر کیا جا سکے چونکہ تحریک اسلامی تھی لہٰذا مارکسیسٹ و بائیں بازو کی تنظیموں سے سیاسی اتحاد کے مخالف تھے آپ کہتے تھے ''ہم شاہ کو سرنگوں کرنے کے لئے مارکس ازم سے اتحاد نہیں کر سکتے ہیں'' چونکہ آپ کا مقصد و ہدف فقط شاہ کو نابود کر کے حکومت قائم کرنا نہ تھا بلکہ ایرانی معاشرے کو فکری و روحی اعتبار سے تبدیل کرنا تھا۔ آپ نہ صرف انقلاب کو ضروری سمجھتے تھے بلکہ اس کے دائرے دوسرے اسلامی ممالک تک پھیلا دینے کی تاکید کرتے تھے آپ کا انقلاب کے سلسلے میں معنوی پہلو کی تاکید کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ انقلاب کو ایک تحریک کی ضرورت ہے کیونکہ غیر عقیدتی آئیڈیالوجیکل انقلاب افراد کی اندرونی و روحی تبدیلی کا سبب نہیں بنتا بلکہ ڈکٹیٹرشپ واستبداد میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ امام خمینی کی نظر میں اسلامی نظام روحی تحول کا سبب ہے کیونکہ یہ عظیم ہدف کا حامل اور اسلامی احکام کے اجراء کا ضامن ہے اگر اقوام عالم کا نصب العین اسلامی نظام ہو جائے تو سماج و معاشرے میں اتحاد و وحدت اور ہم آہنگی کی فضا قائم ہو جائے گی جس کے سائے میں روحی تحول خدا پر اعتماد غیر خدا سے دوری اور شجاعت

وشہادت کی خیر مقدم جیسی سعادتیں وجود میں آئیں گی۔امام خمینی کی نگاہ میں عام افراد کے ادراک و افکار میں تبدیلی انقلاب کا لازمی جزو ہے۔ بین الاقوامی روابط رائج فکر واقفیت وحقیقت سے اہم تر ہے۔اس بنا پر آپ کا عقیدہ یہ تھا کہ عوام کا سماجی ومعاشرتی صورت حال کا تصور انقلاب کا سبب ہے نہ کہ سماجی ومعاشرتی صورت حال کی حقیقت۔

دین وسیاست کے بارے میں امام خمینی کا نظریہ:

دین وسیاست کے بارے میں امام خمینی کے نظریہ پر بحث کرنے سے پہلے ہم امام غزالی اور مغربی مصنفین اس عنوان کو کس طرح سے دیکھتے ہیں، بحث کریں گے تا کہ اس عنوان کے بارے میں سیر حاصل بحث ہو سکے اس کے بعد امام خمینی کے نظریہ کی بحث اگلے مرحلے میں بیان کی جائے گی۔امام غزالی کے خیال میں سیاست ہی سماج کے اندر انسانی حیات کے وسائل فراہم کرتی ہے اور اس کے اختیار میں قرار دیتی ہے اس لئے زندگی کی صرف گرو ہی قسم میں آدمی ایک دوسرے کی مدد کر سکتا ہے اور ایک دوسرے کے کام آ سکتا ہے اور اس طرح اپنی معیشت بہتر بنا سکتا ہے وہ علم جو پرامن اور فائدہ بخش زندگی کی تعلیم دیتا ہے، سیاست ہے اور امام غزالی سیاست کے حصول کو فرضِ کفایہ سمجھتے ہیں۔(۱)

لہٰذا سیاست کی تعریف یہ کی جا سکتی ہے:"سیاست عبادت ہے حسن تدبیر سے کہ جو زمانہ حالات اور احوال کی پوری شناخت اقوام گروہ اور افراد کے درمیان تعلقات سے پرامن زندگی کے طریقوں سے واقفیت سے حاصل ہوتی ہے اور سماج کی ترقی قومی مقاصد کے حصول اور زندگی کے تمام مراحل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔"

لہٰذا اسلام ایسی سیاست کا پیرو ہے کہ جو صرف پرامن اور سعادت مند زندگی کے حصول کے لئے استعمال ہو اور سیاستدان اس کو کہتے ہیں کہ جو عالمی صورت حال سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہو اس طرح کہ وہ اس کے قومی حالات کے ساتھ سازگار ہو اور اس کی ملت کی سربلندی وسعادت کا سبب بنے۔

اکثر جدید مغربی مصنفین سیاست کو اقتدار، علم اقتدار، اقتدار کی مقتدرانہ تقسیم اور اقتدار حاصل کرنے کا طریقہ وغیرہ سمجھتے ہیں۔ان کی نظر میں حکومت قوانین اور سیاسی ادارے سب کچھ طاقت ہے ایسے برتر اخلاقی قوانین جو حکومت اور اس کے تمام ترشعبوں کو کنٹرول کر سکیں، وجود نہیں رکھتے۔(۲) لیکن امام خمینی کی نظر میں خداوند متعال کی طاقت تمام زمینی طاقتوں سے بالاتر ہے۔ لہٰذا انسانی معاشرے کے حاکم شخص کی طاقت اس معیار کے ذریعے مشروط اور محدود ہو جاتی ہے پس ہر برتری سیاست نہیں ہے۔لہٰذا امام خمینی کی نظر میں سیاست کی تعریف اس طرح سے کی جا سکتی ہے:

''سیاست سے مراد انسانی معاشروں کی تدبیر کرنا اور انہیں ترقی کی طرف گامزن کرنا ہے۔ انسان کا فقط ایک پہلو نہیں ہے۔ معاشرہ بھی صرف ایک پہلو پر مشتمل نہیں ہے۔ انسان صرف ایک حیوان نہیں ہے جس کی تمام مصروفیات کھانے پینے میں محدود ہوتی ہو۔ سیاست اگر صحیح بھی ہوں تو وہ قوم کو صرف ایک پہلو میں کمال کی طرف لے جاسکتی ہے۔ وہ ایک حیوانی پہلو ہے۔ یہ سیاست اسلام میں موجود انبیاءؑ اور اولیاءؑ کی سیاست کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ وہ قوموں کی ہدایت کرنا چاہتے ہیں اور انہیں اپنی سمت میں لے جانا چاہتے ہیں کہ ایک انسان یا معاشرے کی ہر ممکنہ مصلحتیں پوری ہوسکیں۔'' (۳)

امام خمینی کے نظریئے کے بنیادی نکات میں ایک اہم نکتہ ''سیاست کے میدان میں خدا کے حاضر ناظر ہونے'' کو سنجیدگی سے لینا چاہئے اور یہی وہ نکتہ ہے کہ جو مغربی سیاسی ماہرین سے ممتاز کرتا ہے لہٰذا امام خمینی اکثر معاشروں پر حکم فرما سیاست اور اس الٰہی سیاست جو انسانی معاشروں پر حاکم ہونا چاہیے میں بنیادی فرق کے قائل ہیں۔ آپ کہتے ہیں: ''فقط وہ چیز ''حقیقی سیاست'' ہے جو عدالت اور ہدایت کے راستے پر چلنے میں استعمال کی جائے۔'' (۴)

امام خمینی کی باقاعدہ سیاسی جدوجہد پہلوی خاندان کے بانی رضا خان کی پالیسیوں کے خلاف شروع ہوئی۔ انہوں نے اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے رضا خان کے رویہ کے خلاف احتجاج بلند کیا۔ اس سلسلے میں ملنے والی ان کی قدیم ترین تحریری دستاویز مسلمانان عالم کے نام پر وقت کے فرعونوں اور طاغوتی طاقتوں کی سرنگونی کے لئے عملی تحریک پر مبنی ایک تحریر ہے جو انہوں نے ۱۱ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ کو لکھی تھی۔ (۵) اپنے دوٹوک سیاسی نظریات کی وجہ سے امام خمینی حکومت کی نظروں میں کھٹکنے یہی وجہ تھی کہ رضا خان نے اپنے خفیہ ایجنٹوں کو حکم دیا کہ امام خمینی کی سرگرمیاں محدود سے محدود تر کردی جائے۔ مگر آپ نے تدریجاً لیکن مستحکم انداز میں اپنی سیاسی کوششیں جاری رکھیں۔

دین اور سیاست کے بارے میں امام خمینی کے نظریات اس وقت واضح طور پر سامنے آنے لگے جس وقت رضا شاہ کے سرکاری پریس ''روزنامہ اطلاعات'' نے ''مذہب و مسائل روزمرہ کے عنوان سے'' مراسلات کی اشاعت کا سلسلہ جاری کردیا اور اس کی ابتداء اس طرح کی۔ ہمیں بعض مراسلات ایسے موصول ہوئے ہیں جن میں مذہب اور سیاست کے درمیان اختلاف پر تشویش ظاہر کی گئی ہے اس مسئلے کا تعلق عقلیت سے ہونے کے باوجود اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس قسم کے مسائل کی حیثیت سرطان کی گلٹی جیسی ہوتی ہے جو رفتہ رفتہ اس

طرح پھیل جاتا ہے کہ اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے۔ اس تمہید کے بعد دین اور سیاست کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کا فلسفہ پیش کرتے ہوئے اخبار نے لکھا کہ مذہب ایک ایسا امر ہے جو سیاست سے بالکل جدا ہے سیاست روزمرہ کی بات ہے اور مذہب سخن ابدی وازلی ہے۔ سیاست آج کچھ کہتی ہے اور کل کچھ اور مذہب ماضی، حال اور مستقبل کے لئے ایک ہی بات کہتا ہے سیاست کے ماثر اور مظاہر ہر وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں لیکن مذہب کے ماثر و مظاہر میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہب وقت پر محیط ہے اور سیاست پر وقت کی حکمرانی قائم رہتی ہے۔ اخبار مزید لکھتا ہے: آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج کل مردمان دانشمند اور امریکہ تہذیب و تمدن کے بلندترین مقام پر نظر آرہے ہیں اور علم وحکمت کے بل بوتے پر خلل کی تسخیر کا مرحلہ طے کر چکے ہیں۔ حالانکہ مذہب ان لوگوں کے لئے بھی معنوی اور روحانی اعتبار سے عظیم تکیہ گاہ ہے۔ لیکن یہ لوگ ہفتہ کے تمام ایام کام میں سرگرم مطالعہ اور اپنی جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں اور صرف اتوار کی صبح انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ کلیسا میں حاضر ہوتے ہیں۔ صلیب مقدس کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور بارگاہ ایزدی سے نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی نفس کی جلا اور روح کی صفائی طلب کرتے ہیں۔(۶)

سرکاری جرائد میں مذہب وسیاست کی اس وضاحت کے بعد ایران کے عوام کے سامنے یہ بات کھل کر آگئی کہ رضا شاہ اور اس کے پیروکار ملت مسلمہ کو یہ ترغیب دے رہے ہیں کہ مسلمان اسلام سے اپنا تعلق ایسا ہی رکھے جیسا کہ یہود ونصاریٰ اپنے دین سے رکھتے ہیں اور جس طرح وہ ہفتے میں صرف ایک بار عبادت خانوں میں جا کر اپنا دینی فریضہ ادا کرتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہئیں کہ ہفتے میں صرف ایک بار بارگاہ ایزدی سے اپنی مراد طلب کریں اور ہفتہ کے باقی دن دنیاوی کاروبار میں صرف کریں۔

علاوہ ازیں دین کو سیاست سے علیحدہ کرنے کا خاص مقصد یہ بھی تھا کہ عوام کے دل ودماغ پر علماء اور روحانی پیشواؤں کی عظمت کے جو گہرے نقوش مرتسم ہے ان کو اس طرح مٹا دیا جائے کہ علماء ان میں غیر مقبول ہو جائے اور ملکی سیاست میں ان کا عمل دخل باقی نہ رہے۔

امام خمینی نے دین اسلام کے احکامات کی وضاحت کرتے ہوئے دین کی ذمہ داری کو زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی ہدایت اور رہنمائی کرنے کو قرار دیا ہے اور آپ نے سیاست کو اسلام سے جدا کرنے کو اصلی اور خالص دین کی بربادی تصور کیا۔ ان کے خیالات میں یہ سوچ دراصل عالمی استکبار اسلامی ممالک میں ظلم پسند وابستہ حکومتوں اور مغرب زدہ خودفروش ایجنٹوں سے تشکیل شدہ لوگوں کی طرف سے پھیلائی گئی۔

امام خمینی کی نظر میں ''دین سیاست سے الگ ہو اور علماء اسلام کو سیاسی اور معاشرتی معاملات میں مداخلت

نہیں کرنی چاہئے یہ استعمار گردوں نے کہا ہے اور دنیا میں یہ افواہ اڑائی ہے یہ بے دینوں کا مقولہ ہے۔ کیا حضرت پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں سیاست دین سے الگ تھی؟ یہ سب باتیں استعمار گردوں اور ان کے سیاسی ایجنٹوں نے گھڑی ہے۔ تاکہ دین کو دنیاوی امور میں مداخلت اور مسلمانوں کے معاشرے کی صف بندی سے روک سکیں اور ساتھ ہی علماء اسلام کو عوام سے اور آزادی اور خودمختاری کے لئے جہاد کرنے والوں سے الگ کردے وہ کسی صورت میں عوام پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں اور ہمارے وسائل کو لوٹ سکتے ہیں۔ ان کا مقصد یہی ہے۔''(۷)

امام خمینی سمجھتے ہیں کہ دین کے رکھوالے یعنی علماء جو اسلام کے آغاز سے لے کر اب تک دین کی تشریح و تعبیر کے ذمہ دار ہیں کو ''دینی و دنیاوی'' تعبیر کے فرق کو مٹا کر ایک مکمل نظام کی طرف ملتفت ہونا چاہیے تاکہ اسلام ہر طرح کے مسئلہ کا ناجی بن کر سامنے آئے۔ آپ اپنے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں:

''ان اہم سازشوں میں سے ایک جو حالیہ صدی کی گذشتہ چند دہائیوں میں اور بالخصوص انقلاب کی کامیابی کے بعد آشکارا طور پر نظر آرہی ہے کہ ملت اسلامیہ اور خاص طور پر ایران کی جانثار قوم کو عالمی پیمانے اور مختلف پہلوؤں سے اسلام سے مایوس کرنے کی کوشش کی جارہی ہے...... اور کہتے ہیں کہ اسلام اور خدائی ادیان کا سروکار معنویات اور تہذیب نفس سے ہے۔ مذہب دنیاوی ارتباط سے روکتا ہے، ترکِ دنیا کی دعوت دیتا ہے۔ چونکہ یہی چیزیں انسان کو خداوند عالم سے نزدیک اور دنیا سے دور کرتی ہیں اور حکومت و سیاست سے دلچسپی اس عظیم معنوی مقصد کے برخلاف ہے کیونکہ یہ سب تعمیر دنیا کیلئے ہے اور انبیاء عظام کا یہ شیوہ نہیں رہا ہے۔ افسوس کہ اس قسم کے پروپیگنڈوں نے اسلام سے بے خبر بعض دینداروں اور علماء کو اتنا متاثر کیا کہ وہ حکومت و سیاست میں حصہ لینے کو ایک گناہ و فسق سے تعبیر کرتے تھے۔ شاید بعض لوگ آج بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ یہ ایک عظیم المیہ ہے جس میں اسلام مبتلا رہا ہے۔''(۸)

آپ کے خیال میں اسلام کے سیاسی احکامات اس کے عبادی احکامات سے زیادہ ہیں۔ عبادات سے زیادہ سیاست کے موضوع پر اسلام نے کتابیں لکھی گئی ہیں۔ آپ کہتے ہیں ''جتنی آیات و احادیث سیاست کے بارے میں پائی جاتی ہیں اتنی عبادات کے بارے میں نہیں ملتی۔ آپ کتب فقہ کے پچاس سے زیادہ ابواب کا مطالعہ کریں ان میں سے سات، آٹھ کا تعلق عبادات سے ہیں جبکہ دوسرے تمام ابواب کا تعلق سیاسیات، عمرانیات اور معاشرتی علوم وغیرہ کے بارے میں ہیں۔''(۹)

امام خمینی کی سوچ کے مطابق سیاست اور معاشرتی معاملات کے علاوہ اسلامی کتب میں کوئی اور بات نظر

نہیں آتی اور اگر ہے تو بہت کم اور جزوی حد تک اور عبادت بھی اسلام میں سیاست کا ہی حصہ ہے چنانچہ آپ کہتے ہیں:

''خدا کی قسم اسلام تمام کا تمام سیاست ہے۔ اسلام کو غلط طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مدنی سیاست سرچشمہ اسلام ہے۔''(۱۰)

امام خمینی کی نظر میں یہ کہنا کہ علماء کو سیاست میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہئے تا کہ اس کا تقدس بحال رہے یہ غلط ہے آپ اسے دشمن کی ایک بڑی سازش قرار دیتے ہیں تا کہ جس کے ذریعے وہ پوری تاریخ میں معاشرے کی حقیقی قوتوں اور سیاست وحکومت کے اصل مالکوں کو بے دخل کرنے کے لئے کوشش بروئے کار لاتے رہیں اور بعض مرحلے پر وہ اس میں کامیاب بھی رہے ہیں۔

امام خمینی علماء کو اسلامی انقلاب کی تحریک کے رہنماء جانتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے علماء کو سماج و معاشرے میں تبدیلی سے قبل اپنے اندر روحی وانسانی تبدیلی پیدا کرنے کی نصیحت کی ہے تا کہ یہ اندرونی انقلاب عوام میں تبدیلی کا باعث بنے اور نتیجتاً بیرونی انقلاب کا سبب بنے۔ علماء کی ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ کہتے ہیں:

''آپ لوگوں کو بتائیں صدر اسلام میں وزارت عدل وانصاف مسجد کے ایک کونے میں تھی حالانکہ حکومت کا دامن ایران، مصر، حجاز اور یمن کے آخر تک پھیلا ہوا تھا یہ باتیں لوگوں کو پہنچانی چاہئیں۔ علماء کی ذمہ داری ہے کہ عبادی مسائل لوگوں کو سکھائیں لیکن اہم ترین اسلام کے سیاسی مسائل ہیں۔ علماء کو چاہیے ایک تبلیغاتی وفکری لہر وجود میں لائیں تا کہ ایک اجتماعی کیفیت پیدا ہو اور پھر رفتہ رفتہ ایسے افراد کا ایک گروہ جو فرض شناس اور دیندار اور اسلامی انقلاب کی تحریک سے تشکیل پا کے ابھر کر سامنے آئے اور حکومت اسلامی تشکیل دے۔''(۱۱) اسی طرح امام خمینی اپنے وصیت نامے میں تحریر کرتے ہیں:

''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام چودہ سو سال پرانا مذہب ہے یا تو وہ حکومت، قانون اور سیاست سے واقفیت نہیں رکھتے یا پھر مصلحت کے پیش نظر جان بوجھ کر خود کو انجان ظاہر کرتے ہیں کیونکہ عدل وانصاف کے معیار پر قوانین کا نفاذ، ظالم و بے رحم حکومت کا خاتمہ کرنا، معاشرے کے افراد کے درمیان عدل وانصاف کو رواج دینا، بدعنوانیوں، بدکاریوں اور مختلف غلط کاموں سے منع کرنا کیا اسلام کے دقیانوسی نظام کے ہونے کا پتہ دیتا ہے؟ عقل وعدل کے دائرے میں آزادی دلانا، استقلال اور خودکفیلی کی طرف بلانا، استعمار کی غلامی سے چھڑانا، استحصال سے

بچانا اور ایک معاشرے کو تباہی و بربادی سے نکالنے کیلئے عدل و انصاف کے معیار کے مطابق حدود (۞) قصاص (۞) اور تعزیرات (۞) کا اجراء کرنا اور سیاست نیز عقل و انصاف کے اصولوں پر معاشرے کا چلانا اور ایسی ہی اور سینکڑوں چیزیں کیا وقت کے گزرنے کے ساتھ تاریخ انسانی اور معاشرتی زندگی میں پرانی ہو جاتی ہیں؟"....... عصر حاضر میں عقلی اور ریاضی اصولوں کو بدلنا چاہیے اور ان کی جگہ نئے قوانین رائج ہونے چاہئیں یا مثلاً کوئی یہ کہے کہ اگر ابتداء آفرینش میں سماج کے درمیان انصاف کا نفاذ اور ستم گری و لوٹ کھسوٹ اور ان کی روک تھام اب نہ ہونی چاہیے چونکہ آج ایٹم بم کی صدی ہے اور وہ روش پرانی ہو چکی ہے۔" (۱۲)

اب ہم مختلف قسم کی حکومتوں کے بارے میں امام خمینی کی تعریف پر بحث کرتے ہیں۔ امام خمینی انسانی معاشرے میں موجود حکومتوں کے چار گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ ڈیموکریسی حکومت

۲۔ استبدادی (سلطنتی) حکومت

۳۔ مشروط سلطنتی حکومت

۴۔ اسلامی حکومت

(۱) ڈیموکریسی حکومت:

امام خمینی کی نظر میں ڈیموکریٹک حکومت ایسی حکومت ہے جس میں عوامی نمائندے قانون سازی کرتے ہیں۔ البتہ وہ ڈیموکریسی جس کی خوبیاں اور عیوب ان کے مدنظر تھے اس کی ان کے زمانے میں مطلق ڈیموکریسی اور مشروط ڈیموکریسی میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مطلق ڈیموکریسی ایسی ڈیموکریسی کو کہا جاتا ہے جو قانون کو بذات خود

۞ حدود: حد کی جمع اور کسی چیز کے کنارے اور آخری حصے کے معنی میں ہے۔ اسلامی فقہ میں "حد" عفت و اخلاق کے خلاف اعمال، لوگوں کے مال اور عزت پر دست درازی اور دیگر عام حقوق کے خلاف اقدامات کے سلسلے میں مجرم کی سزاء ہے جس کو قرآن اور معتبر احادیث میں واضح طور پر متعین کر دیا گیا ہے۔

۞ قصاص: قصاص کے لغت میں معنی قاتل یا ضارب (چوٹ لگانے والے) کی اس کے عمل کے مطابق جزاء، مکافات اور سزاء کے ہیں۔ اسلامی فقہ میں ان جسمانی صدموں اور نقصانات کا جو مجرم اور گناہ گار کسی کو پہنچاتا ہے، قصاص موجود ہے۔ عملی طور پر قصاص اس شخص کا حق ہے، جس پر ظلم ہوا ہو (قتل ہو جانے کی شکل میں) وارثین کا حق ہے کہ مجرم کے ساتھ ویسا ہی عمل کریں۔

۞ تعزیرات: تعزیرات تعزیر کی جمع اور لغت میں مختلف معانی منجملہ تقبیح و مذمت کرنا، برا بھلا کہنا اور ڈنڈے سے مارنا وغیرہ ذکر ہوئے ہیں۔ اسلامی فقہ میں تعزیر اس سزاء کو کہا جاتا ہے، جس کے میزان کا تعین قاضی کے اختیار میں دے دیا گیا ہے اور اسلامی عدالت کا قاضی یا جج مجرم کی حالت، جرم کی نوعیت اور اس کے ارتکاب کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے سزاء کے میزان کا تعین کرتا ہے بشرطیکہ ایک معینہ حد سے آگے نہ بڑھے۔

عوامی رائے پر مبنی جانتی یا دوسرے الفاظ میں ''تفویض'' یا اختیارات سونپنے کی قائل ہے یعنی خدا نے خلق شدہ انسان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے تاکہ جیسا چاہے رہے لہٰذا اس کے گوناگوں انتخاب پر کوئی سزا نہیں رکھی۔ پس ہر طرح کی انسانی زندگی خدا کی خواہش اور مرضی کے مطابق ہے۔ امام خمینی اس قسم کی ڈیموکریسی سے اتفاق نہیں رکھتے اسی لئے کہتے ہیں: ''اسلام ڈیموکریٹک نہیں ہے۔'' (۱۳)

دوسری قسم کی ڈیموکریسی یعنی مشروط ڈیموکریسی انسانی آزادی' اختیار' آزادی بیان' ذرائع ابلاغ' دین و مذہب اور مختلف سیاسی جماعتوں وغیرہ کی قانون کے اندر رہتے ہوئے آزادی اور قانون کے سامنے سب افراد کے برابر ہونے نیز اپنی سرنوشت کے انتخاب میں اکثر عوام کی شرکت، طاقت کا استعمال نہ کرنے، اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت وغیرہ پر زور دیتی ہے۔ امام خمینی اس قسم کی ڈیموکریسی کی حمایت کرتے ہیں۔

دراسلام دموکراسی مندرج است و مردم آزادند در اسلام، ہم در بیان عقائد و ہم در اعمال، مادامی کہ توطئہ در کنار نباشد و مسائلی را عنوان نکند کہ نسل ایران را منحرف کنند

''اسلام میں ڈیموکریسی موجود ہے اور لوگ اسلام میں اپنے عقائد اور اپنے اعمال کو بیان کرنے میں آزاد ہیں لیکن اس وقت تک جب تک سازش کا ارادہ نہ رکھتے ہوں اور ایسے مسائل کو نہ چھیڑیں جو ایرانی قوم کو اپنے راستے منحرف کرنے کا باعث بنیں''۔ (۱۴)

لہٰذا جب امام خمینی ڈیموکریٹک حکومت کو رد کرتے ہیں تو ان کے مدنظر مطلقہ ڈیموکریسی ہوتی ہے اور جب آپ ڈیموکریٹک حکومت کو اسلامی حکومت کے متضاد قرار نہیں دیتے تو ان کے مدنظر مشروط ڈیموکریسی ہوتی ہے۔

(۲) استبدادی (سلطنتی) حکومت:

امام خمینی کی بصیرت میں استبدادی حکومت میں حکمران ایک آمر اور خودسر شخص ہوتا ہے جو لوگوں کی جان و مال میں من پسند مداخلت کرتا ہے جسے مارنے کا ارادہ کرے اسے مار دیتا ہے اور جسے چاہے اسے انعام و اکرام سے نوازتا ہے جس کو چاہے جاگیر دے دیتا ہے اور عوام کے مال و اموال کو مورد نظر افراد میں تقسیم کر دیتا ہے۔

امام خمینی کی نظر میں خودسرانہ حکومت کا مفہوم، طاغوتی انداز کا الٰہی انداز اور ظلم کا عدل پر غلبہ پانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے اسی لئے آپ کہتے ہیں:

''ہم چاہتے ہیں کہ آمریت کا راستہ روک دیں ہم نہیں چاہتے کہ آمریت ہو ہم اس کے بالعکس چاہتے ہیں ولایت فقیہ آمریت نہیں بلکہ اس کی مخالف ہے۔'' (۱۵)

آپ مزید کہتے ہیں:

''فقیہ ڈکٹیٹر نہیں ہو سکتا ایسا فقیہ جس میں مندرجہ بالا اوصاف ہوں وہ عادل کہلاتا ہے۔ یہ وہ عدالت ہے جو معاشرتی عدالت سے مختلف ہے یہ ایسی عدالت ہے جو ایک لفظ جھوٹ بولنے سے ختم ہو جاتی ہے۔'' (۱۶)

پس امام خمینی کی نظر میں استبدادی حکومت یا مطلق حکمران اس شخص کو کہتے ہیں جو ہر قسم کا قانون بنانے کا اختیار رکھتا ہو اور ان کو صرف اپنے ارادے سے بناتا یا ختم کرتا ہو۔ استبدادی حاکمیت کی سوچ اس مفروضے پر استوار ہے کہ ایک شخص کو اس چیز کا حق اور اختیار دے دیا جائے کہ وہ اپنی تمام خواہشات کو قانون کا جامہ پہنا سکے اور جس چیز کا بھی ارادہ کرے اسے قانونی طور پر انجام دے سکے یہ وہی طاقت و اختیار ہے۔ امام خمینی کی نظر میں صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے جو ان کی نظر میں حقیقی حکمران ہے۔

(۳) مشروط سلطنتی حکومت:

آج کے دور میں مشروط کا معنی قوانین کا ایسی حکومت کے اشخاص اور اکثریت کی بنیاد پر تصویب ہونا ہے جس میں شاہ بھی قانون بنانے کا حق رکھتا ہے۔ امام خمینی کی نظر میں اس قسم کی حکومت مطلق ڈیموکریسی اور استبدادی حکومت سے کچھ خاص فرق نہیں رکھتی۔

(۴) اسلامی حکومت:

اسلامی حکومت کے معنی ''حکومتی امور میں دینی تعلیمات کی دخالت اور مختلف سیاسی امور میں دین کی حاکمیت کو قبول کرنا ہے۔'' اسلامی حکومت کی حقیقت اور کیفیت کے بارے میں امام خمینی کا نظریہ اس طرح ہیں:

''اسلامی حکومت میں قانون سازی اور شریعت گزاری کا اختیار صرف خداوند تعالٰی سے مختص ہے۔ قانون گزاری کا حق صرف شارع مقدس ہی کو حاصل ہے۔ کوئی بھی قانون سازی کا حق نہیں رکھتا اور شریعت گزار کے حکم کے علاوہ کوئی قانون قابل اجراء نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی حکومت میں قانون ساز اسمبلی جو حکومت کے تین ستونوں میں سے ایک ہے کی جگہ منصوبہ ساز اسمبلی موجود ہوتی ہے۔ یہ اسمبلی اسلامی احکام کی روشنی میں مختلف وزارت خانوں کے لئے پلاننگ کا کام انجام دیتی ہے اور ان منصوبوں کے ذریعے پورے ملک میں عمومی خدمات کی کیفیت کو متعین کیا جاتا ہے۔ اسلامی حکومت قانون کی حکومت ہے۔ اسلامی قانون یا خدا کا فرمان تمام تر افراد اور اسلامی حکومت پر مکمل حاکمیت رکھتا ہے رسول اکرم ﷺ سے لے کر ائمہ طاہرین اور دیگر سب افراد ہمیشہ خداوند تبارک وتعالٰی کے قانون کے تابع ہیں جو قرآن اور نبی اکرمؐ کی زبان سے بیان ہوا ہے۔ اس حکومت میں الٰہی حکم،

حاکم اور محکوم دونوں پر واجب الاطاعت ہے۔''(۱۷)

''اسلامی حکومت ایک طرح کی مشروط حکومت ہے مشروط اس وجہ سے کہ حاکم جماعت اپنی رہبریت اور قوانین کے اجراء میں کچھ شرائط کے پابند ہیں جو قرآن کریم اور سنت رسول اکرمؐ میں مشخص کی گئی ہیں۔ یہ شرائط وہی اسلامی احکام و قوانین ہیں جن کی مراعات اور انہیں لاگو کرنا ضروری ہے اس وجہ سے اسلامی حکومت لوگوں پر ایک الٰہی اور قانونی حکومت ہے۔''(۱۸)

امام خمینی کے مندرجہ بالا نظریات ان کے فکری ڈھانچے میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ حکومتوں کا آپس میں فرق آپ کی نظر میں اس بات پر منحصر ہے کہ حکومت کے اندر 'برترین طاقت' کسی شخص کو سونپی گئی ہے۔ لہٰذا امام خمینی کے نظریے میں ایک ایسی شرط موجود ہے جس کے ساتھ مطابقت اسلامی حکومت کے لئے ضروری ہے اور وہ یہ کہ یہ برترین طاقت جس کو بھی سونپی گئی ہو وہ اسے خدا کے قوانین کے مطابق استعمال کرے۔

وہ افراد جن کو یہ برترین طاقت سونپی گئی ہے وہ یہ حق نہیں رکھتے کہ وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق اور قوانین کو نظر انداز کرتے ہوئے استعمال کریں۔ ایسی صورت میں نہ صرف حکومت کی شکل تبدیل ہو جائے گی بلکہ حق کی حکومت کی جگہ غاصب حکومت لے گی اور ایسی حکومت کو اسلامی حکومت کہنا کسی طور پر بھی صحیح نہیں ہے۔ امام خمینی کہتے ہیں:

''ہم اس اعتقادی اصول (توحید) سے انسان کی آزادی کا اصول سیکھتے ہیں کہ کوئی شخص بھی یہ حق نہیں رکھتا کہ ایک فرد، معاشرے یا قوم کو اس کی آزادی سے محروم کرے اس کے لئے قوانین بنائے اور اس کے روابط اور کردار کو اپنی ناقص سوچ یا اپنے میلان اور چاہت کے مطابق ترتیب دے۔ ہم اس اصول کی بناء پر یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ ترقی کی خاطر قانون بنانا صرف خداوند متعالی کے ہاتھ میں ہے۔ جیسا کہ خلقت اور ہستی کے قوانین کو بھی خدا نے معین کیا ہے۔ انسان اور انسانی معاشروں کا کمال اور ان کی سعادت صرف اور صرف ان الٰہی قوانین کی اطاعت میں ہے جو انبیاءؑ کے وسیلے سے انسان تک پہنچے ہیں۔ انسان کے سقوط اور اس کے زوال کا باعث اس کی آزادی کا چھین جانا اور اس کا دوسرے انسانوں کے لئے سر تسلیم خم کر لینا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ غلامی کی ان زنجیروں اور اپنی غلامی کی طرف دعوت دینے والے انسانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہو اور خود اپنے معاشرے کو آزاد کروائے تاکہ سب کے سب خدا کے بندے بن جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرتی قوانین آمرانہ اور استعماری قوتوں

کے خلاف ہیں۔"(۱۹)

امام خمینی اپنے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں:

"اسلام اور اسلامی حکومت مظہر خداوندی ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے فرزندان اسلام کو دنیا و آخرت کی اعلیٰ ترین سعادت حاصل ہو جائے گی اور وہ اس بات پر قادر ہے کہ ظلم و ستم، لوٹ مار، بدعنوانیوں اور جارحیتیوں کا قلع قمع کر کے انسانوں کو کمال مطلوب تک پہنچا دے۔ یہ ایک ایسا مکتب توحید ہے جو دوسرے مکاتب فکر کے مراکز انسان کے انفرادی، اجتماعی، مادی، معنوی، ثقافتی، سیاسی، فوجی اور اقتصادی شعبوں میں دخیل ہے اور ان پر نظر رکھتا ہے اور اس نے انسان اور معاشرے کی تربیت اور مادی و معنوی ارتقاء کے سلسلے میں معمولی سے معمولی نکتے کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔"(۲۰)

امام خمینی کا تصور اتحاد و یکجہتی:

اس سلسلے میں امام خمینی کے تصور کو بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کے لحاظ سے اس کا مختصر جائزہ لیا جائے۔ بنی نوع انسان میں اتحاد، وحدت کلمہ، وحدانیت واخوت والفت کا فروغ ہی دین اسلام میں ہدف ہے۔ اسی لئے پیغمبر اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب اپنی رسالت کے مرکز مسجد نبوی کی تعمیر کا مرحلہ طے کر لیا تو سب سے پہلے مہاجرین اور انصار سمیت تمام مسلمانوں کے درمیان اخوت و برادری کا رشتہ قائم کر کے "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" کی عملی تفسیر پیش کی۔ اسی وحدت اور توحید کے ذریعے جزیرہ نما عرب میں ایک مختصر سے عرصے کے دوران اپنے زمانے کیلئے ان علماء و اکابرین کا طبقہ ابھر کر سامنا آیا جو اتحاد و یگانگت کی بنیاد اور انسانی معاشروں کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی حیات کو ساحل نجات تک پہنچانے والا ناخدا ثابت ہوا۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھا اور مسلمانوں کا غیر متزلزل اتحاد و اتفاق ہی تھا جس کے پیش نظر ایران کے بادشاہ یزدگرد سوم نے جب مسلمانوں کے خلاف چین کے بادشاہ سے امداد طلب کی تو چین کے بادشاہ نے دعوت اسلام کی پختگی اور امت مسلمہ کے اتحاد سے متعلق ملنے والی اطلاعات کی بنیاد پر یزدگرد سوم کو یہ جواب دیا تھا کہ:

"یہ (مسلمان) قوم وہ ہے جیسا کہ میں نے اس کے بارے میں سنا ہے اگر ارادہ کرے تو پہاڑوں تک کو نابود کر سکتی ہے۔ یہ قوم اس وقت تک ہمیشہ کامیابی سے ہمکنار ہوتی رہے گی جب تک وہ حلال چیزوں کو اپنے لئے حرام اور حرام چیزوں کو خود پر حلال نہ کرے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ان کے معاملے میں صلح و آشتی کے سہارے سے کام لو۔"(۲۱)

اسلام دین فطرت ہے اور اس کی اساس توحید اور کلمہ وحدت ہے۔ لہٰذا اس کے مطابق انسان کا معاشرتی تکامل در حقیقت ایک فطری عمل ہے۔ اسلام کی بقاء کا راز سنن الٰہی کی بقاء ہے جو فطرت اور سنت ہستی کے درمیان ارتباط کو برقرار رکھے ہوئی ہے۔ اسی لئے اسلام نے انسان کو اس کی معاشرتی ہم بستگی اور مشترکہ ذمہ داریوں کی طرف خصوصیت سے متوجہ کیا ہے۔ نیز ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی مسلمان قرآن وسنت کے اصول سے روگردانی کرتے ہوئے تفرقہ واختلاف کا شکار ہوئے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کے حکم قرآنی سے عدول کیا امت مسلمہ ضعف وانحطاط اور پستی وزوال سے دوچار ہوئی۔

اتحاد ویکجہتی اور تفرقہ وانتشار کے عواقب ونتائج کے اس تجزیئے کے بعد ضروری ہے کہ ہم سرزمین ایران میں ۲۵ سو سالہ شہنشاہیت کا تخت الٹ کر اسلامی انقلاب کی قیادت کرنے والے امام خمینیؒ کے نظریات کا تجزیہ کریں۔ کیونکہ اس انقلاب میں آپ کے اتحاد ویکجہتی کا نظریہ بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اتحاد کی دعوت امام خمینیؒ کے پیغامات اور خطابات کے ایک اہم حصے پر مشتمل ہے۔ امام خمینیؒ قرآنی آیات اور روایات کی روشنی میں وحدت اور اتحاد کی دعوت دیتے ہیں۔ آج سے ستاون سال قبل انہوں نے اپنے سب سے پہلے اہم بیان کی ابتداء قرآن مجید کی اس آیت مجیدہ سے کی تھی۔ ''قُلْ اِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ أَن تَقُومُوا لِلّٰهِ مَثْنَى وَفُرَادَى۔ (۲۲) (اے رسول) تم کہہ دو کہ میں نے تم کو نصیحت کی بس ایک بات کہتا ہوں (وہ) یہ (ہے) کہ تم لوگ محض خدا کے واسطے ایک ایک اور دو دو اٹھ کھڑے ہوں۔'' اپنے اس بیان میں انہوں نے امت اسلامیہ کے درمیان وحدت واتحاد کے عملی وجود کو لازمی قرار دیا تھا۔

امام خمینیؒ اتحاد کو خداوند عالم کی پہلی اور سب سے بڑی رحمت سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ رحمت وبرکت خداوندی کے بغیر وحدت واتحاد حاصل نہیں ہوگی یہی وجہ ہے کہ آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم لوگوں کو اس بات کی بھرپور کوشش کرتے رہنا چاہئے کہ ہمارے درمیان خداوند عالم کی اس رحمت ونعمت کو دوام حاصل رہے اور اس کوشش کی پہلی منزل یہ ہے کہ ہم لوگ الٰہی ہو جائیں۔ آپ کے خیال میں اگر اس ابتدائی مرحلہ پر لوگ ثابت قدم رہیں تو دوسرا مرحلہ اتحاد خود بخود طے ہو جائے گا۔ کیونکہ آپ تفرقہ واختلاف کو شیطان کا کام اور وحدت واتحاد کے تعلق کو رحمٰن سے قرار دیتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں:

> ''اگر جملہ انبیاء علیہم السلام ایک وقت میں ایک جگہ پر جمع ہو جائیں تو ان کے درمیان کوئی جھگڑا اور اختلاف نہ ہوگا کیونکہ وہ لوگ نفس پر مسلط اور خداوند عالم کے مطیع وفرمانبردار ہیں۔'' (۲۳)

امام خمینیؒ کی فکر میں اختلاف شیطانی چیز ہے۔ آپ قرآن کریم کی سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۳

''وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعاً وَلَا تَفَرَّقُوا'' کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

کچھ لوگ آپ اور قوم کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے کے درپے ہیں اور آپ اور ملت کے کسی گروہ کے خلاف یا ملت کے خلاف دعوت دے رہے ہیں تو جان لیں کہ یہ دعوت اسلام کی دعوت کے برخلاف ہے۔ انبیاء الٰہی کی دعوت کے برخلاف ہے، اللہ کی دعوت کے برخلاف ہے کہ جو آپ کو ہمہ گیر اتحاد کی دعوت دیتا ہے۔ (۲۴)

امام خمینی اتحاد کو ہر فرد مسلمان کا شرعی اور مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں اس سلسلے میں علماء و دانشوروں اور اسلامی علاقوں کے حاکموں کی ذمہ داری دوسروں سے زیادہ ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ ان کے اکثر خصوصی بیانات اور اہم پیغامات اسی سلسلے میں صادر ہوتے رہے۔ امام خمینی علماء کے اتحاد کو اس طرح دیکھتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کے اتحاد سے خاص طور پر علماء اعلام کے اتحاد سے دشمنوں اور مخالفوں کی صفیں الٹ جائینگی اور پھر وہ اسلامی ممالک پر جارحیت کی فکر میں نہیں پڑیں گے۔

آپ مزید کہتے ہیں ''اولین شرعی والٰہی فریضہ یہ ہے کہ انقلابی، دینی طلباء اور علماء کے اتحاد و یگانگت کو باقی رکھا جائے ورنہ شب تاریک سامنے ہے اور خطرے کی مہریں اور گرداب اردگرد ہیں۔ آج کوئی ایسی شرعی و عقلی دلیل موجود نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر سلیقے، سمجھ، یہاں تک کہ ضعف انتظامی کا اختلاف فرض شناسی، دینی طلباء اور علماء کی باہمی الفت و وحدت ختم ہو جانے کا باعث بنے۔ (۲۵)

واضح رہے کہ شاہ کے دور میں اہم اور حساس منصوبوں میں سے ایک یونیورسٹیوں اور دینی علوم کے طلباء کے درمیان اختلاف پیدا کرنا تھا۔ سب اسی بات پر متفق تھے کہ ان دو اصناف کا اتحاد شاہی حکومت کے لئے عظیم خطرات کا باعث ہوگا۔ یہی وجہ تھی شاہی کارندوں نے جدت پسندی کے نام سے ایک نئی سوچ کی یلغار اور ان مغربی کتابوں کی طرف جن کا ہدف مذہب کی مذمت اور شرک والحاد کی ترویج تھی توجہ مبذول کرادی اس وجہ سے روز بروز یونیورسٹی کے طالب علموں اور علوم دین کے طلباء کے درمیان خلیج بڑھ رہی تھی جس کے نتیجے میں امام خمینی کے حامی علماء اور یونیورسٹیوں سے مربوط افراد کے اتحاد کے سلسلے میں ارادے اور اقدامات بھی بے نتیجہ ثابت ہو رہے تھے۔

امام خمینی نے ان موقعوں پر دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے درمیان اتحاد کو انقلابی لوگوں کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے قرار دیا۔ ۴ اپریل ۱۹۶۸ء میں جس وقت امام خمینی عراق میں تھے بصرہ یونیورسٹی کے بعض طلباء امام خمینی سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے مستقبل میں ان کی ذمہ داریوں پر زور دیتے ہوئے اس کی بات کی طرف توجہ دی کہ استعمار کے گماشتے جب ہمارے (علماء کے) پاس پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں نوجوان تعلیم یافتہ نسل

اور یونیورسٹیوں کے طلباء خراب ہو چکے ہیں۔ اپنے مذہبی وملی نظریات سے ہاتھ دھو چکے ہیں بے راہ روی کا شکار ہو چکے ہیں اور غیروں کی تقلید میں لگ گئے ہیں اور جب وہ آپ (یونیورسٹی کے طالب علموں) کے پاس پہنچتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ مراجع اور علماء تو ہم پرست اور رجعت پسند ہیں۔ زمانے کے تقاضوں کو نہیں جانتے ان کی پیروی کا مقصد پیچھے کی طرف لوٹ جانے اور پسماندگی کے علاوہ کچھ نہیں، ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ان متعصب اور رجعت پسند عناصر نیز ان کے نظریات سے دوری اختیار کریں۔ یہاں ہماری اور آپ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ تفرقے کا بیج بونے والوں کی کوششوں اور خواہشات کے برخلاف ہم اپنے معنوی وفکری ارتباط کو مستحکم تر بنائیں اور ہر صورت میں ایک دوسرے کے سمجھنے کی کوشش کریں۔ امام خمینی نے اس ملاقات میں طلاب علوم دینی اور یونیورسٹیوں کے طلباء دونوں طبقوں کو ظلم کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ مراکز علوم دینی اور یونیورسٹیوں کے درمیان اتحاد پر زور دیتے ہوئے خبردار کیا:

''اگر آپ آمادہ نہ ہوں اور استقامت کا مظاہرہ نہ کریں تو خود بھی ختم ہوجائیں گے اور احکام دین کا بھی خاتمہ ہوجائے گا اس کی ذمہ داری آپ کے اوپر آئے گی۔'' (۲۶)

اسی طرح امام خمینی اپنے وصیت نامہ میں تحریر کرتے ہیں:

''رضا خان کے زمانہ میں دباؤ، تشدد، لباس، قید و بند، شہر بدری یا جلا وطنی، بے عزتی نیز دیگر مشابہ طریقوں سے جاری رہا اور محمد رضا کے دور میں دوسرے طریقوں منصوبوں کے ساتھ جن میں سے ایک کالج یونیورسٹی والوں اور علماء کے درمیان دشمنی پیدا کرنا تھا۔ اس لئے ایک طرف یہ کوشش کی گئی کہ پرائمری اسکولوں سے لے کر یونیورسٹیوں تک کے مدرسین، اساتذہ اور وائس چانسلرز مغرب یا مشرق زدہ، اسلام اور دیگر مذاہب سے منحرف لوگوں میں سے منتخب ہو کر کام پر مامور ہوں اور ایماندار فرض شناس لوگ اقلیت میں رہ جائیں تا کہ آنے والے وقت میں حکومت کی باگ دوڑ سنبھالنے والے اس موثر طبقہ کی پرورش بچپن سے لڑکپن اور پھر جوانی تک اس انداز سے کریں کہ عام طور پر ادیان سے اور بالخصوص اسلام اور دین سے وابستہ لوگوں، خاص طور پر علماء ومبلغین سے متنفر ہوں۔ دوسری جانب غلط پروپیگنڈوں کے ذریعے علماء مبلغین اور دیانتدار لوگوں کو یونیورسٹیوں اور دانشوروں سے ڈرا کر سب پر بے دینی، اسلام اور مذاہب کے مظاہر کی مخالفت کا الزام لگاتے تھے تا کہ نتیجہ یہ ہو کہ حکومتی عہدیدار، مذاہب، اسلام، علماء، اور دینداروں کے مخالف اور عام لوگ جو دین اور علماء سے عقیدت رکھتے ہیں کابینہ،

حکومت اور اس کے متعلقہ ہر شے کے مخالف ہو جائیں نیز حکومت، عوام، دانشوروں اور علماء کے درمیان گہرے اختلافات، غارت گروں کے لئے اس طرح راستہ ہموار کریں کہ مملکت کے تمام معاملات ان کی گرفت میں ہوں۔'' (۲۷)

امام خمینی کی نظر میں عام مسلمانوں کی صرف اور صرف ایک جائے پناہ اسلام ہے۔ اسلام کے آن بان اور شان والے جھنڈے تلے ہی ہم اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔ شیعہ وسنی کے مسئلے کی جڑ اور سینوں کا ایک طرف اور شیعوں کا دوسری طرف ہونا ایک تو جہالت کی وجہ سے ہے دوسرا دشمنوں کے پروپیگنڈہ کی وجہ سے جیسا کہ خود شیعوں میں بھی مختلف اشخاص کو ایک دوسرے کے خلاف صف آراء کیا گیا۔ یہی صورت اہلسنت کی بھی ہے۔ ایک سنی گروہ کو دوسرے کے مقابل کھڑا کیا گیا ہے۔ کلمات قصار میں آپ کا یہ بیان موجود ہے کہ ''اسلام کے اندر شیعہ اور سنی، کرد اور فارس (کا مسئلہ) نہیں ہے۔ ہم سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔'' (۲۸) امام خمینی مزید کہتے ہیں:

''غیروں کے گماشتوں نے اپنے اور اپنے آقاؤں کے مفاد کو خطرے میں دیکھ کر اہل سنت بھائیوں کو بھڑکانے اور بھائی کے ہاتھوں بھائی کا گلا کٹوانے کے لئے شیعہ سنی فتنہ کھڑا کیا ہے اور اسی شیطانی حربے سے بھائیوں کے درمیان اختلافات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ ایران میں سنی شیعہ بھائی مساوی حقوق کی بنیاد پر مل جل کر رہتے ہیں جو بھی اس حقیقت کے خلاف مذموم پراپیگنڈہ کرے وہ اسلام اور ایران کا دشمن ہے۔ آپ کو چاہئے کہ اس زہریلے پروپیگنڈے کو بے اثر بنائیں۔'' (۲۹)

آپ کی سوچ میں جو لوگ سنی اور شیعہ بھائیوں میں رخنہ اندازی کرتے ہیں وہ اسلام سے دشمنی کرتے ہیں اور اسلام دشمن عناصر کے کاموں کو پروان چڑھاتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کفار حکومت کریں۔ یہ لوگ امریکہ اور روس کے آدمی ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کی جانب سے جاری رکھی گئی اتحاد کی مسلسل کوششوں کی وجہ سے ایران میں شیعہ اور سنی دونوں فرقے اسلامی انقلاب لانے میں کامیاب ہوئے۔ ایک جگہ امام خمینی نے شیعہ برادری کو براہ راست متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ:

''ضروری ہے کہ ایران اور دوسرے ممالک کے تمام شیعہ ایسی تمام جاہلانہ حرکات سے باز رہیں جن سے مسلمانوں کی صفوں میں تفرقہ ڈالا جا سکتا ہو۔ ضروری ہے کہ سنی بھائیوں کے ساتھ نماز جماعت ادا کی جائے۔ ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ اور خلاف شریعت

اقدامات سے پرہیز کیا جائے۔" (۳۰)

۲۲ جولائی ۱۹۸۰ء کو امام خمینی نے اپنے خطاب میں کہا:

"کچھ مسلمان شیعہ ہیں، کچھ سنی ہیں، کچھ حنفی ہیں، کچھ حنبلی ہیں اور کچھ اہل حدیث، اصلاً اس طرح کی تقسیم اول ہی سے درست نہ تھی۔ ایک ایسے معاشرے میں کہ جہاں سب اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو ان مسائل کو اٹھنا ہی نہیں چاہئے۔ ہم سب بھائی ہیں اور سب اکٹھے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ آپ کے علماء نے کوئی فتوی دیا اور آپ نے اپنے علماء کی تقلید کی اور آپ حنفی ہو گئے۔ بعض نے شافعی کے فتوے پر عمل کیا اور ایک گروہ نے حضرت صادق کے فتوے پر عمل کیا وہ شیعہ ہو گئے۔ یہ دلیل اختلاف نہیں ہے۔ ہمیں آپس میں اختلاف و تضاد نہیں رکھنا چاہئے۔ ہم سب آپس میں بھائی ہیں۔ شیعہ و سنی بھائیوں کو ہر اختلاف سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (۳۱) اتحاد کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: "ہم سب مسلمان ہیں۔ ہم سب اہل قرآن ہیں، ہم سب اہل توحید ہیں اور چاہئے کہ قرآن اور توحید کے لئے زحمت اٹھائیں اور خدمت کریں۔" (۳۲)

اسلامی فرقوں کے بارے میں امام خمینی کی نظری و عملی سیرت آیت کریمہ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" پر استوار ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اپنے تاریخی پیغامات میں تمام شیعہ و سنی مسلمانوں کو مخاطب قرار دیتے ہیں، جب اسلامی حکومت بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں، اہل سنت کو مسلمان بہنوں اور بھائیوں سے تعبیر کرتے ہیں نہ کہ دینی اقلیتیں۔ اسلامی فرقوں کے درمیان اتحاد و یکجہتی پر امام خمینی کے نظریئے کا ایک پہلو ہفتہ وحدت کی تشکیل و تعیین ہے۔ ربیع الاول کے مہینے میں حضرت رسول اکرمؐ کے میلاد کی مناسبت سے دو مختلف تاریخوں میں جشن ولادت کا انعقاد نہ صرف کہ اس کے شایان شان نہیں تھا بلکہ یہ چیز مسلمانوں کے اختلاف کا مظہر تھی۔ بعض مسلمان صرف ۱۲ ربیع الاول کو جشن عید میلاد النبی ﷺ مناتے تھے اور بعض صرف ۱۷ ربیع الاول کو اور یہ ناپسندیدہ سلسلہ یوں جاری رہا یہاں تک کہ امام خمینی کی رہبری میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے ساتھ ۱۲ ربیع الاول سے ۱۷ ربیع الاول تک کا ہفتہ ہر سال ہفتہ وحدت کے عنوان سے منائے جانے کا اعلان ہوا، اور دنیا بھر کے مسلمانوں نے اس ہفتے سے ہم آہنگ ہو کر پیغمبر اسلام کے مبارک نام سے منایا۔ پہلا ہفتہ وحدت ۱۹۸۱ء میں منایا گیا۔ اسی سال ایک کانفرس تہران میں منعقد ہوئی جس میں شیعہ سنی دونوں طرفین کے زعماء نے شرکت کی اور امام خمینی نے خصوصی طور پر شرکائے کانفرنس سے خطاب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی امام خمینی کے اس عمل کی پیروی کرتے ہوئے ہر سال ہفتہ وحدت منایا جاتا ہے۔ ۱۳۶۶ش (۱۹۸۸ء) اور ۱۳۶۷ش (۱۹۸۹ء) میں پہلی اور دوسری عالمی وحدت اسلامی کانفرس منعقد ہوئی جس میں وسیع پیمانے پر علمائے اسلام نے شرکت کی یہاں تک کہ ۱۳۶۸ش (۱۹۹۰ء) میں امام

خمینی کے شاگرد اور آپ کے حقیقی جانشین آیت اللہ خامنہ ای کے ہاتھوں ''مجمع دار التقریب مذاہب اسلامی'' کی تشکیل ہوئی۔(۳۳)

ملت ایران کے اتحاد کی وجہ سے اس سرزمین سے مغرب زدہ لوگوں کو ایران چھوڑنا پڑا اور افغانستان میں مسلمانوں کے اتحاد عظیم نے اشتراکی قوت کو پاش پاش کر دیا۔

ملک کی جغرافیائی سرحدوں کے اندر قومی اتحاد کے سلسلے میں امام خمینی معاشرہ کے تمام طبقوں، جماعتوں اور گروہوں کے درمیان مستحکم اتحاد کو کامیابی کی راہ میں پہلا قدم مانتے تھے اسی وجہ سے وہ اپنے خطبوں اور بیانات میں دینی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں سے وابستہ لوگوں کے درمیان اتحاد کو معاشرہ کے دیگر طبقوں کے درمیان اتحاد کا وسیلہ مانتے تھے۔علماء کرام اور یونیورسٹیوں سے وابستہ افراد کے درمیان اتحاد کے ساتھ ساتھ آپ علماء اور عوام افراد فہم و دانش اور عوام انتظامی و فوجی جماعت اور عوام حکومت اور پارلیمنٹ عدلیہ اور انتظامیہ اور نفاذیہ اداروں کے درمیان زمینی اور ہوائی افواج کے درمیان اور مختلف النوع قومی تنظیموں کے درمیان اتحاد پر بہت زور دیتے ہیں۔امام خمینی اختلاف علماء کو اختلاف ملت سمجھتے ہیں ۲۲ فروری ۱۹۸۸ء کو مراجع کے نام اپنے پیغام میں آپ نے کہا:

''علماء کا اختلاف ملت کا اختلاف ہوتا ہے۔افراد کا اختلاف نہیں ہوتا،ایک عالم جو ایک شہر میں اثر رکھتا ہے لوگوں کی آنکھیں اور کان اس کی طرف ہیں اور دوسرا عالم جو اسی کی طرح ہوتا ہے سے اگر ان دونوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اس اختلاف کو جمعہ و جماعت اور دیگر عوامی جگہوں پر لے جائے تو یہ ایسا نہیں ہے جیسے زید اور عمرو کا اختلاف ہو۔یہ ایسا اختلاف ہے کہ جو ہر شہر کو دو حصے میں بانٹ دیتا ہے، اس کے دو حصے کر دیتا ہے۔ایک حصہ اس طرف اور دوسرا حصہ اس طرف، پھر آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے۔ہمارے دشمنوں کا بھی حوصلہ بہت زیادہ ہے۔ پچاس سال آئندہ کے لئے اس وقت منصوبہ بناتے ہیں اور اسی طرح آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے یہ خرابی زیادہ ہوتی رہتی ہے تا کہ ایک دن تیار ہو جائے تو خود ملک کے اندر ان کے ایجنٹوں کے ہاتھوں پھٹ پڑے ہمیں اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔''(۳۴)

امام خمینی نے ۳۰ مئی ۱۹۸۴ کو ایرانی پارلیمنٹ کے ارکین سے ملاقات کے موقع پر اختلافات کے نتیجہ کو اس طرح بیان کیا:

پارلیمنٹ کے اراکین یہ گمان نہ کریں کہ وہ جس ایک مجلس (پارلیمنٹ) میں بات کر رہے ہیں۔ائمہ جمعہ یہ

خیال نہ کریں کہ وہ ایک محدود مقام پر بات کر رہے ہیں۔ آج حدیں ختم ہو چکی ہیں۔ دیواریں گر چکی ہیں۔ کل اگر کسی مجلس میں کوئی بات کرتا تھا مثلاً جمعہ، جماعت کے مقام پر کچھ کہتا تھا تو وہ بات ایک محدود جمعیت میں ہوتی تھی اور ختم ہو جاتی تھی۔ آج آپ سب جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ خصوصاً ایران میں کہ جہاں پارلیمنٹ کی کاروائی براہ راست دیکھی جاتی ہے۔ ایسی صورت حال میں ہماری ذمہ داری بہت زیادہ ہے۔ اگر انحرافات پیدا ہو گئے تو یہ انحرافات محدود نہ ہونگے بلکہ غیر محدود ہونگے۔ اگر اندرونی اختلافات پیدا ہو گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ شکست کھائیں گے۔ (۳۵) لہٰذا علماء اور پارلیمنٹ کے اراکین کا فرض آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ متحد ہو کر اسلام دشمن طاقتوں کا مقابلہ کریں۔ امام خمینی کے خیال میں مغرب و مشرق کی عظیم طاقتوں کے مقابلے اسلامی انقلاب ایران کی کامیابی کا اتحاد ہے جسے آپ اپنی وصیت نامہ میں اس طرح تحریر کرتے ہیں:

''بلا شبہ اسلامی انقلاب کی بقاء کا راز وہی ہے جو اس کی کامیابی کا راز ہے اور قوم کامیابی کے راز سے آگاہ ہے۔ اس کے دو بنیادی رکن خدائی محرک، اسلامی حکومت کی بلند منزل اور اس منزل کے حصول کیلئے ملک بھر کے عوام کا وحدت کلمہ کے ساتھ اتحاد و اتفاق ہیں۔'' (۳۶)

۳ فروری ۱۹۷۸ کو علماء کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے پھر اتحاد کی تاکید کی اور کہا:

''علمائے اسلام اور دیگر گروہوں میں پیدا ہونے والی وحدت کلمہ کے باعث ایک قوم اٹھ کھڑی ہوئی اور اس وحدت کلمہ کی پیروی کے ذریعے قوم نے سب سے بڑی طاقتوں کو زمین پر دے مارا۔ سب توپوں اور ٹینکوں کو زمین بوس کر دیا۔ رضا شاہ ایک طاقت ور شخص تھا۔ روس اس کا حامی تھا۔ امریکہ اسکا حامی تھا۔ برطانیہ اس کا حامی تھا، سب اسلامی حکومتیں اس کی حامی تھیں، چین اس کا حامی تھا الغرض سب اس کے حامی تھے بڑی طاقتوں سے لے کر چھوٹی طاقتوں تک سب اس کی حامی تھیں آپ نے اس بڑی طاقت کے سامنے قیام کیا کہ جو آپ کا سب کچھ ہڑپ کیے بیٹھی تھی۔ کیوں کہ آپ میں وحدت کلمہ تھی۔ لہٰذا آپ نے اپنے مکوں سے ٹینکوں کو کمزور کر دکھایا۔ خون سے شمشیر پر غلبہ پالیا۔ وہ تخت سے گرا اور فرار کر گیا۔'' (۳۷)

جس طرح امام خمینی نے اتحاد کی اہمیت و ضرورت پر زور دیا ہے اس طرح آپ نے اتحاد کے لوازم کی نشاندہی بھی کی ہے۔ کیونکہ آپ کی نظر میں مناسب و سازگار ماحول کے بغیر اتحاد کی تشکیل ایک امر محال ہے اور اگر اتحاد قائم ہو گیا تو وہ مستحکم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اتحاد کے عقیدتی اصولوں کا ذکر کرنے کے بعد ہم امام خمینی کے بیٹے سید احمد خمینی نے امام خمینی کے افکار کی روشنی میں تشکیل و تحکیم اتحاد کے لئے جن بنیادی اسباب و عوامل اور لازمی عناصر کی طرف تفصیلی اشارہ کیا ان کا اجمالی تجزیہ پیش کریں گے۔

۱۔ غیر معمولی حد تک خودسازی کا اہتمام اور ذاتی وسماجی زندگی میں معنوی قدروں اور اعلی اخلاقی معیاروں کی پیروی۔

۲۔ سلیقوں کے درمیان اختلاف کا تحمل، آزادی فکر، دفاع اور ایسی ثقافتی وسیاسی تشکیلات کی حمایت جس پر امت اسلامیہ کے درمیان اتفاق پایا جاتا ہے۔

۳۔ طرفین کے درمیان اتحاد کے سلسلے میں رخنہ اندازی اور غلط فہمی پیدا کرنے والوں کے سلسلے میں پوری توجہ اور ہوشیاری سے کام لینا اور عوام کو بھی ان تفرقہ عناصر کی کرتوتوں سے باخبر رکھنا۔

۴۔ نا قابل حل سیاسی وسماجی مسائل ومشکلات کو حل کرنے میں اتحاد کے معجزہ آفریں کردار کے سلسلے میں گہرا اعتقاد و مکمل اعتماد۔

۵۔ اتحاد کا بھرپور احترام کرتے ہوئے اصولی موقف اور منطقی اقدار و معتقدات کا تحفظ۔

۶۔ دینی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں کے نظام اور طریقہ تحقیق کے درمیان موجود بنیادی اختلافات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے معاشرہ کے بنیادی مسائل کو سمجھنے کے لئے مشترکہ زبان کا انتخاب اور اختلافات سے پرہیز۔

۷۔ مشترکہ پہلوؤں کی زیادہ سے زیادہ تلاش اور بنیادی باتوں میں نظریاتی اختلافات کو کم کرنے کی بھرپور کوشش اس کام کے لئے فقط علمی مناظرہ مباحثہ کی تشکیل اور عوام الناس کو ان کی علمی اور ثقافتی اختلافات سے دور رکھنا نیز ان مسائل کو حل کرنے کے لئے فقط علمی، اجتماعی اور مناسب و پسندیدہ عقلی راہ وروش کا استعمال۔

۸۔ توحیدی اور وحدت آمیز ثقافت کا اسلامی معاشروں میں احیاء اور مذہب اسلام کے مختلف عبادی، سیاسی اور سماجی احکام میں اتحاد کے مظاہر اور نمونوں کی طرف ملت اسلامیہ کو متوجہ کرنا مثلاً نماز جمعہ و جماعت اور حج جیسی عظیم اسلامی اجتماعات کے فلسفہ پر محققانہ غور وفکر، مسلمانوں کو باہمی تعاون کی طرف راغب کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو تمام مسلمانوں کا ذاتی فریضہ قرار دیتے رہنا۔

۹۔ امت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو اسلام کے درمیان ماضی سے مطلع رکھتے ہوئے موجودہ صدی میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب سے بھی بخوبی آگاہ رکھنا۔

۱۰۔ اکثر اسلامی معاشروں پر مسلط مغربیت کی تردید اور خود اعتمادی کی ترویج واشاعت کو بنیاد قرار دیتے ہوئے دنیائے اسلام کی ثقافتی تحریک کو وسعت و عالمی مقبولیت کے لئے لازمی جدجہد جاری رکھنا۔

۱۱۔ حقیقی دشمنوں کی شناخت اور دشمن تراشی سے اجتناب و پرہیز۔

۱۲۔ اتحاد کے دشمنوں کے خلاف یقینی کامیابی کے لئے جہاد و شہادت پسندی پر مشتمل ثقافت کی تبلیغ و ترویج۔

۱۳۔ خرافات اور تفرقہ انگیزی کی مکمل روک تھام جو نا واقف اور خود غرض عناصر کے ذریعہ دینی اور مذہبی رسومات کا جزو بن گئی ہیں اور یہ خرافات طویل مدت گزرنے کے باوجود مسلمان قوموں اور قبیلوں کی روایتی ثقافت کا بنیادی رنگ و روپ اختیار کر چکی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کے درمیان موجود اندھے تعصب کو کم کرنے کی بھرپور کوشش۔

۱۴۔ وحدت و اتحاد کے منادیوں کے قول و عمل کے درمیان یکسانیت نیز اتحاد کو اپنا نصب العین قرار دینے والی حکومت سے وابستہ افراد و حکام کے قول و فعل میں بھی یکسانیت کو برقرار رکھنا۔

مزید برآں امام خمینی نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو مستحکم بنانے کے لئے فلسطینی مسلمانوں کے حقوق کی بھرپور حمایت کی۔

امام خمینی فلسطین سمیت تمام اسلامی ممالک کی مصیبتوں کا راز ایک بات پر متفق نہ ہونے اور عدم ہم آہنگی کو سمجھتے ہیں۔ تاہم اس کے بارے میں آپ کے نظریات کی وضاحت کرنے سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ فلسطین کا تاریخی پس منظر اور اسرائیل کے وجود کے بارے میں مختصر تجزیہ کریں تاکہ فلسطینی مسلمانوں کی مشکلات کے حل کیلئے اتحاد کی ضرورت پر امام خمینی کے نظریات کی وضاحت ہو جائے۔

فلسطین کی سرزمین جس کا پرانا نام کنعان تھا ۲۵۰۰۰ مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔(۳۸) فلسطین بحرابیض متوسط کے مشرقی ساحل، مصر، شام، اردن، اور لبنان کے ساتھ واقع ہے فلسطین کا علاقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبروں کے ظہور اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مسکن ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے بھی یہ جگہ بہت حساس اور اہمیت کی حامل ہے۔

پرانا یروشلم یا بیت المقدس پہاڑوں پر بنایا گیا تھا جو کوہ موریا کے اوپر یہود کے معبد کے ساتھ واقع ہے بیت المقدس فلسطین کے اہم مقامات میں سے ہے۔

بعثتِ اسلام سے لے کر ہجرت کے دوسرے سال تک بیت المقدس مسلمانوں کا پہلا قبلہ تھا۔ لیکن مدینہ میں ہجرت کے دوسرے سال مدینہ کی مسجد بنی مسلمہ میں خدا کے حکم سے مسلمانوں کا قبلہ مسجد الاقصیٰ سے مسجد الحرام کی طرف تبدیل ہو گیا۔ تاہم اللہ کے حکم سے پیغمبر اسلامؐ نے مسجد بنی مسلمہ میں قبلہ کا رُخ بیت المقدس کی طرف کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

نومبر ۱۹۱۷ء میں برطانوی کابینہ میں فلسطین کی سرزمین پر ''قومی مرکز برائے یہود'' بنانے کی تجویز پاس کی

گئی۔ پہلی جنگ عظیم کے اواخر میں صہیونی تنظیموں سے وابستہ یہودی لشکر نے فلسطین کے کچھ حصہ پر قبضہ کرلیا جس کا عربوں پر برا اثر پڑا۔ پہلے سے بھی فلسطین میں چھوٹے چھوٹے یہودی گروہوں کو مستعمرہ نشین (کرایہ پر رہنے والے) افراد کے طور پر ٹھہرایا گیا تھا جو مقامی عربوں کی اراضی کو خرید کر کھیت بنا دیتے تھے۔ ۲۵ اپریل ۱۹۲۰ء میں اتحادیوں اور اقوام متحدہ نے قانونی طور پر فلسطین کی نظامت (سرپرستی) کو حکومت برطانیہ کے حوالے کر دیا اور اسے مامور کیا گیا کہ یہودیوں کے لئے قومی مرکز کے قیام کے لئے فی الفور عملی اقدام کرے۔ (۳۹) اس زمانے میں فقط ۵۰ ہزار یہودی فلسطین میں آباد تھے لیکن جدید حکومت جو برطانیہ کی طرف سے ایک یہودی کو واگزار کی گئی تھی، کے ذریعہ (فلسطین کی طرف) یہودیوں کی ہجرت کا باب کھل گیا اور ان کی آبادی بڑھتی گئی۔ فلسطین میں خود مختار تجارتی، اقتصادی اور سماجی تنظیمیں تیزی کے ساتھ بن رہی تھیں جن کی مالی امداد دنیا کے مالدار یہودی کرتے تھے۔

ان حالات میں عرب ایک دوسرے سے دور اور تفرقے کا شکار تھے اور نعروں اور الفاظ کی حد سے بڑھ کر فلسطینیوں کی مدد نہیں کرتے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں فلسطینی عربوں اور مہاجر صہیونیوں کے درمیان پہلی مرتبہ خونی جھڑپ ہوئی اور صہیونیوں اور برطانیہ کے فوجیوں نے فلسطینیوں پر گولیاں برسا کر ۱۳۵ افراد کو قتل اور بہت سے لوگوں کو زخمی کیا یا گرفتار کرلیا کچھ لوگوں کو عمر قید کی سزا سنائی یا پھانسی دیدی۔ (۴۰)

۱۴ مئی ۱۹۴۸ء میں حکومت برطانیہ نے اپنے تسلط ختم کیا اور اپنی فوجیں جو فلسطین میں تھیں، سے باہر نکالیں۔ اسی روز تل ابیب میں قومی کونسل برائے یہود قائم ہوئی اور اسرائیل حکومت کے وجود کا اعلان کر دیا گیا۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس وقت کے امریکی صدر ٹرومن نے چند گھنٹے بعد اسرائیل کی نئی حکومت کو تسلیم کرلیا۔ برطانیہ نے بھی وہاں سے نکلتے وقت اپنے تمام جنگی وسائل ان کے اختیار میں دے دیئے تھے۔ (۴۱) اس دن سے لے کر آج تک صہیونیوں نے نہ صرف فلسطین کے تمام حصوں پر بلکہ بعض دیگر اسلامی سرزمینوں پر بھی قبضہ جما رکھا ہے۔ تقریباً ایک صدی پر محیط عرصہ فلسطینیوں کیلئے تلخ یادوں کا دورانیہ رہا ہے۔

امام خمینی اسرائیل کے وجود ہی کے مخالف تھے اسے غاصب سمجھتے تھے۔ اسرائیل کی حکومت نے ''نیل سے لے کر فرات تک'' قبضہ جمانے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے امریکہ کی حمایت کے ساتھ مئی ۱۹۶۷ء میں عرب ممالک (جن میں مصر شام اور اُردن شامل تھے) پر وسیع اور مکمل حملے کا آغاز کر دیا۔ چھ روزہ جنگ میں اپنے فوجی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اسرائیل نے ان تینوں ممالک کو شکست دی اور ان کی فضائی طاقت کو ختم کر دیا۔ (۴۲) اور اس دوران میں ان تینوں ملکوں کی فضائی طاقت کو ختم کر کے رکھ دیا۔

اس موقع پر امام خمینی نے ایک بار پھر مسلمان اقوام کو اتحاد و یگانگت کی دعوت دی۔ جب امام خمینی کو شاہی حکومت اور صہیونی حکومت کے درمیان سیاسی، فوجی اور اقتصادی میدانوں میں نزدیکی روابط کا بخوبی علم ہوا اور آپ کو معلوم ہوا کہ ایران، اسرائیل کی تیل کی ضروریات پوری کر رہا ہے تو اس موقع پر امام خمینی نے اسرائیل کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات اور تیل کے سودے کو ممنوع اور اس عمل کو اسلام کی مخالفت قرار دیا۔ اس موقع پر آپ نے کہا۔ ۱۹۶۷ء کو اپنے ایک بیان میں آپ نے کہا:

''یہ ناسور جو اسلامی ممالک کے دل میں استعماری طاقتوں کے بل بوتے پر وجود میں آیا ہے اور اس کی خطرناک جڑیں روز بروز اسلامی ممالک کی سلامتی کے لئے خطرے کی گھنٹی بجا رہی ہیں اسے اسلامی حکومتوں اور عظیم اسلامی اقوام کے عزم و تعاون کے ذریعے اکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے۔ اسرائیل کی مدد حرام ہے اور اسلام کے ساتھ دشمنی ہے اور یہ مدد خواہ اسلحے اور بارود کی فروخت کے ذریعے ہو یا تیل کی فروخت کی صورت میں، اسرائیل اور اس کے ایجنٹوں کے ساتھ تعلقات خواہ تجارتی ہو یا سیاسی، اسلام کی مخالفت اور حرام ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اسرائیلی چیزوں اور مصنوعات کا بائیکاٹ کریں۔'' (۴۳)

فلسطینی سنی مسلمانوں کے ساتھ اتحاد و یکجہتی کے لئے امام خمینی نے رمضان شریف کے آخری جمعے کو 'یوم القدس' قرار دیا اسی مناسبت سے آپ نے کہا:

''میں تمام دنیا کے مسلمانوں اور اسلامی حکومتوں سے اس غاصب (اسرائیل) اور اس کی پشت پناہی کرنے والوں کے ہاتھ کاٹنے کے لئے اتحاد و یکجہتی کا طلب گار ہوں۔ تمام مسلمانوں کو دعوت دیتا ہوں کہ رمضان شریف کے آخری جمعے کو جو ایام قدر میں سے ہے اور فلسطینیوں کے لئے تاریخ ساز دن بھی ہو سکتا ہے، یوم القدس قرار دیں اور اس روز عالمی سطح پر مسلمانوں کے قانونی حقوق کی حمایت کا اعلان کریں، خداوند تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ مسلمانوں کو اہل کفر پر غلبہ عنایت فرمائیں۔'' (۴۴)

اگر چہ ابھی تک اسلامی ممالک کے اقدامات کے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوئے لیکن ماہ رمضان کے آخری جمعے کو یوم القدس کے طور پر منانے سے صہیونیوں کے خلاف امت مسلمہ کے شدید غصے کا مظاہرہ ہوا اور مسلمانوں میں اتحاد و یکجہتی کے استحکام و ترقی کا باعث بنا۔ امام خمینی قدس کے دن کو اسلام کا دن قرار دیتے ہیں: ''قدس کا دن اسلام کا دن ہے۔ یوم القدس اسلام کو زندہ کرتا ہے اور قدس کے دن ہمیں اسلام کو زندہ کرنا چاہئے۔ (۴۵) امام

خمینی کے خیال میں ''اسلامی قوانین اسلامی ممالک میں نافذ ہوں۔ قدس کا دن وہ دن ہے کہ جس میں تمام سپر طاقتوں کو یہ پیغام دیں کہ اب اسلام تمہارے خبیث آلہ کاروں کے ماتحت نہیں رہے گا۔ قدس کا دن حیات اسلام کا دن ہے۔ مسلمانوں کو ہوش میں آنا چاہئے۔ وہ اپنی مادی اور معنوی طاقت کو سمجھیں، مسلمان ایک ارب ہیں۔ خداوند عالم کی پشت پناہی انہیں حاصل ہے اور اسلام ان کا حامی ہے۔'' (۴۶)

امام خمینی کی جانب سے قدس شریف اور فلسطین کے سنی مسلمانوں کے حقوق کے دفاع کی خاطر قدس کے عالمی دن کے اعلان سے شیعہ و سنی امت مسلمہ کی تقدیر پر آپ کی خاص توجہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ان کے بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف فلسطین اور قدس کی آزادی آپ کے پیش نظر نہیں تھی بلکہ دنیا بھر کے ایک ارب سے زائد مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی برقراری کا عظیم مقصد آپ کے مدنظر تھا، آپ کہتے ہیں:

> ''قدس کا دن فلسطین کا دن نہیں، اسلام کا دن ہے اسلامی حکومت کا دن ہے وہ دن ہے جس میں جمہوری اسلامی کا پرچم پورے عالم اسلام میں لہرانا چاہئے۔ وہ اسلامی ممالک میں قدم نہیں جما سکیں گی۔ میں قدس کے دن کو اسلام کا دن، رسول اکرمؐ کا دن سمجھتا ہوں یہ وہ دن ہے جس میں ہم کو اپنی تمام توانائیوں کو یکجا کرنا چاہئے اور مسلمانوں کو اس تنہائی سے باہر نکالنا چاہئے۔ جس میں انہیں مبتلا کر دیا گیا اور اپنی تمام طاقت کے ساتھ اغیار کے مقابلے میں ڈٹ جانا چاہئے۔'' (۴۷)

اسی طرح امام خمینی نے ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو اپنے ایک اور پیغام میں ہر مسلمان پر لازم قرار دیا کہ وہ اسرائیل کے خلاف تیاری کرے وہ پیغام یہ ہے:

> ''آج مسلمانوں کا قبلہ اول اس اسرائیل کے ہاتھوں میں ہے جو مشرق وسطیٰ میں کینسر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ آج ہمارے عزیز فلسطینی اور لبنانی بھائیوں کو پوری قوت سے کچل رہا ہے اور انہیں خاک و خون میں غلطاں کئے ہوئے ہیں۔ آج اسرائیل تمام شیطانی وسائل کے ذریعے تفرقہ پیدا کر رہا ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو اسرائیل کے خلاف تیار کرے۔'' (۴۸)

امام خمینی نے قدس کی آزادی کیلئے عملی اقدام کے طور پر یوم القدس کی بنیاد رکھی تا کہ اس دن دنیا کے تمام کلمہ گو اپنے قبلہ اول کی آزادی کیلئے تجدید عہد کر سکیں۔ آپ سب سے زیادہ اتحاد عالم اسلام کی تاکید کرتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ فلسطین سمیت عالم اسلام کے دیگر مسائل حل ہو سکے۔ اس سلسلے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ صرف

اور صرف ایک بھرپور اور ہمہ گیر جدوجہد کے نتیجے میں ہی ہم ایک بار پھر ''قدس'' کو اپنی عظمت رفتہ کی پہچان کا ذریعہ قرار دے سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں مسلسل جدوجہد ہی قدس کی آزادی کا اصل راستہ ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان قوم اب بھی متحد نظر نہیں آتی۔ اب بھی ایک دوسرے کے اختلافی جزئی مسائل کو تلاش کرتے ہوئے مزید انتشار کا باعث بن رہے ہیں۔ مولانا بدرالقادر مصباحی کی کتاب ''اسلام اور خمینی مذہب'' اور مولانا منظور نعمانی کی کتاب ''ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت'' اس کا واضح ثبوت ہے۔ کیونکہ دونوں حضرات نے مسئلہ امامت وخلافت پر بحث کرنے کے بعد امام خمینی کے نظریہ ولایت پر تنقید کرتے ہوئے امام خمینی کے اتحاد کی کوششوں کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے۔ حالانکہ امامت وخلافت کا مسئلہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے۔ آئندہ بھی رہے گا اور یہ جدید مسئلہ نہیں تھا کہ امام خمینی نے خود سے ایجاد کیا ہو۔ یہ عام اسلامی فرقہ بندی کا مسئلہ ہے۔ اسلام میں صرف شیعہ سنی کا مسئلہ نہیں بلکہ شاید ۷۲ سے بھی زیادہ فرقے ہیں ان میں سے ایک فرقہ شیعہ (فقہ جعفری) بھی ہے۔ لہٰذا امام خمینی کو ایک فقہ کا قائد سمجھ کر اس کے عالمگیر نظریات ختم کرنے کی کوشش ناانصافی ہوسکتی ہے۔ دوسرے آسمانی ادیان میں دیکھئے دین مسیحیت میں بھی کافی اختلافات ہیں بلکہ اسلامی فرقوں سے کئی گنا زیادہ بھی ہیں۔ لیکن جب اسلام کے مقابلے میں یا کسی دوسرے دین کے مقابلے آتے ہیں تو سب متحد ہوتے ہیں اور کسی دوسرے دین والے کو اپنے درمیان گھسنے کا موقع نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دین عیسائیت مضبوط اور وسیع مذہب کی صورت میں دنیا میں چھایا ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آپس کے اختلافات کو نظرانداز کرتے ہوئے مشترکہ مسائل میں ایک ہوکر حقیقی دشمن کے سامنے متحد ہوتے ہیں لیکن مطلب یہ نہیں کہ ان کے درمیان اختلافی بات نہ ہو جبکہ وہ یہ جانتے بھی ہیں۔ کمال یہ ہے کہ جزئی اختلافات کے ہوتے ہوئے ان کو اتحاد کا رنگ دے ویسے مسلمانوں کے درمیان اختلافات ہیں ان بھڑکا دیں اس کا فائدہ صرف سامراج کو پہنچ سکتا ہے۔ اس طرح اختلافات سے دوسرے ادیان کو اسلام کے اوپر جارحیت کا موقع ملے گا اگر مسلمان جزئی مسئلہ کو اہمیت دیں گے تو خود اہلسنت والجماعت بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مسالک کے گروہ اس طرح ہیں۔ مالکی، حنبلی، شافعی اور حنفی ایک ہی نقطہ پر جمع ہونے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ اسی طرح سے شیعہ (جعفری) یہ بھی مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے۔ یہ فرقہ الگ تھلگ دین نہیں ہے۔

اس وقت امریکہ اور اسرائیل کے خلاف عالم اسلام کا بڑا مسئلہ فلسطین کا ہے۔ امام خمینی نے ان کے مقابلے میں فلسطین جو کہ اکثر سنی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے انقلاب سے پہلے اور انقلاب کے بعد بھی عملی طور پر جدوجہد کی ہے۔ آپ یوم القدس کو ایک عام رضاکارانہ اسلامی دن قرار دیتے ہیں اور تمام اسلامی قوموں کو مل کر اس پر توجہ

دینے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ امام خمینی کی فکر میں مختلف اسلامی فرقوں کو نزدیک لانے کے معنی یہ نہیں ہے کہ ان فرقوں کے درمیان پائے جانے والے عقائد کے اصولی اختلاف کو درمیان سے ہٹا دیا جائے بلکہ ان کے نزدیک مقصد یہ ہونا چاہیے کہ یہ فکری اختلاف عداوت اور دشمنی کا سبب نہ بن سکے اور ان فرقوں کے مابین فاصلے اور ان کے جھگڑے برادری اور باہمی قربت میں بدل جائے اور اسلامی ممالک پر اسلام دشمن عناصر کا یلغار نہ ہو۔

امام خمینی کی نگاہ میں حقیقی اسلام:

گزشتہ چند عشروں کے دوران مسلمانوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے مختلف نقطہ ہائے نظر اور مختلف تعریفوں کی طرف اشارہ ہے بالخصوص ان زاویہ ہائے نگاہ کی نشاندہی ہے جو اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد سیاسی گروہوں نے پیش کیا۔

جہادی اسلام، صحیح اور درست اسلام، متحرک اسلام، ولایت پر مبنی اسلام یہ مختلف طرز تفکر تھے جن کو پیش کرنے والے ہر ایک اپنے لحاظ سے سمجھنے کے بعد اس کی علیحدہ تشریح کرتے تھے، اس کے علاوہ وہ مسلم معاشرتی فکر اور فلسفی مکاتب فکر کی بنیادوں پر پہلے ہی ایک مخصوص نظریہ قائم کر کے کسی نہ کسی طرح ان مکاتب فکر سے اسلام کی تطبیق کرتے تھے۔

عملی اسلام، متحرک اسلام اور غیر طبقاتی اسلام ایسی تعبیریں تھیں جنہیں عام طور پر کچھ گروہ اور جماعتیں مشرقی مارکسزم یا مغربی افکار کی پیروی میں پیش کرتی تھیں۔ اس طرح انہوں نے معاشرے میں مذہب کے خلاف مذہب کا رجحان پیدا کیا تھا۔

امام خمینی نے معاصر تہذیبوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس دور کے کفار پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی۔ ''امریکی اسلام'' کے مقابلے میں سچے محمدی اسلام کا نظریہ پیش کیا اور سچے اسلام کی حاکمیت پر زور دیتے ہوئے امریکی اسلام کی خامیوں اور اس نظریے کی حاکمیت کے خلاف بھرپور جدوجہد کی جو آج تک جاری ہے۔ امام خمینی کے بیانات کی روشنی میں سچے محمدی اسلام کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ اسلام ظلم کا مقابلہ کرتا ہے اور سازش نہیں کرتا۔

۲۔ یہ اسلام کے بنیادی نکات اور روح کی طرف توجہ مرکوز رکھتا ہے۔

۳۔ عقل اور فکر کو اہمیت دیتا ہے۔

۴۔ اس اسلام میں علم وعدالت اور برابری قانون میں موجود ہے۔ (۴۹)

۵۔ سچے اسلام کی قلمرو میں دینی علوم اور سائنسی علوم ترجیح دی جاتی ہے۔

۶۔ علمی اصولوں کے تحت روح اجتہاد اس پر حاکم ہے۔

۷۔ یہ ہمہ گیر پہلوؤں کا حامل ہے اور نظریاتی ، سیاسی ، عرفانی ، اخلاقی ، قانونی، معاشرتی اور معاشی تمام پہلوؤں پر توجہ دیتی ہے۔

۸۔ ایسے اسلام کے اندر حکومت اور سیاست دونوں موجود ہیں۔ یعنی اسلام کا تعلق سیاسیات کے ساتھ ہے۔(۵۰)

۹۔ لوگوں کو اسلامی شان وشوکت، اقتدار اعلیٰ اور خودمختاری کی طرف دعوت دیتا اور عوام کے اجتماعی امور اور مسلمانوں کے مفادات کو اہمیت دیتا ہے۔

۱۰۔ اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جاتی ہے۔

۱۱۔ اس طرح کا اسلام تسلط پذیر نہیں اور اندرونی و بیرونی ظالموں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

۱۲۔ یہ متحرک اسلام ہے اور دنیا کے حالات اور تقاضوں کے مطابق آگے بڑھتا ہے اور کسی صورت اس میں بے بس نہیں ہوتا۔

۱۳۔ اس قسم کا اسلام عالمی سیاسی مسائل سے باخبر ہونے کے علاوہ ان پر نگرانی کرتا ہے۔

۱۴۔ یہ اسلام محروموں کا حامی ہے۔(۵۱)

۱۵۔ نظم وضبط اور اداروں کی پابندی کرتا ہے۔

۱۶۔ مسلمانوں کے درمیان اتحاد و یکجہتی، بھائی چارے اور صلح وآشتی کی راہ میں معاون اور تعصب و تفرقہ سے نفرت کرتا ہے۔

۱۷۔ دشمنوں کے سامنے ڈٹا رہتا ہے اور دوستوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔

۱۸۔ یہ رنج ومحنت صبر و بردباری، قربانی وایثار اور فداکاری وشہادت کا مذہب ہے۔

۱۹۔ یہ اسلام ظلم کو ختم کرتا ہے اور خدا کیلئے قیام کرتا ہے۔(۵۲)

امام خمینی کے بیانات کی روشنی میں امریکی اسلام کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ ایسے اسلام کے اندر دین اور سیاست کی جدائی موجود ہے۔

۲۔ امریکی اسلام مبلغ کی سیاست میں دخل اندازی کے نہ ہونے کا تصور دیتا ہے۔(۵۳)

۳۔ یہ اسلام علماء کو صرف مسجد میں محصور کرتا ہے تاکہ صرف اور صرف دعاء اور نماز کے پابند ہوں۔

۴۔ امریکی اسلام اسرائیل کی سازش پر خاموش رہتا ہے۔(۵۴)

اسلام حقیقی کے ہی نتیجے میں ایک فرانسیسی مفکر مائیکل فو کال اپنے ناقدین کو اسلام سے خوفزدہ ہونے کے بجائے اس سے مذاکرات کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے بقول اسلام کے مسائل ہمارے عہد کے مسائل ہیں اور اسلام سے نفرت کم عقلی ہے۔ وہ اہل مغرب کو متنبہ کرتے ہوئے (اسلام حقیقی) کو سمجھنے اور سینکڑوں سال پہلے کے اس تصور کو فراموش کر دینے کی تلقین کرتے ہیں کہ "مسلمان مذہبی جنونی ہوتے ہیں۔"

امام خمینی اور مسلمان عورت:

اسلام کی پہلی دعوت پر لبیک کہنے والی عورت ہی تھی اور قرآنی تعلیمات کے مطابق اسی عورت نے عزت، اہمیت اور تقدس حاصل کیا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف اسباب کی بناء پر تدریجاً وہ اپنی اس عظمت اور تقدس کو گنوا بیٹھی۔ آج مغرب اپنے افکار کو عورت کے بارے میں خوبصورت انداز میں پیش کرتا ہے۔ جس سے امام خمینی نے جدید دور کا ظالم تمدن قرار دیا ہے۔ امام خمینی کے خیال میں اس کی مثال زمانہ جاہلیت کے عربوں کے تصورات کی ہے۔ گہری تحقیق اور جستجو کے ساتھ ہم مغرب کا عورتوں کے ساتھ سلوک کا جائزہ لیں گے تاکہ زیر بحث موضوع کی وضاحت ہو جائے۔ اس سلسلے میں یہاں ہم چند مثالیں پیش کر رہے ہیں:

قدیم یورپ کے ادوار میں عورت کے حالات سے قطع نظر سولہویں صدی کے بعد بھی اس خطے میں عورت کی زندگی کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں بھی عورت زمانہ جاہلیت کی طرح زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔

یورپ میں سولہویں صدی کے دوران اگر کسی عورت کو طلاق دی جاتی تو اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا کہ وہ جہیز طلب کرے اور اپنے رشتہ داروں کے پاس لوٹ جائے اور اسے دوسری شادی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اسی طرح اٹھارہویں کے اختتام تک عورت بہت ہی کم احترام کی مستحق سمجھی جاتی تھی۔ انیسویں صدی تک (اہل یورپ کے توسط سے) افریقہ کی عورتوں کو کنیزوں اور زرعی آلات کی طرح خرید و فروخت کی جاتی تھیں۔ ٹاہیٹی اور نیو برسٹن میں عورتوں کو خنزیروں کا دودھ پلانے پر مجبور کیا جاتا۔ برطانیہ میں ۱۸۸۲ء تک عورت کا پیسہ شوہر کی ملکیت سمجھا جاتا تھا اور وہ باپ کا مال خرچ کرنے کا حق نہیں رکھتی تھی۔ (۵۵)

مذکورہ بالا امور کے ساتھ ساتھ مغرب کے جدید اور قدیم بڑے فلسفیوں ارسطو، شوپنہاور نطشے کے نظریات کی طرف اشارہ کیا جانا ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔

ارسطو عورت کو ناقص اور اس کی خلقت کو قدرت کی عدم توانائی کی علامت سمجھتا ہے۔ ارسطو کے مطابق عورت اور غلام فطری طور پر اسیر ہیں اور یہ عمومی کاموں میں شرکت کرنے کے لائق نہیں ہیں۔

شوپنہاور عورت کے بارے میں ایک مقالے میں اس کو ناقص الخلقہ قرار دیتا ہے۔ نٹشے مردوں کو نصیحت کرتا ہے کہ عورت کے ساتھ ملاقات کرتے وقت تازیانہ اپنے پاس رکھیں۔(۵۶)

اسلامی انقلاب کے رہبر امام خمینی کی نظر میں عورت کی تاریخی مظلومیت دو ادوار یعنی زمانہ جاہلیت اور عصر پہلوی میں تقسیم ہوتی ہے۔ان کے خیال میں دونوں زمانوں میں عورتوں کی مظلومیت مردوں سے زیادہ رہی ہے۔ رضا خان کے دور میں جو کہ جاہلیت کے جدید دور کا آغاز تھا، عورتوں پر مردوں سے زیادہ ظلم ہوا۔

امام خمینی کی نظر میں اس ظالم تمدن نے قبل از ظہور اسلام کے علاوہ جدید دور میں بھی ظہور کیا جس کی سنہری زنجیروں نے عورتوں کو جکڑ رکھا ہے، امام خمینی اسی طرز فکر کے ذریعے دونوں ادوار 'قدیم جاہلیت اور عصر پہلوی'' میں اسلام کو عورت کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ان کی سوچ میں پہلے دور میں ظہور اسلام کے ذریعے اور دوسرے دور میں ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے ذریعے عورت کو آزادی نصیب ہوئی۔

اس کے بعد وقت کے ساتھ ساتھ عورتوں کے درج ذیل تین روپ نظر آئے:

- روایت پسند عورتیں
- مقدس نما عورتیں
- یورپ کی مقلد عورتیں

ایران میں اسلامی انقلاب سے قبل کم وبیش تین طرح کی عورتیں تھیں۔اب ہم مذکورہ تین اقسام کی عورتوں کی خصوصیات اور پہلوی دور کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) روایت پسند عورت:

روایت پسند عورت زندگی بھر معاشرتی رسوم کی پابند رہتی ہے، وہ معاشرے میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر توجہ نہیں دیتی، اور روایات سے ٹکرانے والی ہر طرح کی تبدیلی کی مخالفت کرتی ہے۔

ایسی عورت معاشرے میں آنے والی تبدیلیوں اور اس میں رونما ہونے والے نئے واقعات کے ساتھ ساتھ بدلتی نہیں ہے چاہے معاشرے کے جدید حالات جدید شرعی فرائض یا اس کے دینی فرائض کی تبدیلی کا موجب ہی کیوں نہ ہوں، وہ روایات میں آنے والی تبدیلیوں کی مخالفت کا مظاہرہ ان پر توجہ نہ دینے اور ان سے دور رہنے کی صورت میں کرتی ہے۔

پہلوی دور میں روایت پسند عورتیں ایرانی عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد پر مشتمل تھیں، یہ عورتیں شاہ ایران کی مطلوبہ تبدیلیوں کی مخالف ضرور تھیں لیکن اسے معاشرے کی اصلاح اور اسلام کے اصلی مقاصد وتعلیمات

سے بھی کوئی غرض نہیں تھیں۔ وہ برائی کے خاتمے اور شاہ ایران کی برائیاں پھیلانے والی تبدیلیوں کے خلاف آواز بلند نہیں کرتی تھیں۔ وہ غلط روایات کے طوق وزنجیروں میں جکڑی ہوئی تھیں اسی وجہ سے وہ فکری نشوونما کی نکھار اور صلاحیت سے محروم ہو چکی تھیں۔

(۲) مقدس نما عورت:

مقدس نما عورت ہمیشہ اسے سطحی اور ظاہری امور کے تابع رہتی ہے جو دینی نقطہ نظر سے پسندیدہ نہیں ہوتے ہیں۔ اسے دینی مسائل کی روح پر عبور نہیں ہوتا۔ بنا برایں وہ دین کی حقیقی تعلیمات کی بجائے اس کے سطحی امور کی پابندی کرتی ہے۔ مثلاً اس نے شروع سے پسند رکھا ہے کہ غیر محرم کے سامنے نہیں آنا چاہئے بلکہ گھر میں رہتے ہوئے گھریلو امور کی انجام دہی میں مصروف رہنا چاہیے۔ چاہے اسلامی معاشرے میں مختلف میدانوں میں اس کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو۔ ہر چند وہ معاشرے کی مدد اور ملت اسلامیہ کی ضروریات برطرف کرنے پر قادر ہو مگر اس کے باوجود آمادہ نہیں ہوتی بلکہ دین کے سطحی اور ظاہری امور ہی کو انجام دیتی ہے گھر سے باہر آنے، معاشرے کی مشکلات کو حل کرنے، اس کی ضروریات کو پورا کرنے اور معاشرے میں پایا جانے والے خلاء کو پر کرنے کو اسلامی احکام کے منافی سمجھتی ہے۔

وہ بات سمجھنے پر قادر نہیں کہ مسلمانوں کی خدمت، ان کی ضروریات پوری کرنے، اسلام کا دفاع کرنے اور مسلمانوں کی عزت کے تحفظ کے لئے اس کا گھر سے باہر نکلنا بجائے خود عبادت ہے اور اسلامی حدود کا خیال رکھتے ہوئے عام لوگوں کے سامنے آنا اسلامی احکام کے منافی نہیں ہے۔

پہلوی دور حکومت میں روایت پسند عورتوں اور یورپ کی مقلد عورتوں کے مقابلے میں مقدس نما عورتیں قلیل تعداد میں تھیں۔ یہ عورتیں شاہ ایران کی پالیسیوں اور مقاصد کے خلاف تھیں۔ چونکہ یہ عورتیں حقیقی امور کی بجائے سطحی اور ظاہری امور کی پابند تھیں اور جدید معاشرتی مسائل سے بے خبر تھیں، اسی لئے وہ جانتی ہی نہیں تھیں کہ حکومت کی پالیسیوں کا مقابلہ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

(۳) یورپ کی مقلد عورت:

یورپ کی مقلد عورت بلا کسی قید وشرط اور حد کے مغرب اور اس کے تقاضوں کی پیرو ہے۔ وہ مغرب کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے رہن سہن کا تعین کرتی اور مغرب کی متعدد اور نئی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ خود کو بدلتی رہتی ہے چاہے وہ تبدیلیاں اخلاقی، روایتی اور شرعی اقدار و معیار پر پوری نہ اترتی ہوں۔

مغرب کی مقلد عورت مغربی عورت کو اپنے لئے نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے اس کی چال ڈھال کی تقلید کرتی

ہے اور زندگی کے مختلف میدانوں میں مغربی عورت کے شانہ بشانہ چلنے، اس میں ہم آہنگ ہونے اور خود کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتی ہے۔ پہلوی دور حکومت میں ایسی عورتوں کو خاص اہمیت دی جاتی تھی، کیونکہ یہ عورتیں شاہ ایران اور مغرب کے مقاصد کی تکمیل میں بہت موثر تھیں یہی وجہ تھی کہ حکومت دو طرح کے کام انجام دیتی تھی۔ ایک جانب کوشش تھی کہ ایرانی عورت کی شخصیت اور اس کا مقام اس سے چھین کر اسے یورپ اور مغرب کی جانب مائل کردے اور دوسری جانب ایرانی عورت کو اسلامی تشخص سے نابلد رکھا جائے۔

اسی لئے پہلوی دور میں ''ترقی پسندی'' کی بحث کا آغاز ہوا۔ ترقی پسندی کے نام پر ہر برے عمل کی توجیہ بھی کی گئی۔ ایرانی خواتین کو اپنی ثقافت کی اصل اور تشخص سے جدا کرنے کیلئے خواتین کے رسالے شائع کئے۔ مغربی اقدار کو اپنانے کیلئے لڑکے لڑکیوں کے مخلوط اسکول کھولے گئے اور آہستہ آہستہ خواتین کی خاصی تعداد سرکاری اداروں میں جا پہنچی اور سیکرٹری کے طور پر ملازم ہوگئی۔ جب یہ سب اقدامات طے ہوگئے تو ۱۹۴۵ء میں رضا خان نے حکم صادر کیا کہ ایرانی خواتین اپنی چادریں اتاردیں۔ اس کیلئے ایک باقاعدہ مہم چلائی گئی جس سے ''پردہ ہٹاؤ'' مہم کا نام دیا گیا۔ (۵۷) یہ پروگرام تین ممالک ترکی، افغانستان اور ایران میں ایک ہی وقت میں جاری ہوا۔

مغربی تہذیب ایرانیوں کے ہاں ایک ''جدید فیشن'' بنی تو اسلامی تہذیب ایک فرسودہ ''فیشن'' قرار پائی۔ (۵۸) بہرحال اس کے بعد محمد رضا پہلوی کے زمانے میں خواتین کے خلاف یہ عمل جاری رہا۔ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ میں رضا کے وزیر معارف علی اصغر حکمت شیراز کے دورے پر گیا اور ایک محفل جشن میں اس کی تقریر کے بعد اسٹیج پر لڑکیاں ظاہر ہوئیں۔ وہ سر سے چادر اور چہرے سے نقاب ہٹا دیتی ہیں۔ آرکسٹرا رقص کے دھن بجانے لگتی ہیں اور لڑکیاں مشغول رقص ہوجاتی ہیں۔ اس نیم برہنہ رقص کی خبر شیراز، تہران، قم، مشہد اور تبریز تک پھیل گئی۔ علماء دین میں سے سید حسام الدین فانی نے اس پر احتجاج کیا تو انہوں جیل بھیج دیا گیا۔ تبریز میں آیت اللہ انگجی نے اور آیت اللہ میرزا صادق نے عورتوں کی بے پردگی کے خلاف فتویٰ دیا تو انہیں شہر بدر کر کے سمنان بھیج دیا گیا۔

مشہد میں مندرجہ بالا خبر کے بعد علماء اور مراجع کی ایک میٹنگ آیت اللہ یونس اردبیلی کے گھر میں ہوئی اس میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ آیت اللہ قمی تہران جائیں اور لباس کی تبدیلی اور دیگر تحفظات سے باز رکھنے کیلئے رضا خان سے مذاکرات کریں۔ جیسے ہی انہوں نے تہران کی طرف حرکت کی انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ ان کی جلاوطنی کے خلاف احتجاج کرنے کیلئے لوگ مسجد گوہر شاد (مشہد) میں جمع ہوگئے۔ پولیس نے مسجد کا محاصرہ کیا اور پولیس کے حملے میں ایک سو افراد قتل ہوئے۔ (۵۹) اسی طرح ایران کے دوسرے شہروں میں بھی رضا خان کے

مذکورہ ''پردہ ہٹاؤ'' مہم کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ رضا خان کے پردہ کے خلاف جدوجہد کے باوجود ایران میں ایک بار پھر اسلامی حجاب عورت کے سر پر جلوہ گر ہے۔ رضا خان کی اس طرح کی پالیسیوں کے بارے میں امام خمینی کہتے ہیں: ''انہوں نے بہت پروپیگنڈہ کیا تاکہ تم عورتوں سے تمہارا مقام چھینے، تمہاری منزل تم سے سلف کرلے، تمہیں مغربی بنادے۔'' (۶۰) ایک اور مقام پر آپ نے عورت کے وقار اور تقدس کو یوں بیان کیا: ''عورت کی گود سے مرد عروج کو پہنچتا ہے۔'' (۶۱)

مغرب کی تقلید کرنے والی عورت کی نمایاں ترین خصوصیت بے پردگی تھی۔ یہ عورتیں اسلامی تعلیمات کے مطابق پردے کا خیال رکھنے کو عورتوں کی آزادی اور ان کے حقوق کی خلاف ورزی قرار دیتی تھیں۔ اس لئے پردے کی مخالف تھیں۔ پہلوی دور میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، جرائد، اخبارات، الغرض تمام حکومتی ذرائع ابلاغ جو کہ سامراج کے خدمت گار تھے، بے پردگی کو عورت کی ترقی اور تمدن کے طور پر پیش کرتے تھے۔ امام خمینی اپنے وصیت نامہ میں رقمطراز ہیں:

''ریڈیو، ٹیلی ویژن، جرائد، سینما اور تھیٹر قوموں بالخصوص نوجوان نسل کو تباہ و برباد کرنے کا موثر ذریعہ ہے۔ حالیہ سو سالوں بالخصوص اس کے آخری پانچ دہائیوں میں ان وسائل سے اسلام اور خدمت گار علماء کے خلاف خوب پروپیگنڈے کئے گئے۔ مشرقی اور مغربی سامراجیوں کے پروگراموں کو خوب اچھالا گیا۔ بڑی بڑی سازشیں تیار کی گئیں اور ان ذرائع سے ہر قسم کی تجملاتی اور آرائشی اشیاء کے پرچار کرائے گئے۔ سامراجی عمارتوں، ان کی آرائش و زیبائش، ان کے کھانے پینے کے طور وطریقے اور ان کے لباس کے انداز کو خوب رواج دیا گیا۔ چنانچہ زندگی کے تمام شعبوں میں اس سے رچایا بسایا گیا۔ رفتار و گفتار، رہن وسہن ہر چیز میں مشرق و مغرب کے طور طریقے کی تقلید کرائی گئی۔ یہی وجہ تھی کہ خوشحال اور متوسط طبقہ کی خواتین کے درمیان مغربیت بڑے فخر کی بات تھی۔'' (۶۲)

جو افراد سڑکوں پر عورت کے بے پردہ ہو کر پھرنے کو ملکی ترقی اور تمدن سمجھتے ہیں وہ اس بات پر تیار نہیں ہیں کہ ملک کا نظام معقول طریقے سے قانون خدا اور عقل کے مطابق چلایا جائے۔ اگر عورتیں اس تمدن اور ترقی کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوتیں تو حکومت طاقت کا سہارا لیتی اور اوباش کارندوں کے ذریعے باپردہ خواتین کو اذیت پہنچاتیں۔ اس سلسلے میں امام خمینی کہتے ہیں:

''لوگوں نے دیکھا کہ پولیس نے ان آسائش کا تحفظ کرنے کی بجائے طاقت کے بل بوتے پر مظلوم

عورتوں کو بے پردگی پر مجبور کرنے اور فحشاء کو عام کرنے کے لئے کیسے کیسے گھناؤنے اقدامات کیے۔'' (۶۳) آپ مزید کہتے ہیں: ''بے پردگی کی اس پالیسی کے ناخوشگوار نتائج ہی اس قوم اور خواتین کے حصے میں آئے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ بے پردگی کے واقعہ میں ایرانی قوم پر کیا بیتی، پہلوی حکومت نے انسانیت کا پردہ تارتار کر دیا۔'' (۶۴)

شاہی دور میں مغرب کی مقلد عورت کو معاشرے کی سطح پر آزادی حاصل تھی جس طرح چاہتی گھر سے باہر نکلتی وہ جہاں جاتی اس کے لئے راستہ صاف ہوتا، کوئی چیز اس کے سدراہ نہیں ہوتی تھی۔ درحقیقت یہ عورتیں حکومت وقت اور یورپ کی آلہ کار تھیں اور ان کے مقاصد کی تکمیل کا راستہ ہموار کرتی تھیں۔ اس لئے ان کے کام کرنے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی بلکہ حکومت کی جانب سے ہر میدان میں ان کی شرکت کے دروازے کھلے ہوئے تھے، حکومت معاشرتی میدان میں فرنگ کی پیروی کرنے والی عورت کی شمولیت کو اپنے اس دعوت کے ثبوت کے طور پر پیش کرتی کہ ہم نے اس مملکت کی عورتوں کو آزادی عطا کی ہے لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ حکومت نے کونسی آزادی دے رکھی تھی؟

امام خمینی کے نزدیک عورتوں کو اس طرح کی آزادی دینے کا مقصد نوجوان نسل کو برائی کی طرف دھکیلنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ ایک خاص قسم کی آزادی کے حامی تھے ایسی آزادی کہ جس کے ذریعے مغرب ہمارے جوانوں کو برائی کی طرف دھکیلنا چاہتا تھا۔ اور تمام شعبوں میں عورت کو سامان زینت کے طور پر دیکھنا چاہتا تھا یہاں تک کہ عورت سے سامان کا کام لیا جاتا۔ عورت سرمائے اور فحاشی کے ہاتھوں کھلونا، سرمایہ داروں اور سامراج کی آلہ کار بن چکی تھی۔ اس سلسلے میں امام خمینی کہتے ہیں:

> ''پہلوی دور کے ان ذلت آمیز پچاس سالوں میں خطا کاروں کے زہر آلود قلم اور غیر مہذب افراد کی زبان نے عورت کو متاع بنانے کی کوشش کی، یہ لوگ متاثر ہوجانے والی عورتوں کو ان مراکز میں کھینچ لے گئے قلم جن کے بیان سے قاصر ہے جو شخص اس ظلم وستم سے قدرے آگاہ ہونا چاہتا ہے وہ رضا خان کے زمانے میں چلائی جانے والی بے پردگی کی تحریک کے ہنگام اور اس کے بعد کے ان جرائد اور اشعار کی جانب رجوع کرے جو رضا خان کے اوباش اور کمینے پٹھوؤں نے نکالے اور کئے تھے اور اس زمانے کی محفلوں، بزموں اور برائی کے اڈوؤں کی خبر لگائے۔ خدا انہیں رسوا کرے اور ٹوٹ جائے ان روشن خیالوں کے قلم یہ نہ سمجھا جائے کہ آزاد عورتیں اور آزاد مردوں کے نام پر ان ظلم وستم کے روا رکھنے اور ارتکاب جرم کا نقشہ بین الاقوامی لٹیروں اور مجرموں نے نہیں کھینچا تھا۔'' (۶۵)

عورتوں کی آزادی کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں امام خمینی نے اپنا نکتہ نظر یوں بیان کیا:

''اسلام کبھی بھی عورتوں کی آزادی کا مخالف نہیں رہا ہے بلکہ اس کے برعکس اسلام نے شئے بن جانے والی عورت اور اس کے شئے بننے کی مخالفت کی ہے۔ اس نے عورت کو اس کی شرافت اور حیثیت سے سرفراز کیا ہے، عورت مرد کی طرح اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنے اور اپنی سرگرمیوں کے انتخاب میں آزاد ہے جبکہ شاہ کی حکومت عورتوں کو اخلاق کے منافی امور میں فرق کرنے کے ذریعے ان کی آزادی کے سدراہ ہونے کی کوشش کر رہی ہے اور اسلام اس امر کی سختی کے ساتھ مخالفت کرتا ہے۔'' (۶۶)

ایک اور جگہ پر امام خمینی کہتے ہیں:

''اسلامی حکومت رجعت پسند نہیں ہے اور تمام تہذیبی مظاہر کے موافق ہے مگر یہ کہ ان سے قوم کی بحالی کو نقصان پہنچا اور وہ ملت کی عمومی عفت و پاکیزگی کے خلاف ہوں، اسلام نہ صرف عورت کی آزادی کا حامی ہے بلکہ وہ خود عورت کے تمام وجودی پہلوؤں کی آزادی کا بانی ہیں۔'' (۶۷)

دراصل مغرب اور مشرق دونوں کی حقیقت و ماہیت ایک ہی ہے اور دونوں ایک ہی مقصد کی طرف رواں دواں ہیں فقط اس تک پہنچنے کے وسائل میں فرق ہے۔ ایک اجتماع کو بنیادی حیثیت دیتا ہے اور دوسرا فرد کو محور قرار دیتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے دونوں کا آزمودہ ہتھیار سب سے پہلے دین کی ظاہری صورت کی نفی ہے اس کے بعد دین کے اصل مقصد اور ماحصل کی نفی و بربادی کا منصوبہ ہوتا ہے دونوں نظاموں نے اس تصور کو وسعت دی اور اسے اپنے زیر تسلط ممالک نیز تیسری دنیا تک کھینچ لائے۔

امام خمینی نے پہلی منزل میں مسلمان عورت میں یقین و اعتقاد پیدا کرنے کی کوشش کی کہ وہ یہ جان لے کہ عورت کے سلسلہ میں غلط تصورات کے ناخوش گوار نتائج اور ان کے برے اثرات انسانی تہذیب کے دوسرے تمام پہلوؤں کو بھی متاثر کریں گے اور ان پر غالب ہو جائیں گے۔ لہٰذا عورت اپنے آپ کو پہچانے کہ وہ ایسا وجود ہے جو انسانی کمال اور بلندترین منزل تک آسانی سے پرواز کر سکتا ہے۔ اس کے وجود نے تاریخ کو تابناک بنایا ہے نیز انقلابوں اور تحریکوں کو روشنی بخشی ہے۔

۲۰ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ کو یوم خواتین کی مناسبت سے اپنے ایک پیغام میں امام خمینی نے کہا:

''حضرت فاطمہ زہرا ایک عورت ہیں جن کے فضائل پیغمبر اکرمؐ اور خاندان عصمت و طہارت

کے ہم پلہ ہیں ۔ ہمیں عورت کے فضائل کی طرف توجہ دینا چاہئے کیونکہ پہلوی دور کی اس تاریک وذلت آمیز نصف صدی میں زہریلے قلموں اور غیر متمدن و بدتہذیب زبانوں نے عورت کو خریدی اور بیچی جانے والی ایک شی بنادینا چاہا تھا۔" (۶۸)

امام خمینی عورت کو معاشرہ کی مربیہ اور اس کی آغوش کو انسانوں کے لئے جائے امن اور کمال ومعراج کی تعبیر سے یاد کرتے ہیں، اسے تعمیر انسانیت کے لئے ماں اور زوجہ جیسا اٹوٹ کردار شمار کرتے ہیں۔ اہل طاقت اور اہل دولت کے ہاتھوں کا کھلونا نہیں سمجھتے، بین الاقوامی حقوق انسانی کے ادارہ (ایمنسٹی انٹرنیشنل) کے نمائندوں کے ایک سوال کے جواب میں آپ نے کہا:

"عورتیں اسلام کی نگاہ میں معاشرہ کی تعمیر میں ایک حساس کردار رکھتی ہیں۔ اسلام عورت کو اس حد تک بلندی عطا کرتا ہے کہ وہ معاشرہ کے اندر اپنے انسانی مقام ومرتبہ کو دوبارہ حاصل کرلے۔ ایک "چیز" ہونے کی حد سے باہر نکل آئے اور اپنے اس ارتقاء کی مناسبت سے وہ اسلامی نظامِ حکومت میں مختلف عہدوں ومنصبوں پر فائز ہوسکتی ہے۔ کیونکہ عورت انسانی آرزؤں کی تکمیل کا مظہر ہے اور ماں کی آغوش خیر یا شر کا گھوارہ بن سکتی ہے اور عورت عظیم عورتوں اور مردوں کو پروان چڑھانی والی ہے۔ عورت ہی کے آغوش سے مرد معراج کو پہنچتا ہے نیز ماں کے فرائض کو حقیر وذلیل ظاہر کرنا اغیار کی سازش ہے۔" (۶۹)

امام خمینی ان روشن خیال اور غیر متمدن نمائندوں کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں جنھوں نے نادانستہ یا خود غرضانہ طور پر عورت کو اس کی حقیقی روش کے خلاف چلنے پر مجبور کیا اور بلاسوچے سمجھے اس کے معنوی ارتقاء وکمال کے کردار سے اسے جدا کر کے اس کو ظاہری قسم کی کھوکھلی ترقی پر لگادیا گیا اور یہی سے تنزلی اور رجعت پسندی کا آغاز ہوا۔ قرآن کریم اور سیرت ائمہ میں موجود احکام جن کو امام خمینی نے اپنے خطبات اور بیانات میں شامل رکھا، کی حسب ذیل عنوان سے دستہ بندی ہوسکتی ہے:

(الف) عورت کے انسانی حقوق عالم ہستی میں اس کی خلقت اور اس کے وجود سے مربوط ہیں۔

(ب) عورت کے سیاسی حقوق، جو انقلاب، جنگ اور اسلام کی خدمت میں اس کے کردار کو مشخص کرتے ہیں۔

(ج) عورت کے سماجی حقوق جس کے تحت ہم اس کے کردار اور اس کے وجود کی حیثیت کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

(د) عورت اور مرد کے ایک دوسرے پر حقوق، جن کے ذریعہ شادی، طلاق، نیز خاندان میں عورت کے رول پر روشنی پڑتی ہے۔

(ہ) آئندہ نسل کی نگرانی وحفاظت کے سلسلہ میں عورت کے حقوق۔

عورت کے انسانی حقوق:

ہالینڈ کے ایک روزنامہ ''دی داسٹ گرانٹ'' سے انٹرویو کے دوران گفتگو کرتے ہوئے امام خمینی نے اس بات کی وضاحت کی کہ عورت، عورت ہونے سے پہلے ایک انسان ہے اور اس کے بعد آپ نے ''تفاوت'' مفرق کے مسئلہ پر خاص طور سے توجہ دلائی کہ یہ فرق انسانی حیثیت کی طرف نہیں پلٹتا بلکہ چونکہ عورت و مرد دونوں آپس میں کچھ عرضی فرق رکھتے ہیں کہ ایک مناسب زندگی برقرار کرنے کے لئے ان میں سے ہر ایک اپنے خصوصی حقوق نظام کے تحت نعمتوں اور انسانی حقوق کی آزادیوں سے بہرہ مند ہیں۔ آپ نے ایک سوال کے جواب میں کہا:

''عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ دونوں انسان ہیں۔ ہاں بعض موارد میں عورت اور مرد کے درمیان کچھ فرق پائے جاتے ہیں جو اس کی انسانی حیثیت سے ربط نہیں رکھتے۔''(۷۰)

امام خمینی کی فکر میں نہ عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خود کو ایک چیز ہونے کی حیثیت تک گرائے اور مرد، عورتوں کے سلسلہ میں ایسا سوچنے کا حق رکھتے ہیں۔

عورت کے سیاسی حقوق اور انقلاب و جنگ میں اس کا کردار:

عورت کے سیاسی حقوق اور انقلاب و جنگ میں اس کے کردار کے حوالے سے امام خمینی کا نظریہ یوں ہے:

''خواتین سیاست میں حصہ لینے کا حق رکھتی ہیں اور یہ ان کا فریضہ ہے اور اس سے بڑھ کر ملت کی دفاع، اسلامی وقار کے تحفظ اور آخری حد تک اسلامی ملک کا دفاع، عورتوں، مردوں اور بچوں پر واجب ہے۔ دفاع کا مسئلہ سب کے لئے ایک عمومی امر ہے جو بھی طاقت رکھتا ہے وہ اسلامی ملک کا دفاع کریں۔''(۷۱)

امام خمینی کے خیال میں عورت سیاسی امور میں حصہ لینے، اپنی اور معاشرہ کی سرنوشت میں داخل و اختیار نیز دیگر امور مثلاً انتخابات میں ووٹ دینے اور لینے، قوم کی طرف منتخب ہونے اور اس کی نمائندہ اور نجات دہندہ ہونے، مختلف حکومتوں سے ارتباط یا قطع تعلق کرنے، جنگ و صلح یا ملکی و غیر ملکی ثقافتی و اقتصادی قوانین بنانے کے سلسلہ میں انسانی حیثیت سے ایک شخصیت کی مالک، خود مختار اور صاحب ارادہ ہے۔ اسی طرح ایک قوی، سیاسی فکر کی مالک اور فعال ذہن کی حامل ہے۔ امام خمینی عورت کی رائے کو قیمتی قرار دیتے ہوئے اسے عقیدتی و سیاسی افکار و نظریات کا اظہار کرنے میں آزاد و خود مختار جانتے ہیں کہ جیسا وہ چاہتی ہے، سوچے سمجھے اور صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اس طرح آپ نے ہمیشہ کے لئے ان تمام لوگوں کو جو عورت کو کبھی دین کے نام پر اور کبھی معاشرتی خرابیوں

اور بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے نام پر گھر اور اس کے امور میں محصور و محدود کر دیتے ہیں اور ان کی ہدایت و رہبری کو مردوں کے سپرد کر دیتے ہیں فریضہ اور حکم کی صورت میں خبردار کرتے ہیں اور عورتوں کو ان کے ضائع شدہ حقوق کا حقدار ثابت کرنے کے لئے انہیں عورتوں کی توانائیوں سے آگاہ کرتے ہیں۔

عورت کے معاشرتی حقوق اور کردار:

امام خمینی نے مختلف موقعوں پر عورت کے معاشرتی حقوق اور کردار کی وضاحت کی ہے۔ ۷ دسمبر ۱۹۷۸ء میں لاس اینجلس امریکہ کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے آپ نے کہا:

''عورتیں اسلامی معاشرہ میں آزاد ہیں۔ انہیں یونیورسٹیوں، دفتروں اور اسمبلی میں جانے سے ہرگز روکا نہیں جاتا۔ لیکن جہاں تک اخلاقی فساد کی بات ہے اس میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں اور یہ دونوں کے لئے حرام ہے''، ایک اور جگہ آپ نے کہا کہ عورت اور مرد دونوں یونیورسٹی جانے کے لئے آزاد ہیں۔(۷۲)

لیکن امام خمینی جو عورتوں کے سلسلہ میں صراحت کے ساتھ حکومتی سرگرمیوں میں کام اور ملکیت کے حق کو ذکر کرتے ہیں، وہ اس اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ ایسے اعتقادات ونظریات موجود ہیں جو ایک تو عورت کو گھر ہی میں محدود اور منحصر رکھتے ہیں اور اجتماعی جدوجہد نیز بنیادی اور حکومتی کاموں کے لائق نہیں جانتے ساتھ ہی اسے اپنی محنتوں اور کوششوں کی پاداش کا مستحق شمار نہیں کرتے۔ دوسرے الفاظ میں چونکہ اسے ایک مکمل انسان نہیں جانتے یعنی ایک مستقل و عاقل انسان نہیں جانتے جس کے اندر اپنے حقوق کی ملکیت اور ان سے استفادہ کرنے کی شرائط موجود ہوں۔ لیکن مذکورہ بالا تمام امور میں عورت کی شرکت کو امام خمینی نے ہمیشہ عفت و پاکدامنی کے ساتھ واجب قرار دیا ہے جس کا ذکر اور اسباب وعلل ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

شادی اور طلاق کے سلسلے میں عورت اور مرد کے باہمی حقوق:

امام خمینی عورتوں کو اپنے پسندیدہ شریک زندگی کے انتخاب میں مکمل آزادی دیتے ہیں۔ البتہ ''اسلامی قوانین کے دائرہ'' کی قید اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ شادی چاہے عورت کے لئے ہو یا مرد کے لئے صرف جنسی خواہشات کی تکمیل کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا ایک مقصد بھی ہے اور وہ اولاد کی پیدائش جو نسل انسانی کی تکمیل کے لئے اسلام کی بقا و دوام کا سبب ہیں اور یہ عظیم مقصد اس وقت تک ہاتھ نہیں آسکتا جب تک عورت اور مرد شادی سے پہلے اس سلسلہ میں خوب غور وفکر نہ کریں وہ ایسے شریک زندگی کا انتخاب کریں جو ایک سالم اور صالح نسل عطا کرنے میں ان کا مددگار ہو۔ امام خمینی نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۰ میں طلاق کے سلسلہ میں پوچھے گئے ایک سوال

کے جواب میں کہا:

برای زنان محترم شارع راه سهل معین فرموده است تا خود شان زما م طلاق را به دست گرند، به این معنی که در ضمن عقد و نکاح اگر شرط کنند که وکیل باشند در طلاق، به صورت مطلق یعنی هر موقعی که دلشان خواست طلاق بگیرند و یا به صورت مشروط یعنی اگر مرد بد رفتاری کرد، یا مثلاً زن دیگری گرفت زن وکیل باشد که خود را طلاق دهد، دیگر هیچ اشکالی برائے خانم ها پیش نمی آید و می توانند خود را طلاق دهند(۷۳)

''محترم عورتوں کے لئے شریعت مقدس نے آسان راہ معین فرمائی ہے تا کہ وہ خود طلاق کی بھاگ دوڑ اپنے ہاتھوں میں لے سکیں اور وہ اس صورت میں کہ عقد و نکاح کے موقع پر اگر یہ شرط کرلیں بطور مطلق یعنی جب بھی ان کا دل چاہے گا یا مشروط طور پر یعنی اگر مرد کا سلوک اس کے ساتھ اچھا نہ ہو یا ظلم پر اتر آئے گا یا دوسری عورت سے شادی کرے گا تو وہ شوہر کی طرف سے وکیل ہوں گی کہ خود کو طلاق دیدے۔ ایسی صورت میں عورت کے لئے کوئی دشواری پیش نہیں آتی اور وہ خود طلاق دے سکتی ہے۔''

امام خمینی نے عورت کو طلاق کا لینے، دوران عقد و نکاح شرط قبول کرنے، طلاق کے وقت عورت کے عسر و حرج اور بچوں کی جدائی جیسے مسائل کا حل پیش کر کے عصر حاضر کی قانونی فضاء کو عورت کی شخصیت کے مطابق بنانے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے عورت بطور ماں کی حیثیت کو استاد کے مقام سے بلند تر اور عورت بطور استاد اس کی حیثیت کو پیغمبروں کا ہمسر اور ہم پلہ قرار دیا ہے۔ ماں کو بہشت آفرین اور باپ سے بلند مقام کا حامل شمار کیا۔

عورتوں کے حقوق اور نسل آئندہ کی حفاظت:

ماہر نفسیات کی تلاش و تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ ایک بچے کی شخصیت سات سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے ایک رخ اختیار کر لیتی ہے اور بچے زیادہ تر اپنی عمر کے یہ سال ماں کے سایہ میں بسر کرتے ہیں اور مہر و محبت، ایثار و فدا کاری، فرحت و نشاط، دلگیری و خوش بینی، ایمان و عقیدہ، عزم و ثبات نیز دوسرے بلند اخلاقی مفاہیم یا اس کے برعکس بغض و کینہ، اشک و حسد، بے اعتقادی و بے ایمانی، بدنیتی و تعصب، غم و اندوہ، کاہلی و سستی وغیرہ کا پودا ماں کی طر ف سے اس کے دل میں لگایا جاتا ہے اور اس میں وہ شگوفے پھوٹتے ہیں۔ اس سلسلے میں امام خمینی ماں کو اصلاح و

فساد کا منبع و مصدر اس طرح قرار دیتے ہیں:

''دنیا میں عورتوں کا ایک مخصوص کردار رہا ہے۔ کسی معاشرہ کی اچھائی یا برائی اس معاشرہ کی عورتوں کی اچھائی یا برائی سے پیدا ہوتی ہے۔ عورت ہی وہ تنہا وجود ہے جو اپنی آغوش سے ایسے افراد معاشرہ کے حوالہ کرسکتی ہے جس کی برکتوں سے ایک معاشرہ کیا بہت سے معاشرے استقامت و پائیداری اور بلند انسانی اقدار سے ہم کنار ہو سکتے ہیں یا اس کا الٹ بھی ہوسکتا ہے۔'' (۷۴)

امام خمینی کے خیال میں اسلامی انقلاب کی کامیابی میں خواتین کا بڑا کردار رہا ہے۔ آپ کی سوچ کے مطابق اگر خواتین نہ ہوتیں تو اسلامی انقلاب کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ خواتین نے انقلاب کے دوران بڑی سی بڑی مشقت اور مصیبت کو جھیلا اور اسلامی حجاب میں شاہ کے خلاف بہت بڑی تعداد میں مظاہرے بھی کئے۔ مزید وضاحت کیلئے صحیفہ نور کی جلد چہارم کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

امام خمینی اور بہائیت:

امام خمینی کا جس زمانے میں شہنشاہ ایران کے ساتھ مقابلہ رہا اس کے ساتھ ساتھ بہائی مذہب کے پیروکاروں کے ساتھ بھی آپ کا مقابلہ ہوتا رہا۔ یہی وجہ تھی کہ ۲رمئی ۱۹۶۳ء کو کی گئی ایک تقریر میں آپ نے بہائی مذہب کے پیروکار ثابت پاسال پر الزام لگایا کہ وہ پانچ سو ڈالر زر مبادلہ جہاز کے ٹکٹ میں رعایت کرتے ہوئے دو ہزار بہائیوں کو اسلام کے خلاف لندن بھیجتا ہے۔ (۷۵) لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب کے پس منظر کا جائزہ لیا جائے۔

۱۲۶۰ھ میں ایک شخص ''علی محمد باب'' نے اپنے آپ کو ''باب'' اور اپنے توسط سے لوگوں کو امام مہدی سے ملاقات کرانے والا بتایا۔ اس کے بعد اس نے مہدویت کا دعویٰ کیا اور بتایا کہ آئندہ ''بابیوں'' کے درمیان ایک پیغمبر خدا کی طرف سے دین لاکر قیام کرے گا۔ ناصر الدین شاہ اور امیر کبیر کے حکم پر ''باب'' کے پیروکاروں کے خلاف سخت کاروائی کی گئی۔ ''بابیوں'' کی اکثریت کو قتل کیا گیا جو بچ گئے تھے ان کو عراق جلاوطن کردیا گیا۔ جبکہ ''بابیوں'' کے بانی علی محمد باب کو ۱۲۶۶ھ میں موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ ''باب'' کے ماننے والوں میں دو بھائی اس سے زیادہ قریب تھے جو بعد میں اس کے جانشین ہونے کے دعویدار بنے۔ لیکن دونوں بھائیوں میں سخت اختلافات پیدا ہوئے۔ اس وجہ سے ''باب'' کے پیروکار دو گروہوں میں تقسیم ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک گروہ نے ایک بھائی ''صبح ازل'' (بابہا) کی پیروی کی اور دوسرے گروہ نے دوسرے بھائی ''بہاء اللہ'' (بابہا) کی پیروی

کی۔ان دونوں بھائیوں اور پیروکاروں کے درمیان شدید لڑائی کے نتیجے میں طرفین کے بہت سے افراد مارے گئے۔ دونوں بھائیوں کے درمیان اختلاف باقی رہا اور عراق کی حکومت عثمانی نے بہاء اللہ ان کے طرفداروں کو ملک بدر کر کے عکاء یعنی مقبوضہ فلسطین اور صبح ازل کو اس کے پیروکاروں سمیت قبرص بھیج دیا۔ ''عکاء'' میں بہاء اللہ کی کوششوں سے ایران کے بابی اس کی حمایت کرنے لگے۔ آئین ''بہا'' میں ساس کے علاوہ تمام عورتوں (یعنی ماں، بہن، بھانجی، بھتیجی، پھوپھی اور خالہ) سے شادی کرنا جائز ہے۔(۷۶) اس مذہب کو جنم دینے میں روس نے اہم کردار ادا کیا۔ پھر انگریز بھی اس سلسلے میں روس سے پیچھے نہ رہے۔ انگریزوں نے اسلامی ممالک میں خاص طور سے ایران میں بہائیت کی ترویج کی۔ یہی وجہ ہے کہ بہائیت کی شناخت شروع دن سے ہی الگ مذہب کے طور پر ہونے لگی۔ لیکن حقیقت میں یہ ایک طاقت ور پارٹی تھی اور آج بھی امریکہ اور اسرائیل کی اس سے پوری حمایت حاصل ہے۔ امام خمینی کے خیال میں فرقہ بہائی فرقہ ضالہ (گمراہی والا فرقہ) ہے۔ امام خمینی اور علمائے اہل تشیع اس فرقے کے سخت مخالف تھے۔ اس فرقے کے لوگ شاہ کی حمایت کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ اس فرقہ کے افراد ہمیشہ شاہ کے دربار میں اور حکومت کے داخلی ور خارجی امور میں موثر تھے اور یہ صہیونیتوں (یہودیوں) کیلئے کام کرتے تھے۔(۷۷) لہٰذا امام خمینی نے مئی ۱۹۹۳ء میں علمائے یزد کو اپنے ایک پیغام میں اسی بات کی طرف توجہ دلائی:

> ''آپ حضرات کو متوجہ رہنا چاہیے کہ بہت سے کلیدی عہدے ان بہائی فرقے والوں کے ہاتھ میں ہیں کہ جو حقیقت میں اسرائیل کے ایجنٹ ہیں۔ اسلام اور ایران کیلئے اسرائیل کا خطرہ بالکل نزدیک ہے۔ شاہ نے اسلامی حکومتوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بجائے اسرائیل سے معاہدہ کرلیا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے۔ علمائے اعلام اور خطباء حضرات دوسرے طبقوں کو آگاہ کریں تاکہ بروقت اس کے خلاف اقدام کیا جائے۔ یہ وہ زمانہ نہیں ہے کہ سلف صالح کی سیرت پر عمل کیا جاسکے۔ خاموشی اور کنارہ گیری سے ہم سب کھو بیٹھیں گے۔''(۷۸)

حوالہ جات

(۱) غزالی، ابوحامد، احیاء العلوم، ج۱، (مترجم: مولانا محمد احسن نانوتوی)، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، س ن، ص: ۳۲

(۲) بزرگی، احمد جہاں، امام خمینی کا سیاسی نظریہ، (مترجم: عبدالستار)، نورالہدیٰ ٹرسٹ، شعبہ ترجمہ و تحقیق، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص: ۳۱

(۳) ایضاً، ص: ۲۱۷

(۴) ایضاً، ص: ۳۰

(۵) مشمولہ: وحدت اسلامی، قونصلر اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد، شمارہ ۹۶، اپریل، مئی ۱۹۹۳ء، ص: ۲۷

(۶) گروہ مصنفین، رفقائے امام خمینی، نہضت امام، (مترجم: افق اجمیری)، نظارۃ المعارف، کراچی، س ن، ص: ٦٦

(۷) خمینی، روح اللہ، الحکومۃ الاسلامیہ، کتاب خانہ بزرگ اسلامی، ایران، تہران، خیابان شہید احمد احمدی، بلاک ۲۲۱، ت، ن، ص: ۲۲

(۸) خمینی، روح اللہ، وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینی، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸ء، ص: ۲۰، ۲۱

(۹) Religion and Politics from Imam Khumai's viewpoint (Collection of articles) international affairs department, the institute for competition and publication of Imam Khumaini's works. 2007, Pg:124

(۱۰) کلمات قصار، پندھا و حکمت ھا، امام خمینی موسسہ تنظیم و نشر آثار، امام خمینی، چاپ ہفتم زمستان، ۱۳۷۸ش (موسم سرما ۱۹۹۹ء)، ص: ۲۹

(۱۱) خمینی، آیت روح اللہ امام خمینی، ولایت فقیہ، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، امور بین الملل، تہران، ص: ۱۲۷

(۱۲) خمینی، روح اللہ، وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸ء، ص:۲۱، ۲۲

(۱۳) بزرگی، احمد جہاں، اما خمینی کا سیاسی نظریہ، مترجم: عبدالستار، نورالہدیٰ ٹرسٹ اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص:۵۳

(۱۴) صحیفہ نور، ج ۴، ص:۲۳۴

(۱۵) بزرگی، احمد جہاں، امام خمینی کا سیاسی نظریہ، ۲۰۱۱ء، ص:۵۸

(۱۶) ایضاً، ص:۱۹۵

(۱۷) خمینی، روح اللہ، الحکومۃ الاسلامیہ، کتاب خانہ بزرگ اسلامی، ایران، تہران، خیابان شہید احمد احمدی، بلاک ۲۲۱، س ن، ص:۴۱، ۴۲

(۱۸) ایضاً، ص:۴۱

(۱۹) صحیفہ نور، ج ۴، ص:۱۶۶

(۲۰) خمینی، روح اللہ، وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸ء، ص:۱۷، ۱۸

(۲۱) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۹، جولائی، اگست ۱۹۹۳، ص:۳

(۲۲) سورہ سباء آیت:۴۶

(۲۳) خمینی، روح اللہ، جہاد اکبر، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۴۱۱ھ، ص:۵۱

(۲۴) صحیفہ نور، ج ۱۵، ص:۲۱۹

(۲۵) خمینی، روح اللہ، وحدت اسلامی، (مترجم: ثاقب نقوی) موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۴۱۳ھ، ص:۵۱

(۲۶) خمینی، روح اللہ، کوثر (خطباتِ امام خمینی)، ج ۱، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۹۹۶ء، ص:۳۹۶

(۲۷) خمینی، روح اللہ، وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸ء، ص:۳۳، ۳۴

(۲۸) کلمات قصار، ص:۱۰۵

(۲۹) خمینی، روح اللہ، وحدت اسلامی عصرِ حاضر میں، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، تہران، رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ، ص:۱۱۰

(۳۰) ایضاً، ص:۱۰۱

(۳۱) خمینی، روح اللہ، رسالہ نوین۔۴۔ مسائل سیاسی وحقوقی، (ترجمہ وتوضیح: عبدالکریم بی آزاد شیرازی) ،موسسہ انجام، تہران، ۱۳۶۰ش (۱۴۰۱ھ) ص:۱۴۶

(۳۲) صحیفہ نور، ج ۱۲، ص:۲۵۹

(۳۳) پیژن شہرامی، ''اسلامی مکاتب فکر کے درمیان اتحاد کی ضرورت''، امام خمینی اور احیائے فکر دینی (مجموعہ ہائے مقالہ) امام خمینی اور احیائے فکر دینی، ج ۳، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، طبع دوم، ص:۲۹۵

(۳۴) صحیفہ نور، ج ۱۹، ص:۱۴

(۳۵) ایضاً، ص:۱۳، ۱۴

(۳۶) ایضاً، ج ۵، ص:۲۲

(۳۷) ایضاً

(۳۸) فلسطین امام خمینی کی نظر میں، ص:۲۲۵

(۳۹) خمینی، روح اللہ، القضیة الفلسطينيه، موسسہ تنظیم ونشر الاثار الامام خمینی، قسم الشؤ ه دولیة، (طبعة الرابع)، ۱۴۲۶ق، ص:۲۴۲

(۴۰) ایضاً

(۴۱) ایضاً، ص:۲۴۳

(۴۲) کوثر، ج ۱، خطبات امام خمینی، ص:۳۷۵

(۴۳) ایضاً، ص:۲۸۶

(۴۴) پیژن شہرامی، ''اسلامی مکاتب فکر کے درمیان اتحاد کی ضرورت''، امام خمینی اور احیائے فکر دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)، ج ۳، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، طبع دوم، ص:۲۹۳

(۴۵) کلمات قصار، پندھا وحکمت ھا، امام خمینی موسسہ تنظیم ونشر آثار، ص:۱۴۷

(۴۶) خمینی، روح اللہ، القضية الفلسطينيه، ص:۱۷۷

(۴۷) خمینی،روح اللہ،القضیة الفلسطینیه،ص:۱۸۵
(۴۸) خمینی،روح اللہ،وحدت اسلامی،موسسہ تنظیم ونشرآثار امور بین الملل ۱۴۱۳ھ،ص:۱۱۵
(۴۹) خمینی، روح اللہ، اسلام ناب درکلام و پیام، موسسہ تنظیم ونشر آثار امور بین الملل ،۱۳۷۴ش، بمطابق ۱۹۹۵،ص:۱۲۰
(۵۰) ایضاً،ص:۴۸
(۵۱) ایضاً،ص:۲۹۸
(۵۲) ایضاً،ص:۱۵۲
(۵۳) ایضاً،ص:۲۵۳
(۵۴) ایضاً،ص:۲۸۳
(۵۵) فاطمہ رجبی،''معاشرتی زندگی میں عورت کے حقوق اور اعلیٰ مقام پر یقین اور اجتماعی تعلقات میں تسلط پسندانہ سوچ کی نفی،''امام خمینی اوراحیائے فکر دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)،ج۳،ص:۱۷۴
(۵۶) ایضاً،ص:۱۷۴،۱۷۵
(۵۷) مشمولہ:وحدت اسلامی،دفتر کلچر قونصلر سفارت خانہ اسلام آباد،شمارہ:۹۸،جولائی ۱۹۹۲ء،ص:۷۸
(۵۸) مرتضیٰ مطہری،ایران اور مصر میں کتب سوزی،مترجم:سید عارف نوشاہی،مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان،اسٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی، جولائی ۱۹۸۱ء،ص:۳۲
(۵۹) مشمولہ:وحدت اسلامی،شمارہ:۹۸،جولائی ۱۹۹۲ء،ص:۸۰
(۶۰) صحیفہ نور،ج۹،ص:۳۱
(۶۱) مشمولہ:وحدت اسلامی،شمارہ:۹۶،اپریل،مئی ۱۹۹۳ء،ص:۵۸
(۶۲) خمینی،روح اللہ،وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینی،موسسہ تنظیم ونشرآثار امام خمینی،تہران،۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸ء،ص:۶۶
(۶۳) اشرف جناتی،''مسلمان عورت کی شخصیت کا احیاء اور امام خمینی،'امام خمینی اور احیائے فکر دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)امام خمینی اوراحیائے فکر دینی،ج۲،ص:۱۱۰
(۶۴) ایضاً
(۶۵) صحیفہ نور،ج۲،ص:۲۷

(۶۶) ایضاً،ص:۴۴

(۶۷) مشمولہ: مجلّہ توحید قم، ج ۷،شمارہ:۴،ص: ۱۴۸

(۶۸) صحیفہ نور، ج ۱۲،ص:۷۲

(۶۹) مشمولہ: مجلّہ توحید، ج ۷،شمارہ:۴،ص:۱۵۲

(۷۰) مشمولہ: مجلّہ توحید، ج ۷،شمارہ:۴،ص:۱۵۷

(۷۱) ایضاً،ص:۱۶۱

(۷۲) ایضاً،ص:۱۶۲

(۷۳) خمینی، روح اللہ،صحیفہ نور، ج ۱۰،انتشارات شرکت سہامی چاپ خانہ، وزارت ارشاد اسلامی، ایران، ۱۳۶۱ش، بمطابق ۱۹۸۲ء،ص:۷۸

(۷۴) مشمولہ: مجلّہ توحید، ج ۷،شمارہ:۴،ص:۱۶۵

(۷۵) کوثر، ج ۱،خطبات امام خمینی،ص:۱۹۰

(۷۶) ایضاً،ص:۱۹۰

ایضاً،ص:۱۹۲

(۷۷) ایضاً،ص:۱۹۲

(۷۸) صحیفہ نور، ج ۱،ص:۴۴

باب چہارم:

امام خمینی شاہانِ پہلوی ادوار میں

(الف) رضا خان پہلوی کا دور اور امام خمینی:

رضا خان پہلوی ۱۸۷۸ء میں ماژندران میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا ایرانی فوج میں افسر تھے جس نے افغانیوں کے خلاف جنگ میں نمایاں کارکردگی دکھائی تھی ان کے والد ماژندران کے ایک بڑی رجمنٹ کے کمانڈر تھے۔ اس رجمنٹ کا مستقر ماژندران میں ہی تھا۔ رضا خان ابھی چالیس دن کے ہی تھے ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ۱۴ سال کی عمر میں رضا خان کاسک بریگیڈ میں بھرتی ہو گئے۔ (۱) رضا خان تعلیم سے نابلد تھے یعنی ناخواندہ تھے کیوں کہ اس زمانے میں تعلیم پر دولت منداور مذہبی طبقے کی اجارہ داری تھی اور وہ اپنی من مانی کے لئے عوام کو اس دولت سے محروم رکھنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ رضا خان کے لئے سب سے مایوس کن بات یہ تھی کہ جس فوج کے وہ رکن تھے اس کے کمان غیر ملکی آفیسروں کے ہاتھ میں تھی۔ انہیں ایسے احکام کی تعمیل کرنی پڑتی تھی جو ایرانی پایہ تخت کے بجائے روسی پایہ تخت سے صادر ہوتے تھے۔ رضا خان نے اپنی بھرپور صلاحیت کے بل بوتے پر بہت جلد ترقی کی۔ ۲۲ فروری ۱۹۲۱ء کو ایرانی فوج کے ایک دستے کاسک بریگیڈ جس کی کمان رضا خان کر رہے تھے نے تہران پر قبضہ کرلیا اور یہ دستہ روسی فوج کے ماتحت تھا۔

مذکورہ کامیابی کے بعد رضا خان کو بے پناہ طاقت حاصل ہوئی۔ ۱۹۲۴ء میں اس وقت کے بادشاہ احمد شاہ کاجرانی نے انہیں وزیر اعظم بنالیا اور ملک کا نظم ونسق اس کے حوالے کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء میں پارلیمنٹ نے احمد شاہ قاجار کو معزول کر دیا۔ قومی اسمبلی رضا خان پہلوی کو جمہوری صدر بنانا چاہتی تھی مگر شیعہ مجتہدین اس پر رضامند نہ ہوئے کیونکہ اسی زمانے میں ترکی میں جمہوریت کا قیام اور سیکولر رجحانات سے ایران کے مذہبی رہنما خائف تھے اسی لئے انہوں نے خالص جمہوریت پر آئینی بادشاہت کو ترجیح دی۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۲۵ء کو مجلس ملی (قومی اسمبلی) ایران کے فیصلے کے مطابق رضا خان نے ایران کے شہنشاہ ہونے کا اعلان کیا اور رضا شاہ پہلوی کا لقب اختیار کیا۔ اس کے ساتھ ایران میں پہلوی بادشاہت کی بنیاد رکھی اور قاچار خاندان کی حکومت ختم ہوگئی اور پہلوی کی حکومت کی آئینی بادشاہت کا آغاز ہوا مگر ایران کی اس آئینی بادشاہت میں اقتدار اور اختیار کا سرچشمہ عوام نہ تھے، بلکہ بادشاہ ہی تھا۔ یہ آئینی بادشاہت اپنے عمل اور اصول دونوں کے اعتبار سے انگلستان کی آئینی بادشاہت سے بالکل مختلف تھی۔

۲۵اپریل ۱۹۲۶ءکورضا خان پہلوی کی باضابطہ طور پر رسم تاج پوشی ادا کی گئی۔ نئے بادشاہ نے مصطفیٰ کمال کی طرح ملی جلی حکمت عملی اختیار کی۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ۱۹۰۷ء میں ایک عوامی احتجاجی امر کی وجہ سے اس وقت کے بادشاہ محمد علی شاہ کو مجبور ہوکر بنیادی قانون میں ترامیم کی توثیق کرنی پڑی تھی۔اس وقت ایرانی آئین نے جہاں کہیں آزادی فراہم کی وہیں پارلیمنٹ کے ذریعے شاہ کے اختیارات محدود کر دیئے۔ پارلیمنٹ کو قانون سازی بجٹ سازی اور غیر ملکی قرضوں اور مراعات کی توثیق کرنے کے اختیارات دیئے گئے۔ واضح رہے کہ ایران میں ۱۹۰۷ء سے روس اور برطانیہ نے اپنا حلقہ اثر قائم کرلیا تھا اور دونوں ملکوں میں یہ طے پایا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے حلقے میں مداخلت نہیں کریں گے۔اس کے بعد دونوں ملکوں نے ایران میں فوجی مداخلت بھی کی شمال مغرب میں تبریز اور قزوین پر روس نے قبضہ کرلیا اور جنوب میں اصفہان تک برطانوی فوجیں قابض ہوگئیں، بہر حال ۱۹۰۸/۲۳ءکو محمد علی شاہ نے روسی فوج کی مدد سے پارلیمنٹ کا محاصرہ کیا اور دارالحکومت میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا اور روسی فوجی دستوں نے پارلیمنٹ برخاست کردی۔(۲) فدائیوں کے جو دستے پارلیمنٹ کی دفاع کے لئے جمع ہوئے تھے انہیں توپخانے کی مدد سے کچل دیا گیا، پارلیمنٹ کے بائیں بازو کے اراکین جمہوریت پسند انجمنوں کے متعدد رہنماؤں کو جنہوں نے شاہ پر تنقید کی تھی گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا یا پھانسی دے دی گئی۔اس طرح ترمیم شدہ آئین کا خاتمہ کر دیا گیا۔

۲۶/مارچ ۱۹۰۹ء میں بختیاری قبیلے کے سردار علی قلی خان کی قیادت میں تہران پر قبضہ کے بعد محمد علی شاہ قاجار کو حکومت سے معزول ہونا پڑا۔اس کی معزولی کے بعد اس کا بیٹا احمد شاہ ۱۹۲۵ء تک تخت نشین رہا۔۱۹۲۵ء میں رضا خان پہلوی نے آئینی باشاہت کے نام پر اقتدار تو سنبھالا مگر وہ مغرب کی طرف سے بہت مرعوب تھا اس بات کا اندازہ اس کی نافذ کردہ اصلاحات سے بخوبی لیا جاسکتا ہے، جو کہ حسب ذیل ہیں:

(۱) ۱۹۲۷ء میں ایران میں فرانس کا عدالتی نظام رائج کرنا۔

(۲) ۱۹۲۸ء میں ایرانی لباس کی جگہ کوٹ پتلون پہننا لازم قرار دیا گیا۔

(۳) ایک نئی طرز کی ٹوپی جس کو پہلوی ٹوپی کہا جاتا تھا لازم قرار پائی۔

(۴) ۱۹۳۰ء میں ابتدائی اور ثانوی مدارس میں دینی تعلیم لازم نہ رہی۔

(۵) ۱۹۳۵ء میں عورتوں کے لئے اسلامی لباس اور پردہ بھی ممنوع قرار دیا گیا تھا علماء کی مخالفت اور خواتین کی مزاحمت کے باوجود پولیس نے ایرانی عورتوں کی چادریں زبردستی اتار دیں تھیں اور مشہد مقدس میں ان خلاف اسلام اقدامات کے خلاف مظاہرہ کرنے والے بہت سے مجتہدین وعلماء کو قتل وزخمی کر دیا گیا تھا۔

مندرجہ بالا اصلاحات کا نافذ کرنا رضا خان کے روشن خیال نظریات کی وجہ سے تھا۔امام خمینی وصیت نامہ میں تحریر کرتے ہیں کہ:

''رضا خان کے زمانے میں علماء کرام پر سختیاں کی گئیں، مذہبی لباس اتروائے گئے، جیلوں میں رکھے گئے، جلاوطن کئے گئے، توہین وتذلیل کی گئی، موت کی سزائیں دی گئی اور اس قسم کے دوسرے مظالم ہوتے گئے۔''(۳)

امام خمینی کی سوچ رضا خان پہلوی کے روشن خیال نظریات کے بالکل برعکس تھی۔ رضا خان پہلوی کے زمانے میں آپ اور آپ کے فرزند مصطفیٰ خمینی ایسے شاگردوں کی تربیت کیلئے جان توڑ کوششیں کرتے رہے جو آئندہ تحریک کو آگے بڑھانے میں تعاون کرسکیں۔(۴) امام خمینی نے اس وقت شاہی حکومت، امریکہ اور اسرئیل کے منصوبوں اور سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لئے جو تقریریں کیں اور پیغامات دیئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی ذات عوام کے درمیان بڑے بیدار اور اعلم کی حیثیت سے نمودار ہونے لگی۔

دوسری جنگ عظیم چھڑ جانے پر جرمنی نے روس پر حملہ کر دیا۔انگریز اور اس کے اتحادی ایران کے راستہ روس کو سامان رسد پہنچانا چاہتے تھے۔اس سلسلے میں رضا خان ان کے راستے پر سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ چنانچہ شاہ کو اپنے بیٹے کے حق میں دستبردار ہونے پر مجبور کیا گیا۔اقتدار سے بے دخلی کے بعد شاہ جنوبی افریقہ چلے گئے جہاں انہوں نے جلاوطنی کے دوران ۱۹۴۱ء میں وفات پائی۔

دوسری عالمی جنگ کے دوران ایران پر حلیف ممالک نے قبضہ کیا تھا۔رضا خان پہلوی کی حکومت نے ۲۰ سال کے عرصے میں خطیر سرمایہ صرف کر کے فوج کو محض اس لئے مسلح کیا تھا تا کہ اس فوج کو اپنے ملک کے عوام کے خلاف استعمال کر سکے لیکن یہ فوج قابض طاقتوں کی یلغار کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئی۔رضا خان کے بیٹے محمد رضا (شاہِ ایران) نے انکشاف کیا ہے کہ رضا خانی فوج کے سپاہی مشقی گولیاں چلاتے ہوئے جارح طاقتوں سے مقابلہ کرنے سے پہلے ہی محاذ جنگ سے فرار ہوگئے تھے۔(۵)

(ب) محمد رضا شاہ پہلوی کا دور اور امام خمینی:

محمد رضا پہلوی ۲۶/اکتوبر ۱۹۱۹ء کو (تہران) میں پیدا ہوا۔(۶) ۱۹۳۹ء میں اسکی شادی شاہ مصر فاروقی کی بہن شہزادی فوزیہ سے ہوئی۔محمد رضا پہلوی ۲۲ برس کی عمر میں تخت نشین ہوئے۔نوجوان بادشاہ کے عہد کے ابتدائی دور میں ایران داخلی سیاست کے لحاظ سے پرامن رہا۔ان کے والد کے دور میں ایران میں سیاسی پارٹیوں پر پابندی تھی محمد رضا پہلوی کے دور میں یہ پابندیاں ختم کردی گئی اور ایران میں کئی سیاسی جماعتیں وجود میں آگئیں۔ان

جماعتوں میں ایک کمیونسٹ پارٹی بھی تھی جس کا نام تودہ پارٹی یا عوامی پارٹی (※) تھا۔ اس پارٹی کے ایک رکن نے ۱۹۴۹ء میں شاہ ایران پر حملہ کیا اور اسے قتل کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے یہ پارٹی کالعدم قرار دی گئی۔ ایران میں ایک برطانوی کمپنی نے ۱۹۰۷ء میں تیل دریافت کئے تھے تیل کی برآمد سے ایران اور اس کمپنی کو بے پناہ فائدہ ہوا مگر کمپنی چونکہ ایران کے مقابلے میں زیادہ فائدہ حاصل کر رہی تھی اس لئے اب ایرانی عوام کمپنی سے ایک نیا معاہدہ کرنے کے خواہاں تھے تاکہ بڑھتے ہوئے منافع میں ایران بھی شریک ہو سکے۔ کمپنی اور ایران کے درمیان یہ کشمکش اتنی بڑھی کہ ایران کے رکن اسمبلی ڈاکٹر محمد مصدق نے جو قومی محاذ پارٹی کے رہنماء بھی تھے مطالبہ کیا کہ تیل کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے اس مطالبے کے ساتھ ہی ملک میں ہنگامے شروع ہو گئے۔ ان ہنگاموں کے دوران مارچ ۱۹۵۱ء کو وزیر اعظم رزم آرا کو قتل کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ تیل کو قومی ملکیت میں لینے کے خلاف تھے عین ہنگاموں اور شورشوں کے دوران ۲۹/اپریل ۱۹۵۱ء کو ڈاکٹر محمد مصدق کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ (۷) اسی دوران قومی اسمبلی نے ایک بل کے ذریعے اتفاق رائے سے تیل کی صنعت کو قومی ملکیت میں لے لیا۔

۱۰/اگست ۱۹۵۳ء کو ڈاکٹر مصدق نے استصواب رائے کے ذریعے بادشاہت ختم کرنا چاہا مگر شاہ ایران نے جوابی کارروائی کر کے ڈاکٹر مصدق کو وزارت عظمیٰ سے برخاست کر دیا اور جنرل زاہدی کو نیا وزیر اعظم نامزد کیا۔ جنرل زاہدی نے ۲۰ اگست کو ڈاکٹر مصدق کو گرفتار کیا اور ان پر مقدمہ چلایا۔ جنرل زاہدی کو مصدق کو کچلنے کا موقع امریکہ ہی نے دیا تھا چونکہ امریکہ نے فدایان اسلام پارٹی اور ڈاکٹر مصدق کے درمیان اختلافات پیدا کر دیئے تھے۔ کیونکہ تیل کو قومی ملکیت میں لئے جانے کی اس تحریک میں کمیونسٹ پارٹی اور فدایان اسلام کا ہاتھ تھا۔ ملک میں مصدق نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ تہران میں ۷/اگست ۱۹۵۳ء کو شاہی خاندان کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ پھر اگلے دن ۱۸/اگست کو شہنشاہ کے حق میں مظاہرے ہوئے جو امریکیوں نے CIA کے ذریعے کروائے تھے۔ ۱۹۵۴ء میں برطانوی آئل کمپنی اور شاہی حکومت کا معاہدہ ہوا اس نئے معاہدے کے تحت تیل کے منافع میں ایران کا حصہ پہلے سے زیادہ ہو گیا۔ اپریل ۱۹۵۵ء کو وزیر اعظم زاہدی مستعفی ہو گئے۔ اب

※ ایران کی قدیمی اور معروف ترین مارکسسٹ، لیننسٹ پارٹی جو ۱۹۲۰ء میں قائم ہوئی اور ۱۹۴۲ء میں تودہ پارٹی کے نام سے اپنی کارروائی کا آغاز کیا۔ اس پارٹی نے اپنی سرگرمیوں کے دوران روس کی جاسوسی تنظیم سے براہ راست رابطہ قائم کر کے ایسے مواقف اخذ کئے جن کے سبب ایرانی معاشرے میں ''وطن فروش'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ان مواقف میں سے اہم موقف یہ تھا کہ اس پارٹی ایران سے آذربائیجان اور کردستان صوبوں کو فوج کے ذریعے تقسیم اور شمالی ایران کے تیل کے امتیاز کو حکومتِ روس کے حوالے کرنے سے متعلق حمایت کی۔ ۱۹۸۳ء میں اس پارٹی کے روس کی جاسوسی خفیہ تنظیم ''کے، جی، بی'' اور فوجی اطلاعات کے ادارے ''جی، آر، یو'' کے ساتھ رابطے کے انکشاف کے بعد اس کی مرکزی کمیٹی کے سربراہوں کو گرفتار کر کے اس کے خفیہ گینگ کو تباہ کر دیا گیا۔

شاہی حکومت نے مختلف اصلاحات سے ایران کی داخلی حالت سدھرنے کی کوشش کی۔(۸) شاہ کی نافذ کردہ اصلاحات کو بیان کرنے سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ شاہ کی خفیہ پولیس ساواک کے بارے میں تجزیہ وتحلیل کریں۔ ساواک اسپیشل پولیس کی تنظیم ۱۹۵۳ء میں امریکی ادارے CIA کے خطوط پر کی گئی تھی ۱۹۳۷ء میں ''سازمان اطلاعات وامنیت کشور'' کے نام پر تنظیم قائم کی گئی تھی اور اسی کا مخفف ساواک تھا۔ ساواک کے سربراہ کا عہدہ نائب وزیراعظم کے برابر ہوتا تھا اور اس کو شاہ خود مقرر کرتا تھا۔

ساواک کا پہلا سربراہ تیمور بختیار تھا جس نے ۱۹۵۳ء میں فوجی گورنر کی حیثیت سے عوام پر بے انتہا مظالم ڈھائے۔ بالآخر پیرس میں اس کی لاش ملی جو خون سے لت پت تھی۔ ساواک کے دوسرے سربراہ حسن پاک رواہ تھا اسے اس وقت برطرف کردیا گیا جب ۱۹۶۵ء میں شاہ پر کسی سپاہی نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔

ساواک کا اگلا سربراہ جنرل نعمت اللہ نصیری تھا جو تہران کا فوجی گورنر تھا اور جون ۱۹۶۳ء میں ہونے والے شورش کو دبانے میں اہم کردار ادا کرچکا تھا جس کے بارے میں ہم تفصیلی بحث اگلے مرحلے میں کریں گے۔ نعمت اللہ نصیری اگلے ۱۳ برس تک ساواک کا سربراہ رہا۔ ساواک کا دائرۂ عمل ایران تک محدود نہ تھا بلکہ ساواک کی شاخیں ہر اس ملک میں موجود تھیں جہاں ایرانی طلباء تعلیم حاصل کررہے تھے یا جہاں ایرانیوں کی کوئی آبادی ہوتی تھی۔ ساواک طالب علموں سے بھی مخبری کے خدمات حاصل کرتی تھی۔ ان مخبروں کے ڈر سے ایرانی طلباء جرمنی، برطانیہ، فرانس اور امریکہ میں شاہ کے خلاف مظاہرہ کرتے وقت چہروں پر نقاب اوڑھ لیتے تھے تاکہ مخبروں کی نظر سے بچ سکیں، ساواک والے جس سے چاہتے تھے اسے بلا وارنٹ گرفتار کرسکتے تھے اور جب تک چاہتے بلا جواز اپنی حراست میں رکھ سکتے تھے۔ ملزموں کو وکیل صفائی کرنے کی اجازت بھی نہ تھی اور نہ ہی ان عدالتوں کے فیصلے کو کسی اعلیٰ عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا تھا اور نہ ہی ان کے خلاف اپیل کی جاسکتی تھی۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق ساواک کی دی گئی سزاؤں میں کوڑے مارنا، بجلی کے جھٹکے لگانا، ناخن نکالنا، دانت توڑنا، ملزم کو لوہے کی تپتی ہوئی گرم چادر پر لٹانا، خواتین ملزموں کی عصمت دری کرنا، جسمانی اذیت جیسی غیر معمولی سزائیں عام تھیں۔

رضا شاہ پہلوی کی نافظ کردہ اصلاحات کا جائزہ:

۱۔ محمد رضا شاہ نے ۱۹۵۹ء میں لیبر قانون نافذ کیا جو ہٹلر کے لیبر قوانین کا چربہ تھا۔ اس قانون کے تحت مزدوروں کو اپنے مطالبات منوانے کے لئے جلسے جلوس اور ہڑتال کرنے کی بالکل اجازت نہ تھی۔

۲۔ ایشیاء کے ملکوں کے فیصلے کے خلاف شاہ نے اسرائیل کی حکومت کو تسلیم کیا اور تیل بھی فراہم کیا جاتا رہا۔

۳۔ شاہی فوج کے اعلیٰ افسروں کی تربیت اسرائیل میں ہوتی رہی۔

۴۔ ۱۹۶۲ء میں وزراء کی کابینہ نے وزیراعظم میر اسداللہ علم کی صدارت میں ایک اجلاس منعقد کیا اور صوبائی اور ریاستی کونسلز کی قرارداد منظور کی۔ اس قرارداد کے مطابق انتخابات کیلئے امیدواروں اور رائے دہندگان کے مسلمان ہونے کی لازمی شرط حذف کردی گئی اور قرآن کریم کی قسم اٹھانا بھی لغو قرار پایا۔(۹)

۵۔ قرآن کریم کے ذریعے حلف اٹھانے کا قانون تبدیل کردیا گیا۔

۶۔ ۱۹۶۲ء میں قانون اصلاحات اراضی کا مسودہ پیش کیا گیا جس کی رو سے کوئی بڑا جاگیردار ایک مقررہ حد سے زیادہ اپنی اراضی کا مالک نہیں رہ سکتا تھا۔ البتہ اس قانون میں جاگیرداروں کے اثرونفوذ سے اس قدر تبدیلی کی گئی کہ اصل قانون مسخ ہوکر رہ گیا اور منظور شدہ قانون زمینداروں اور جاگیرداروں کا محافظ ثابت ہوا۔

۷۔ بادشاہ نے اسلحہ کی خریداری پر روپیہ پانی کی طرح بہایا اور ہتھیاروں کا اتنا وسیع ذخیرہ جمع کرلیا جو کام میں نہیں آسکتا تھا۔

۸۔ ۱۹۷۴ء میں شاہ نے ایران کے کلینڈر میں تبدیلی کی اور اپنی حکومت کے ۳۵ ویں سال کی نسبت سے ایک شاہی کیلنڈر جاری کیا۔

محمد رضا شاہ کی نافذ کردہ اصلاحات اور حکمت عملیاں عام آدمی اور متوسط طبقے کے لئے ناقابل برداشت تھیں پھر یہ کہ اعلیٰ طبقہ کی خوشحالی سے ایران میں وہ تمام معاشرتی برائیاں عام ہوگئیں جو دولت کا نتیجہ ہوتیں ہیں شاہ ایران کی دیگر حکمت عملیوں نے معاشرے میں اسلامی اقتدار کو فروغ دینے کے بجائے مغربی تہذیب اور مادیت فروغ دیا اور تہران کو ایشیاء کا پیرس کہا جانے لگا۔ امام خمینی اپنے وصیت نامہ میں رقمطراز ہیں:

''استعمار اور استحصال کرنے والی بڑی طاقتوں کے ان شیطانی منصوبوں میں سے ایک جس پر برسہابرس عمل ہورہا ہے اور ایران میں رضا خان کے زمانے میں یہ منصوبہ اپنے عروج پر پہنچا ہوا تھا اور محمد رضا کے زمانے میں بھی مختلف طریقوں سے اس کو جاری رکھا گیا...... محمد رضا نے علماء کرام کو گوشہ نشین کرنے کیلئے دوسرے پروگراموں اور کوششوں سے کام لیا۔ منجملہ یونیورسٹی کے اراکین اور علمائے دین کے درمیان دونوں طبقوں کی لاعلمی کے سبب عداوت ونفرت کا جذبہ پیدا کردیا اور اس ضمن میں وسیع پیمانے پر پروپیگنڈے ہوئے اور مقام افسوس ہے کہ سپر طاقتوں کو اپنی شیطانی سازشوں سے خاصا فائدہ ہوا۔''(۱۰)

رضا شاہ پہلوی اچھی طرح جانتا تھا کہ روح اللہ خمینی اسلام کو صرف عبادت تک محدود نہیں سمجھتے بلکہ ان کے

نزدیک ظلم واستبداد کیخلاف جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض اولین ہے۔رضا شاہ کے ساتھ CIA اور صیہونی تنظیموں کے وہ ایجنٹ بھی امام خمینی کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ سے حواس باختہ تھے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایرانی عوام کے خلاف نت نئے طریقہ تیار کرنے میں مصرف تھے۔اس صورت حال میں امام خمینی نے ایرانی عوام کو واضح الفاظ میں متنبہ کیا کہ اگر تم اسلامی نظریات کی روح سے پوری طرح واقف ہو اور قرآن کریم کی ابدی صداقت کو حقیقتاً محسوس کرتے ہو تو اس ذلت آمیز غلامی سے نجات حاصل کرنے کا تمہارے پاس ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ حرکت کا راستہ ہے۔

انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ عقلِ انسانی جس حکومت کو حق بجانب تسلیم کرتی ہے وہ صرف حکومت الٰہیہ ہے آپ کہتے ہیں:''میں یہ نہیں کہتا کہ حکومت صالح صرف فقاہت کی مرہون منت ہے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حکومت کے نظام کی بنیاد قانون خداوندی پر ہونی چاہئے تا کہ وہ ملک وملت کے لئے ایک فلاحی ادارہ ثابت ہو سکے۔''(۱۱) ظاہر ہے کہ ایسی حکومت کی تشکیل فقیہ اور روحانیت کے بغیر ناممکن ہے۔

۱۹۷۹ء کے اسلامی انقلاب کا پس منظر:

۱۹۶۲ء کا سال ایرانی قوم کی مذہبی جد وجہد کا ایک نیا دور کہا جا سکتا ہے۔اس سال علماء خاص طور سے امام خمینی کی طرف سے حکومت کی پالیسیوں کے خلاف شدید تنقید کے بعد کچھ ایسے واقعات پیش آئے جنھوں نے علماء کو شہنشاہ کی حکومت کے سامنے لا کھڑا کیا۔امام خمینی کی تحریک ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۳ء تک کے عرصے میں اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی۔(۱۲) ستمبر ۱۹۶۲ء میں وزیر اعظم اسد اللہ علم کی طرف سے انجمن ہائے ایالتی وولایتی کے نام سے صوبائی اور علاقائی کونسلوں کے لئے قانون کی منظوری کے لئے بل پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ان انجمنوں کو جو کام سپرد کیا گیا ان میں اہم ترین کام خواتین کو ووٹ دینے کے لئے آمادہ کرنا تھا۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ انجمن ہائے ایالتی وولایتی کے اعلان سے پہلے اس تصویب نامہ کا متن جو پہلے بھی اخبارات میں شائع ہوا تھا،حکومت نے اس قانون میں منتخب ہونے والوں اور منتخب کرنے والوں میں اسلام کی شرط ختم کر دی اور امانت ودیانت کے حلف نامہ سے قرآن مجید کا لفظ نکال کر اس کے جگہ آسمانی کتاب پر حلف لازمی قرار دیا گیا۔

ان تبدیلیوں سے پہلے قانون کی شق نمبر ۹ کے مطابق صوبائی اور مقامی کونسلوں میں منتخب ہونے والوں اور انتخاب کرنے والوں کے شرائط کے مطابق قومی اسمبلی کے انتخاب میں امیدواروں کے لئے ضروری تھا کہ وہ دین اسلام پر کاربند ہوں اور قانون کی شق نمبر ۱ کے مطابق قومی اسمبلیوں کے نمائندوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ قرآن

مجید پر حلف اٹھائیں۔(۱۳)

اس تغیر وتبدل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ شاہ کا مقصد اساس قرآن اور تقدس مذہبی سے انحراف کرنا ہے اور وہ اس تحریف کا سہارا لے کر مملکت کے انتہائی حساس عہدوں پر ایسے افراد کو فائز کرنا چاہتا تھا جن کا تعلق اقلیتی مذہب سے تھا تا کہ ایران کے بنیادی قوانین میں ایسی ترمیم کی جاسکیں جس سے وہ راہ ہموار ہو جائے جس پر چل کر شاہ صیہونیت کے ساتھ اپنے رشتوں کو برقرار رکھتے ہوئے شہنشاہیت کی بنیادوں کو نا قابل شکست بنا سکے۔ان انجمنوں کو جو سیاسی اور سماجی خدمات سپرد کر دی گئیں ان میں اہم ترین خدمت یہ تھی کہ ایران کی خواتین کو ان کی محرومی اور پسماندگی کا احساس دلایا جائے اور اس کی تمام تر ذمہ داری ایران کے قانون اساسی اور اسلام پر ڈال دی جائے تا کہ ایرانی خواتین اسلام سے بدظن ہو کر ان انجمنوں کے پرچم تلے جمع ہو جائیں۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے خواتین کو نہ صرف ووٹ دینے کے لئے حق رائے دہی سے سرفراز کیا گیا بلکہ ان کو مردوں کے برابر حقوق دلانے کا دلکش وعدہ بھی کیا گیا اور آزادی نسواں کے نعرے کے تحت ملک گیر پیمانے پر اس مہم کو مقبول عام بنانے کا آغاز کر دیا گیا۔

امام خمینی نے انجمن ہائے ایالتی وولایتی کا تصویب نامہ شائع ہوتے ہی فوری طور پر قم کے اعلیٰ ترین علماء کا اجلاس طلب کر لیا جس کی پہلی نشست شیخ عبدالکریم حائری کے مکان پر ہوئی۔اس نشست میں امام خمینی نے اس تصویب نامہ کے سیاق وسباق پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کو ایران اور مسلمانان ایران کی بربادی کا نقشہ قرار دیا اور بتایا کہ منشور انتخاب سے امیدواروں اور رائے دہندگان کے شرائط میں سے شرط اسلام کا حذف کیا جانا اور متعلقہ حلف نامہ سے قرآن کا لفظ نکال کر اس کی جگہ آسمانی کتاب کے الفاظ درج کرنا اسلام کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔لہٰذا اس خطرناک صورت حال سے نمٹنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام علماء زعمائے ایران نیز ایران کے عوام کو اس سے آگاہ کیا جائے اور متنبہ کیا جائے کہ اگر ان قریب الوقوع خطرات کا مقابلہ کرنے میں ذرا بھی غفلت یا سستی سے کام لیا گیا تو نہ صرف ایران کے مسلمان تباہی سے ہمکنار ہو جائیں گے بلکہ تمام اسلامی ممالک کی آزادی خطرے میں پڑ جائے گی۔

امام خمینی کی تجویز پر ان تمام علماء نے جو اس وقت اجلاس میں شریک تھے بہ اتفاق حسب ذیل تجاویز منظور کر لیں۔

(i) رضا شاہ کو ایک تار ارسال کیا جائے جس میں واضح طور پر بتایا جائے کہ علمائے اسلام اس تصویب نامے کی مذمت کرتے ہیں اور اس کو فوری طور پر مسترد کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

(ii) مقامی اور غیر مقامی علماء کو ان خطرات سے مطلع کیا جائے جو اس تصویب نامہ کے اجراء سے اسلام اور ملت ایران کو درپیش ہیں اور انہیں بھی اس کے خلاف جدو جہد میں عملی شرکت کرنے کی دعوت دی جائے۔

(iii) باہمی مشورہ اور حالات پر تبادلہ خیال کرنے کے لئے ہفتہ میں ایک بار اور اگر ضروری ہو تو کئی بار علمائے قم کا اجلاس منعقد کیا جائے اور جب تک اس تصویب نامہ کے خلاف جنگ جاری رہے اس سلسلے میں متحد اور متفقہ کوشش جاری رکھی جائے۔

امام خمینی نے اس اجلاس میں یہ تجویز بھی پیش کی کہ اس تار کے متن کو اخبارات میں بھی شائع کیا جائے، تا کہ دیگر علماء اور روحانی پیشوا نیز ایران کے عوام اس تصویب نامہ کے مضمرات سے واقفیت حاصل کر سکیں اور انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس سلسلے میں اسلامی رہنماؤں کے نظریات کیا ہیں اور وہ کیا حکمت عملی عمل میں لا رہے ہیں۔

لہٰذا اس تصویب نامہ کے خلاف علمائے قم کی طرف سے رضا شاہ کو تار ارسال کیا گیا۔ ارسال کردہ تار مقررہ وقت پر ایران کے تمام جرائد میں اشاعت پذیر ہوا اور ایران کے علماء اور عوام اس تار کے متن سے پوری طرح باخبر ہو گئے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس تار کا متن جو "نو دستخطوں کا اعلامیہ" کے نام سے مشہور تھا۔ اس سے خود امام خمینی نے لکھا جس پر قم کے صف اول کے ۹ مراجع اور علماء کے دستخط تھے جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ مرتضٰی الحسینی اللنگرودی
۲۔ احمد الحسینی الزنجانی
۳۔ محمد حسین طباطبائی
۴۔ محمد حسین الموسوی الیزدی
۵۔ محمد رضا الموسوی الگلپائیگانی
۶۔ سید کاظم شریعتمداری
۷۔ روح اللہ الموسوی الخمینی
۸۔ عاشمی الاملی
۹۔ مرتضٰی الحائری (۱۴)

آیت اللہ خمینی کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس تصویب نامہ کی مخالفت اس بنا پر نہیں کی تھی کہ اس میں آزادی نسواں کا ذکر تھا لہٰذا اس سلسلے میں وہ اپنے نظریات کا اعلان ان الفاظ میں پہلے ہی کر چکے تھے:

"ہم خواتین کی ترقی کے مخالف نہیں ہیں ہم تو فحاشی و عریانی اور غلط کاموں کے مخالف ہیں۔ اس ملک میں جب مرد ہی آزاد نہیں تو خواتین کیونکر آزاد ہو سکتی ہیں کیا آزادی صرف الفاظ سے مل جاتی ہے۔" (۱۵)

بہر حال علماء کے اجلاس کے بعد شاہ کو علماء کی طرف سے ٹیلی گرام بھیجا گیا۔ شاہ نے علماء کے تار کا جواب

وزیراعظم اور حکومت پر چھوڑ دیا جب شاہ نے اس موضوع کو وزیراعظم اسداللہ علم کے حوالے کر دیا تو قم کے علماء نے اسے وزیراعظم کی حیثیت سے ٹیلی گرام بھیجے چند ہفتے تک علم کی طرف سے سکوت رہا تو امام خمینی نے ۶؍نومبر ۱۹۶۲ء کو شاہ کے نام ایک اور ٹیلی گرام بھیجا جس میں وزیراعظم علم پر آئین یا پارلیمنٹ اور علماء کی نصیحت سے بے اعتنائی کا الزام لگایا اور کہا: مجدداً به شما نصیحت می کنم که به اطاعت خداوند متعال و قانون اساسی گردن نهید و از تخلف از قرآن و احکام علمای ملت و زعمای مسلمین و تخلف از قانون بترسید و بدون موجب مملکت را به خطر نیاندازید و الا علمای اسلام درباره شما از اظهار عقیده خود داری نخواهند کرد (۱۶)'' میں ایک بار پھر تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ خداوند متعال اور آئین کی پیروی کیلئے اپنا سر خم کرو۔ قرآن مجید، علمائے قوم اور مسلمان عمائدین کے احکام کی خلاف ورزی کے سخت نتائج سے ڈرو، جان بوجھ کر بلا وجہ ملک کو خطرات سے دوچار نہ کرو، ورنہ علمائے اسلام تمہارے خلاف بولنے سے گریز نہیں کریں گے۔'' امام خمینی نے وزیراعظم علم کو ٹیلی گرام بھیجا تھا وہ کسی بڑے عالم دین کی شاہ اور اس کی حکومت کی پہلے سخت ترین ٹکر تھی۔ امام خمینی اور دیگر علماء کے سخت نظریات اور ایرانی عوام کے ردعمل پر وزیراعظم نے ۱۲؍نومبر ۱۹۶۲ء کی پریس کانفرنس میں ووٹ دینے والوں اور منتخب ہونے والوں کے لئے اسلام کی شرط اور قرآن کریم پر حلف اٹھانے کو قبول کیا۔

گو کہ بعض علماء حکومت کی طرف سے ۱۲؍نومبر کی پریس کانفرنس کو حکومت کی طرف سے معذرت شمار کرتے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ مسئلہ ختم ہوگیا ہے لیکن امام خمینی کی نظر میں یہ بات کافی نہیں تھی آپ اس بارے میں یہ نظریہ رکھتے تھے کہ اگر حکومت کی طرف سے قانون واپس لینے کا اعلان سرکاری سطح پر نہ کیا گیا تو علماء اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ امام خمینی کے اس نظریہ کے بعد کچھ بڑے تاجروں نے بھی امام خمینی کی مکمل حمایت کا اعلان کیا اور حکومت کو دھمکی دی کہ اگر علماء کے مطالبات پورے نہ کئے گئے تو قوم اس حکومت کو آگ لگا دے گی اور اس کی راکھ ایران کی سرزمین سے باہر پھینک دے گی۔ یکم دسمبر ۱۹۶۲ء کو اسداللہ علم نے پریس کانفرنس میں یہ قانون سرکاری سطح پر واپس لینے کا باقاعدہ اعلان کیا۔

۳؍دسمبر ۱۹۶۲ء کو قم میں امام خمینی نے ایک تقریر کے دوران شاہ اور وزیراعظم کو آئین کی مخالفت کا ذمہ دار ٹھہرایا جبکہ حکومت ان دنوں آئین ہی کا سہارا لے کر بات کرتی تھی آپ نے اپنی تقریر میں لوگوں کو آئین کی دوسری شق کے تتمہ کی طرف متوجہ کیا جس کی رو سے پارلیمنٹ کا کوئی بھی پاس کیا ہوا بل جب تک پانچ علماء اور مجتہدین جامع الشرائط (جس کی بحث ہم نے باب دوئم میں کی ہے) کی نظروں سے نہ گزرے اور اس پر ان کی

تائید نہ ہو قانونی حیثیت نہیں پا سکتا لیکن اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی بتایا سب سے جامع قانون اسلام ہے۔ امام خمینی کی تقریروں اور تعلیمات نے ایرانی عوام کو فکری طور پر بیدار کر دیا تھا کہ وہ اب رضا شاہ کے خلاف ہر عملی اقدام کرنے کو تیار تھے یہی وجہ تھی کہ شاہ نے جب عوام کی بدلی ہوئی حالت کا مشاہدہ کیا تو اس کو اپنے اقتدار کی بنیادیں ہلتی ہوئی نظر آنے لگیں اور اس خطرناک صورت حال سے نمٹنے کے لئے اپنے قدیم دوست امریکہ سے مشورہ طلب کیا۔ رضا شاہ کی درخواست پر امریکی سیاستدانوں نے ایک ایسا اصلاحاتِ ارضی ''انقلاب سفید'' کا منصوبہ پیش کیا جو بہت غور و فکر کے ساتھ تیار کیا گیا تھا اور شہنشاہ کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس منصوبے پر عملدرآمد کرنے سے نہ صرف ایران کا موجودہ خلفشار ختم ہو جائے گا بلکہ وہ چہرے بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے پس پردہ چلے جائیں گے جو اس خلفشار کا اصل سبب ہیں۔

رضا شاہ ان اصلاحات سے پہلے خود امریکہ گیا تا کہ امریکہ کے مقام سیاست سے آگاہی حاصل کر لے۔ رضا شاہ کے اس دورے پر فلیپ تالبوت جو امریکی امورِ مشرقِ وسطیٰ اور مشرق بعید کی وزارت خارجہ کا معاون خصوصی تھا نے کہا:

> ''مجھے امید ہے کہ رضا شاہ نے ایران میں شروع ہونے والی امریکہ کی ان اصلاحات کو پسند فرمایا ہوگا جو صدر جان ایف کینڈی کی مرضی کے مطابق ہیں اور جن کے لئے صدر موصوف نے آپ کو امریکہ کی زحمت دی ہے۔'' (۱۷)

شاہی حکومت اور امریکیوں کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اصلاحات ارضی کے بہانے سے کسانوں کے درمیان کچھ اس انداز سے زرعی اراضی تقسیم کی جائے کہ اس کے نتیجے میں کسانوں کے اندر کمیونسٹوں کی طرف متوجہ ہونے کا رجحان پیدا نہ ہو سکے۔ علاوہ ازیں اس پروگرام کے ذریعے یہ تاثر پھیلانے کی بھی کوشش کی جارہی تھی کہ جب کسانوں کو زرعی اراضی بطور ملکیت دی جائے گی اور ان کو یہ احساس ہوگا کہ وہ خود زمینوں کے مالک ہیں تو پھر وہ حکومت کے حمایتی بن جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی حکومت کی مخالفت نہیں کر سکے گا۔

وزیر اعظم اسد اللہ علم کی طرف سے ۸/۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء کا وہ قانون جس میں صوبائی اور مقامی کونسلوں کے انتخابات کا اعلان کیا گیا تھا ختم ہونے کے سرکاری اعلان کے ۳۹ دن بعد شاہ نے اصلاحات ارضی (انقلاب سفید) کے چھ اصول پر ریفرنڈم کروانے کا اعلان کر دیا۔

انقلابِ سفید کے (اصلاحاتِ ارضی) کے ریفرنڈم کا اعلان سن کر امام خمینی نے ان الفاظ میں اپنے ردعمل کا اظہار کیا۔

''انقلاب سفید کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایران قرآن اور اسلام سے دور ہو جائے اور تمام قوانین ختم ہو جائیں۔ فحاشی اور انارکی اس ماتم سرا کی گہرائیوں میں سرایت کر جائے جس کا نام ایران ہے اور حکومت کے بے حیثیت عمال اس گورستان کی چھاتی پر شان وشوکت اور عیش و عشرت کے ساتھ دندناتے رہیں۔'' (۱۸)

امام خمینی کے اس بیان کے وزن کم کرنے کے لئے ان اصلاحات کا آغاز اراضی شاہی سے کیا گیا ان کو ''قانون اصلاحِ اراضی'' کے نام سے موسوم کیا گیا اور امریکہ کی طرف سے شاہ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ ''سپاہ دانش'' ''سپاہ بہداشت'' ''سپاہ ترویج و آبادانی'' کے نام سے ایسے کارآمد جاسوس کی تنظیمیں قائم کرے جو دیہاتوں میں جا کر لوگوں کو یہ سمجھائیں کہ شاہ نے جو ''اصلاحاتِ اراضی'' نافذ کی ہیں وہ ان کے حق میں ہیں اور جہاں ان اصلاحات کا نفاذ عمل میں لایا جائے وہاں انقلابیوں کا راستہ بالکل مسدود کر دیا جائے۔

امام خمینی کے خیال میں اس ریفرنڈم سے شاہ کا اصلی ہدف ایران پر امریکی حکمرانی کا استحکام اور عوام کے حکومت پر دباؤ کو کم کرنا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اس ریفرنڈم کے اعلان کے فوراً بعد بزرگ علماء کا اجلاس طلب کیا اور اس چھ نکاتی پروگرام پر گفتگو کی اور انہیں بتایا کہ اس منصوبہ کے روبہ عمل آجانے سے اساسِ اسلامی اور جامعہ اسلامی کو عظیم خطرات کا سامنا کرنا ہوگا۔ نیز اس اجلاس میں علماء سے خطاب کرتے ہوئے یہ پیشگوئی بھی کی کہ اب جو حادثات رونما ہونے والے ہیں وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت سنگین ہونگے۔ اس اجلاس میں یہ طے پایا کہ شاہ کے نمائندے کو قم بلایا جائے تاکہ وہ انقلاب سفید سے شاہ کے مقصد کے علماء اور مجتہدین کے سامنے وضاحت کریں اور قم کے علماء کے نظریات کو بھی شاہ اور دوسرے برسر اقتدار افراد کے سامنے پیش کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور شاہ کی طرف سے دربار کا منتظم اعلیٰ ''بہبودی'' قم آیا اور اس نے امام خمینی اور دوسرے مجتہدین سے گفتگو کی لیکن اس کے آنے اور جانے کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا اور شہنشاہ کا چھ نکاتی پروگرام واضح نہ ہو سکا۔

رہبر انقلاب امام خمینی نے ایک بار پھر شہنشاہ کو خبردار کرنے کے لئے تمام علماء اور مراجع کی رائے سے آیت اللہ کمال وند کو جو لرستان کے بااثر عالم اور حوزہ علمیہ قم کے استاد تھے کو شاہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ انقلاب سفید کے ریفرنڈم کے بارے میں علماء کے نظریات اور عوام کے احساسات کو بھی اس تک پہنچائیں۔

لیکن آیت اللہ کمال وند کی شاہ سے ملاقات کا کوئی نتیجہ نہ نکلا سوائے اس کے کہ اس ریفرنڈم پر اعتراض سے بچنے کے لئے جیسا کہ کمال وند نے شاہ کو یاد دہانی کرائی تھی کہ قانونِ اساسی میں اس طرح کی باتیں نہیں تھی اور یہ غیر قانونی ہے۔ شاہ نے لفظ ریفرنڈم کی جگہ ''تصویب ملی'' رکھا اس کے بعد علماء نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ تمام علماء و

مراجع اعلامیوں کے ذریعے سے ریفرنڈم کی مخالفت کریں اور حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ سب سے پہلے اعلامیہ امام خمینی کی طرف سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا جس میں ریفرنڈم کو خلافِ اسلام قرار دے دیا گیا اور اعلان کیا گیا کہ:

''معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبردستی کا ریفرنڈم مذہب کے باقی ماندہ آثار کو ختم کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ علماء اسلام کا فرض ہے کہ جب بھی اسلام اور قرآن کے لئے خطرے کا احساس کریں تو لوگوں کو اطلاع دیں۔''(۱۹)

امام خمینی کا یہ اعلامیہ شہنشاہ ایران کے منصوبوں پر ایسی کاری ضرب ثابت ہوا جس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا امام خمینی کے اس اعلامیہ کے بعد دوسرے علماء اور دینی پیشواؤں نے بھی اعلامیہ شائع کرائے اور اپنے اعتراضات اور شرعی ذمہ داریوں کی اطلاع حکومت کو دی۔

امام خمینی کے اعلامیہ نے عوام میں ایک نئی روح پھونک دی۔ پورے ملک میں حکومت کے خلاف نفرت پھیل گئی۔ لوگوں نے مظاہرے شروع کئے۔ رضا شاہ کے انقلاب سفید کی اصلاحات اور ریفرنڈم کی مخالفت کی وجہ سے اکثر شہری خاص طور پر تہران، مشہد، کاشان، نجت آباد، آذربائیجان، اصفہان، کرمان، یزد، رفسنجان کے حالات ناسازگار تھے اور ان مقامات پر زبردست مظاہرے کئے جارہے تھے۔ نمونے کے طور پر ہم یہاں صرف تہران، قم اور مشہد کے مظاہروں کے بارے میں بحث کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

انقلابِ سفید کے ریفرنڈم کے خلاف تہران میں مظاہرے:

انقلاب سفید کے ریفرنڈم کے خلاف امام خمینی کے اعلان کے بعد تمام تہران میں مظاہروں کا طوفان برپا ہوگیا۔ ''ریفرنڈم اسلام کے خلاف ہے'' کے نعروں سے تہران کی فضا اس طرح گونجنے لگی کہ قصر شاہی کی بنیادیں متزلزل ہوگئیں اور علماء، دانشوروں اور عوام کا ایک سیلاب عظیم شہر کے بازاروں، شاہراہوں اور گلی کوچوں سے گزرتا ہوتا سہ راہ سیروس پر پہنچا جو اس اجتماع کا مرکز تھا۔

خوانساری، علماء اور روحانی پیشوا اس مظاہرے کی قیادت کر رہے تھے۔ ''نصر من الله وفتح قريب'' کے فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔ یہ وہ منظر تھا جس پر قابو پانے کے لئے حکومتی انتظامیہ مفلوج ہوچکی تھی۔ مظاہرین جلوس کی شکل میں خیابان بوزرجمہری عبور کرکے بہبہانی کے مکان پر پہنچا جو سہ راہ سیروس کے پاس تھا۔ بہبہانی نے علماء اور عوام کا استقبال کیا اسی دوران فلسفی مائیک پر آئے اور اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

''میں حاضرین جلسہ کو ان خطرات سے خبردار کرتا ہوں جو اس وقت اسلام، استقلال ایران اور

عالم اسلامی کو در پیش ہیں، اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس ریفرنڈم کا اصل مقصد کیا ہے تو فرطِ غضب سے دیوانے ہو جاؤ اس ریفرنڈم کا اصل مقصد یہ ہے کہ ایک بار پھر امام حسین کو قتل کیا جائے اور بی بی زینب کو اسیر بنایا جائے اور صحرائے کربلا کے واقعات کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔"(۲۰)

اس وقت شاہ کی فورسز وہاں موجود تھی اور وہ لوگوں پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی جس کے نتیجے میں لاتعداد افراد شدید زخمی ہوئے اور سینکڑوں افراد کو گرفتار کیا گیا۔ ان پر قانون شکنی کا الزام عائد کر کے نامعلوم مقامات پر قید کیا گیا۔ اسی اثناء میں پولیس کی مزید مدد بھی پہنچ چکی تھی جو ہتھیاروں اور اشک آور گیس اور بموں سے لیس تھی۔ پولیس نے مسجد کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس کے دروازے بند کر دیئے گئے اور اس طرح تمام مظاہرین کو عملی طور سے قید کر لیا جو اس وقت مسجد میں پناہ گزیں تھے۔ اس واقعے کے بعد خوانساری نے کسی سیاسی اجتماع میں شرکت نہیں کی نیز اس حادثہ کے بعد بہبہانی بھی جنہوں نے ۱۰ ہزار مظاہرین کے روبرو فلسفی کی وساطت سے بھرے مجمع میں یہ اعلان کیا تھا کہ بعد از نماز ظہر مسجد عزیز اللہ میں اجتماع ہوگا اور وہ اس اجتماع میں ریفرنڈم کے خلاف جذبات کا اعلان کریں گے اس دن ظہر کی نماز کے بعد اپنے گھر سے نہ نکلے۔ رضا شاہ کی پولیس نے خوانساری اور مظاہرین کے خلاف کاروائی اس لئے کی تھی کہ اس کو دیکھنے کے بعد اب امام خمینی سمیت کسی بھی روحانی پیشوا کو جرأت نہ ہوگی کہ وہ حکومت کے خلاف کسی مظاہرے میں شرکت کریں۔ اس کاروائی کے باوجود تہران کے لوگوں نے ریفرنڈم کے خلاف مظاہرے جاری رکھے جن میں یونیورسٹی کے دانشوروں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ شاہ نے اپنے مخالفین کو ہر قسم کی تحریک میں حصہ لینے سے باز رکھنے کے لئے تہران میں فوج متعین کر دی اور تمام بڑے میدانوں، شہر کے مرکزی علاقوں میں بکتر بند گاڑیوں، زرہ پوش مسلح سپاہیوں اور امدادی پولیس کی نقل و حرکت شروع ہوگئی۔

انقلابِ سفید کے ریفرنڈم کے خلاف قم میں مظاہرے:

انقلاب سفید کے ریفرنڈم کے اعلان کے بعد جس دن تہران میں مظاہرے ہو رہے تھے اسی دن قم میں بھی مظاہروں کا بازار گرم تھا۔ لہٰذا قم کے عوام اپنے کاروباری ادارے بند کر کے منازل علماء میں جمع ہوگئے۔ جہاں تک علماء کے ساتھ اپنی وفاداری کے عہد کی تجدید کی بات ہے تو امام خمینی نے انہیں یہ نصیحت کی کہ: آپ کاروبار بند کر کے اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں اور اس طرح اس غیر شرعی ریفرنڈم کے خلاف اظہار نفرت کریں۔ آپ نے باشندگان قم کو یہ مشورہ اس لئے دیا تھا کہ شاہ ان دنوں قم آنے والا تھا اور ساواک اور دیگر ایجنسیاں شاہ کی آمد کے

سلسلے میں جشن چراغاں کے انتظامات کرنے میں سرگرداں تھیں تاکہ قم میں شاہ کی آمد پر اس کے شاندار استقبال کا ڈھونگ رچایا جاسکے۔ امام خمینی اس موقع پر اہلیان قم کو ان سے دور رکھنا چاہتے تھے تاکہ شاہ کے جاسوس کسی بات کو بہانہ بنا کر کوئی فتنہ وفساد پیدا نہ کرسکیں۔ امام خمینی کی تاکید پر اس دن شہر کے تمام کاروباری مراکز بند ہو گئے۔ بازار وں اور سڑکوں پر انسانوں کی آمد ورفت معطل ہوگئی، یہاں تک کہ آپ نے شاہ کے استقبال کو حرام قرار دے دیا۔

رضا شاہ کی قم آمد:

رضا شاہ کی قم آمد کے وقت قم شہر فوجی چھاؤنی میں تبدیل ہو چکا تھا تمام شہر میں مسلح فوجیوں کا گشت جاری تھا۔ ہر راہ گیر پر کڑی نظر رکھی جارہی تھی۔ گلیوں، سڑکوں، میدانوں اور اونچی عمارتوں پر فوج کا مکمل کنٹرول تھا۔ علماء کے گھر، مدارس، علوم اسلامیہ اور شہر کے تمام حساس مراکز پولیس محاصرے میں تھے۔ جابجا پولیس کے سپاہی گھوم رہے تھے۔ ساواک کے تجربہ کار فوجی مشین گنوں سے لیس چوراہوں پر متعین تھے۔ اونچے میناروں سے مسلح فوجی راستوں کی نگرانی کررہے تھے۔ (آستانہ معصومہ) کے میدان میں سادہ لباس میں کمانڈوز اور فوجی 'شاہ دوست قم' اور شاہ زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے لیکن شہریوں کی آمد ورفت کا سلسلہ بالکل منقطع ہو چکا تھا۔ میدان آستانہ اور مدرسہ فیضیہ جہاں روحانی پیشواؤں اور زائرین کا جھمگٹ لگا رہتا تھا، اس دن بالکل سنسان نظر آرہے تھے۔

صرف روحانی پیشواؤں اور علماء ہی نے شاہ کے استقبال کا مقاطعہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ لوگ بھی اپنے گھروں میں ہی تھے جو شاہ کے طرفدار تھے۔ اس کی وجہ یہی بتائی جاتی ہے کہ امام خمینی نے شاہ کے استقبال کو حرام قرار دیا تھا۔

شاہ نے اپنی آمد پر شہر کی یہ حالت دیکھی تو اس قدر مشتعل ہوا کہ قم سے واپسی پر اس نے آستانہ قم کی توسیع ختم کردی۔ وہ دیکھ رہا تھا نہ صرف قم کے علماء اس کا استقبال کرنے سے متنفر ہیں بلکہ یہاں کے تمام شہریوں کا یہی حال ہے۔ قم کے ان حیرت ناک مناظر دیکھ کر شاہ بالکل بدحواس ہوگیا۔ شاہ نے قم میں اپنی ایک تقریر میں انقلاب سفید کا فلسفہ تمام قوانینِ آسمانی اور مختلف مکاتب فکر کے نمائندوں کے نظریات سے عمیق اور بالاتر قرار دیا اور اپنے زہد وتقویٰ کا اظہار کیا کہ دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو اس امر کا دعویٰ کرسکے کہ وہ خدا اور ائمہ کرام سے مجھ سے زیادہ قریب تر ہے۔

شاہ نے اس تقریر میں مصر کے صدر جمال عبدالناصر پر تنقید کی۔ اس تقریر کا اہم اقتباس کچھ یوں ہے:

''امام خمینی اپنی تحریک اسلامی جمال عبدالناصر کے اشارے پر چلا رہے ہیں۔ آج جو ایران میں خلفشار ہے اس کا اصل سبب مصر کا عبدالناصر ہے۔ میں نے ایران کے پندرہ ملین کاشتکاروں کو

زمین کی ملکیت عطا کی ہے۔ جبکہ ان آقاؤں کے لیڈر عبدالناصر نے پندرہ ہزار انسانوں کو سیاسی قیدی بنا کر جیلوں میں ڈال رکھا ہے۔ اس کے باوجود ان آقاؤں کا یہ خیال ہے کہ وہ ایران میں غلام ہیں اور مصر میں ہر شخص آزاد ہے۔" (۲۱)

بعدازاں شاہ نے علماء اور روحانی پیشواؤں کی شان میں گھٹیا زبان استعمال کرتے ہوئے ایران کے شہریوں کے لئے احمق اور بازاری الفاظ استعمال کیئے۔

مشہد میں انقلاب سفید کے ریفرنڈم کے خلاف مظاہرے:

تہران اور قم کے مظاہروں کی طرح ایران کے روحانی مرکز مشہد میں بھی انقلاب سفید کے ریفرنڈم کے خلاف زبردست مظاہروں کا بازار گرم رہا۔ مظاہرین اسے رضا شاہ اور امریکہ کی سرگرمیاں تصور کرتے تھے۔ حکومت کے ریغمال باشندگان مشہد کے احتجاجات سے سخت وحشت زدہ تھے۔ لہٰذا بگڑے ہوئے حالات پر قابو پانے کے لئے راتوں رات خراسان اور سیستان سے نیم فوجی بیرکوں سے ایسے فوجی دستے درآمد کیئے گئے جنہوں نے زندگی میں پہلی مرتبہ مشہد دیکھا تھا۔ مدارس دینی علماء کے گھر مسجد گوہر شاد اور شہر کے دیگر اہم مقامات کا محاصرہ کرلیا گیا۔ شہریوں کی آمد و رفت پر کڑی نظر رکھی جارہی تھی۔ رات کے وقت حکومت کے کارندوں نے با آواز بلند اعلان کیا کہ کل ریفرنڈم ہو رہا ہے عوام کو چاہئے کہ اپنا ووٹ ان صندوقوں میں ڈال دیں جو رضا شاہ کی اصلاحات کے موافقت میں ہیں۔ مخالفت کے صندوقوں میں ڈالنے سے گریز کریں۔ واضح رہے کہ عوام کی رائے معلوم کرنے کیلئے یہ صندوق زیادہ تر مدرسوں اور اسکولوں میں رکھے گئے تھے۔

مشہد جو مقامی اور باہر سے آنے والے زائرین نیز سیاحوں کا مرکز ہونے کے باوجود ریفرنڈم کے دن سنسان تھا۔ اس وقت شہر پر مکمل طور پر فوجی حکومت مسلط ہو چکی تھی۔ تمام شہر پر وحشت ناک سکوت طاری تھا۔ فوجی سپاہی اور ساواک کا یہ عالم تھا کہ انہیں جو شخص نظر آرہا تھا اس کو مجبور کر کے کہہ رہے تھے کہ رضا شاہ کے موافقت میں ووٹ دیں۔ اگر کوئی شخص مخالفت میں ووٹ ڈالنے کا ارادہ کرتا تو اس کو فوج اور ساواک کی دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

جیسا کہ ہم نے انقلاب سفید کے ریفرنڈم کے حوالے سے ایران کے تین شہروں کی صورت حال کو تفصیل سے بیان کیا۔ یہی صورت حال باقی شہروں میں بھی رہی جن کے نام ہم نے اس بحث کے آغاز میں لیا ہے۔ جن مقامات پر ریفرنڈم کیلئے ووٹنگ ہو رہی تھی وہاں سکوت کا عالم تھا۔ ساواک اور حکومت کے کارندوں کے علاوہ دوسرا شخص نظر نہیں آرہا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ ووٹ ڈالنے والے یا تو سرکاری ملازم تھے یا وہ لوگ تھے جن کو زبردستی ووٹ

ڈالنے پر مجبور کیا جارہا تھا۔ ویسے لوگوں کی بے توجہی نے حکومت کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ صندوقوں کو جعلی ووٹوں سے پر کریں۔

ریفرنڈم کا اعلان:

منتظمین نے ریفرنڈم کے نتائج کا اعلان کرتے ہوئے بتایا کہ ملت ایران کی غالب اکثریت نے شہنشاہ کے انقلاب سفید کے حق میں ووٹ دیا ہے اور صرف چار ہزار چار سو پچاس افراد نے مخالف میں ووٹ دیئے۔

حکومت کی طرف سے شاہ کی کامیابی کا اعلان ہوتے ہی سب سے پہلے مبارکباد کا تار امریکہ کے صدر کینیڈی کی طرف سے موصول ہوا جس میں موصوف نے اس پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے مبارک باد پیش کی اور اس کامیابی کو ملت ایران کے لئے نیک فال سے تعبیر کیا۔ (۲۲) اس کے بعد امریکہ کے نائب صدر جانسن کا تار موصول ہوا جس میں موصوف نے اسی طرح کے احساسات و جذبات کا اظہار کیا تھا۔ (۲۳)

علاوہ ازیں ایران میں متعین برطانیہ کے سفیر نے بھی شاہ سے ملاقات کی ملکہ برطانیہ کی طرف سے شاہ کو مبارکباد پیش کی گئی۔

شہنشاہ ایران کی طرف سے ریفرنڈم کی کامیابی کے اعلان کے بعد واشنگٹن پوسٹ نے خصوصی مقالات شائع کئے اور یہ تاثر دینے کی پوری پوری کوشش کی کہ انقلاب سفید پر عملدرآمد ہو جانے کے بعد ایران کے عوام غربت، افلاس اور جہالت سے مکمل طور پر نجات حاصل کر سکیں گے۔

علاوہ ازیں مغرب کے دیگر روزناموں نے بھی اسے شاہ کی کامیابی اور ایرانی عوام کی خوش قسمتی پر محمول کیا ۔شاہ نے انقلاب سفید کو اصلاح اراضی کے مقصد کے تحت نافذ کیا تھا تاکہ شہری صنعت کاری اور فی کس آمدنی میں اضافہ ہو اور عوام پر سکون زندگی گزاریں۔ مگر نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا۔ رہائش اور روزگار کی سہولیات میں مشکلات پیدا ہوگئیں اس وجہ سے عوام کی بے سکونی میں اضافہ ہوا۔

اسی دوران عید الفطر ۱۳۸۲ھ کے موقع پر تہران اور دیگر شہروں کے مسلمان کثیر تعداد میں ہر سال کی طرح اس سال بھی قم آئے لیکن اس سال قم میں ان کی آمد کا مقصد گزشتہ سالوں سے مختلف تھا ہر سال وہ حضرت معصومہ بنت امام موسیٰ کاظم کی زیارت اور ثواب دارین حاصل کرنے کی غرض سے آیا کرتے تھے لیکن اس سال وہ یہ معلوم کرنے کے لئے آئے تھے کہ تحریک اسلامی کے دوران ساواک کے حملے کے بعد یہاں کے علماء پر کیا گزری؟ جب یہ علماء امام خمینی سے ملے اور ان کے سامنے اپنی وفاداری کے عہد کی تجدید کی تو امام خمینی نے ان کے اس جذبہ کو سراہتے ہوئے کہا:

''آپ حضرات جس مقام پر بھی تھے آپ نے ان سازشوں کا بڑی استقامت سے مقابلہ کیا جو شریعت اسلامی کے خلاف تھیں حکومت کے زنگ آلودہ نیزے بہت فرسودہ ہو چکے ہیں ان سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں وہ جلد یا بدیر بعد خود بہ خود ٹوٹ جائیں گے۔'' (۲۴)

یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ریفرنڈ کے بعد امام خمینی کے یہ پہلے الفاظ تھے جو ان کی زبان سے نکلے تھے۔ ۱۹۶۳ء عید نوروز (نیا سال) کی آمد قریب تھی شہنشاہ نے قم میں فوجیوں کی گاڑیوں کو بھیج کر لوگوں کو ڈرانے کی کوشش کی۔ امام خمینی نے علماء کا اجلاس طلب کیا اور روحانی پیشواؤں سے خطاب کرتے ہوئے اپنے سخت انقلابی بیان کو جاری کیا:

''آپ اپنی جانیں قربان کرنے، جیل جانے، اہانت آمیز سختیاں برداشت کرنے، تمام مصائب و آلام جھیلنے کیلئے تیار ہو جائیں جو اسلام کے دفاع اور آپ کی بقا کی راہ میں پیش آنے والے ہیں۔'' (۲۵)

مارچ ۱۹۶۳ء کے آخری ہفتہ میں امام خمینی نے علماء قم کی ایک میٹنگ میں یہ تجویز پیش کی کہ اس سال قم اور دیگر شہروں میں عہد نوروز کو یوم سوگ کے طور پر منایا جائے۔ اس سلسلے میں حوزہ علمیہ کی طرف سے باقاعدہ اعلامیہ جاری کیا جائے۔ چنانچہ دوسرے علماء اور مراجع نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ تجویز کردہ اعلامیہ کے نتیجے میں مشہد، شیراز، تبریز، اصفہان اور دوسرے شہروں کے علماء کو خطوط ارسال کئے گئے جن میں انہیں اس سال عید نوروز کو یوم عزاء میں تبدیل کرنے کی تلقین کی گئی۔

بعد ازاں بعد امام خمینی نے دو اعلامئے جاری کئے ایک اعلامیہ ۱۶؍شوال ۱۳۸۳ھ کو اور دوسرا اس کے کچھ ہی دنوں بعد، پہلے اعلامیے میں آپ نے کہا:

''اسلام کے ضروری احکام مٹانے کے لئے حکومت پوری کوشش کر رہی ہے اور اس کے بعد کچھ ایسی چیزیں ہیں جو اسلام کو خطرے میں ڈالیں گی۔ لہٰذا میں عید نوروز کو امام زمانہ کی خدمت میں عزاء اور سوگ کے عنوان سے پیش کرتا ہوں۔''

آپ نے مزید کہا کہ:

''جابر حکومت یہ چاہتی ہے کہ اٹھارہ سالہ لڑکیوں کو زبردستی فوج میں بھرتی کرے اور انہیں فوجی چھاونیوں میں لے جائے لہٰذا میں اس عید (نوروز) کو مسلمانوں کے لئے سوگ کا دن اعلان کرتا ہوں۔'' (۲۶)

امام خمینی کے ان انقلابی اقدامات نے ایران میں قصر شاہی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ آپ کے اعتراض کے بعد شاہی حکومت اس خبر کو اخباروں، تقریروں اور ریڈیو پر انٹرویو نشر کرنے کے باوجود اسے جھٹلانے پر مجبور ہوئی یہی وجہ تھی کہ شاہ نے یکم اپریل ۱۹۷۳ء کو فوجی مرکز تربیت کیلئے ۱۸ سے ۱۹ سالہ لڑکیوں کو منتخب کئے جانے کی خبر کو بے بنیاد قرار دیا اور حکم دیا کہ پولیس اور عدالتیں ایسی خبریں پھیلانے والوں کو سزا دیں۔

بہر حال امام خمینی کی ہدایت کے مطابق پورے ایران میں عید نوروز کے موقع پر مجالس عزاء منعقد کی گئیں۔ علماء نے منبر رسولؐ سے حکومت کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی مذمت کی اور تمام اہم مقامات پر سیاہ پرچم لہرائے گئے۔

دوسرے روز یعنی ۲۵ رشوال ۱۳۸۲ھ کو آیت اللہ گلپایگانی کی طرف سے مدرسہ فیضیہ قم میں امام جعفر صادق کے یوم شہادت کی مناسبت سے مجلس ہو رہی تھی۔ (۲۷) مدرسہ کے صحن اور تمام کمرے سوگواروں سے بھرے ہوئے تھے۔ دور دراز کے شہروں، دیہاتوں سے آئے ہوئے بچے، بوڑھے، جوان اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے افراد جمع تھے۔ لیکن شاہ کی حکومت نے خفیہ طور پر مجلس کو ناکام کرنے کے لئے اپنے سپاہیوں کو کسانوں کا لباس پہنا کر مدرسہ فیضیہ میں بھیجا تھا۔ ان سپاہیوں کی شکل وصورت اور ان کے جرمن طرز کے کٹے ہوئے بال ان کی اصلیت کو آشکار کر رہے تھے کہ وہ کس مقصد کے لئے یہاں بھیجے گئے ہیں۔ ان کے منہ سے آنے والی شراب کی بدبو تہران کی قدیم میخانوں کی یاد تازہ کر رہی تھی۔ بازاروں اور گلی کوچوں میں ساواک اور پولیس کے سپاہی گشت کر رہے تھے۔

فوج کے مسلح سپاہی جو اسی روز صبح تہران سے قم پہنچے تھے، شہر کے باہر تیار کھڑے تھے دفعتاً شہر کی فضاؤں سے دلخراش صدائیں بلند ہونے لگیں اور مدرسہ فیضیہ کے سامنے آستانے کے میدان میں مسلح فوج کا ایک گارڈ نمودار ہوا۔ مدرسہ کے چاروں طرف اور میدان آستانہ میں انتظامی پولیس کے لاتعداد سپاہی نظر آنے لگے اور اس طرح مدرسہ کا مکمل طور پر محاصرہ کر لیا گیا۔

اس موقع پر قم کے مشہور مقررین میں سے انصاری منبر پر امام جعفر صادق کی زندگی کے حالات بیان کرنے لگے۔ اس سے پہلے کہ انصاری منبر سے نیچے اترے۔ ساواک کے ایک شخص نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مائک پر قبضہ کر لیا اور رضا شاہ کے حق میں نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ اہل مجلس مشتعل ہو گئے اور مجلس میں چاروں طرف سے پکڑو، پکڑو،، مارو، مارو، کی آوازیں آنے لگیں۔ اسی وقت ساواک کا معاون کرنل مولوی جس کی قیادت میں پولیس تیار بیٹھی تھی، مدرسہ فیضیہ میں داخل ہوئی اس نے مارنا، پیٹنا شروع کیا جس کے نتیجے میں دسیوں آدمی زخمی اور قتل ہو گئے۔ (۲۸)

تھوڑی دیر میں تمام مدرسہ خالی ہوگیا اور اب صرف علماء اور روحانی پیشوا مدرسے میں باقی رہ گئے ۔ لہٰذا ساواک کے سپاہیوں نے ان پر یلغار کر دی ۔ جاسوسوں اور فوجیوں کے اس گروہ کو جس کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھیں، رضا شاہ نے مدرسہ فیضیہ کی تباہی اور علماء کی ہلاکت کے لئے مامور کیا تھا۔ انہوں نے علماء اور طلباء پر چاروں طرف سے حملہ کر کے انہیں بری طرح سے زدوکوب کیا۔ اس منظر کو وہ ہزاروں مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جو مدرسہ فیضیہ کے سامنے آستانے کے میدان میں موجود تھے۔ انہوں نے شاہ کے ان سپاہیوں پر ہلہ بول دیا لیکن فوج کے وہ سپاہی جو مدرسہ کے سامنے موجود تھے درمیان میں آ گئے ۔ انہوں نے مجمع پر آنسو گیس کے شیل پھینکے جس سے مجمع منتشر ہوگیا اور مدرسہ خاک وخون سے بھر گیا۔ اس کے بعد سپاہی پانچ پانچ اور دس دس ٹکڑیاں بنا کر "شاہ زندہ باد اسلام مردہ باد روحانیت مردہ باد" کے نعرے لگاتے ہوئے حجروں پر حملہ آور ہوئے اور تمام کمروں اور کھڑکیوں اور دروازوں کو توڑ دیا اور کمروں میں موجود علماء اور طالب علموں پر ٹوٹ پڑے۔ کسی کا پیٹ پھاڑ دیا، کسی کا سینہ چاک کر دیا کسی کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے اور کسی کو مدرسے کی دوسری منزل سے نیچے پھینک دیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ساواک اور شاہی فوجی نے نہ صرف اسی پر اکتفاء کیا بلکہ علماء کے لباس اور عمامے نیز مدرسہ میں موجود تمام دینی اور علمی کتب کو مدرسے کے صحن میں جمع کیا اور آگ لگا دی۔ اس کے بعد انہوں نے دس لاشوں اور سینکڑوں زخمیوں کو ساتھ لے کر انتہائی فخر کے ساتھ قہقہے لگاتے ہوئے مدرسے سے روانہ ہو گئے ۔ تاکہ رضا شاہ کو ان کارناموں سے مطلع کیا جا سکے۔

جس وقت مدرسہ فیضیہ میں کشت وخون کا بازار گرم تھا اس وقت تبریز کے مدرسہ طالبیہ پر بھی ساواک کا حملہ جاری تھا اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ساواک کے چند سپاہی جو تبریز کی نگرانی کے لئے متعین کئے گئے تھے۔ امام خمینی کے ایک اعلامیہ کو تباہ کرنے کے لئے جو مدرسہ طالبیہ کی دیوار پر چسپاں تھا، مدرسہ میں داخل ہوئے جس پر طلبہ نے اعتراض کیا اور بات اس قدر بگڑ گئی کی مار پیٹ کی نوبت آ گئی اس کے بعد سینکڑوں مسلح سپاہی اور کمانڈوز مدرسہ میں داخل ہو گئے اور مدرسہ میں توڑ پھوڑ مچانے کے بعد علماء کو گولیوں کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ مدرسہ فیضیہ اور طالبیہ میں خون ریزی وہنگامہ آرائی کے دو مقاصد بتائے جاتے ہیں:

۱۔ ایران کے تمام روحانی پیشواؤں اور علماء کو خوفزدہ کر کے ان کی زبانیں بند کر دی جائے کیونکہ رضا شاہ کا خیال تھا کہ ایران کے ان علماء اور روحانی پیشواؤں پر صرف رائفل کی گولیوں سے غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے جو انقلاب سفید کی راہ میں آئینی دیوار ثابت ہو رہے تھے۔

۲۔ اس ہنگامہ آرائی سے مرعوب ہوکر ایران کے باشندے انقلاب سفید کی اصلاحات کو قبول کرلیں، جس کا نفاذ ایران میں شہنشاہیت کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری تھا۔

اس مہم کو زیادہ موثر بنانے کے لئے اسد اللہ علم جو علماء اور عوام کے تعلقات ختم کرنے کے لئے نئے نئے حربے استعمال کررہا تھا، نے اپنے ایک بیان میں کہا:

"قم کے علمائے کرام جو اصلاحات ارضی کے مخالف ہیں اور ان دہقانوں میں جو زیارت کی غرض سے قم گئے ہوئے تھے جھگڑا ہوگیا جس کے نتیجے میں ایک دہقان قتل کردیا گیا۔" (۲۹)

ادھر امام خمینی کو جب مدرسہ فیضیہ پر حملے کی خبر ملی تو آپ نے لوگوں کو مدرسہ فیضیہ دیکھنے اور ساواک کے حملوں کا مشاہدہ کرنے اور ان کی مدد کرنے کی دعوت دی۔ اس حادثے نے امام خمینی کی رہبری کے قیام کی راہ مزید ہموار کردی۔ وہ قیام جو مرکزی اور صوبائی انجمنوں کے قضیے سے شروع ہوا تھا وہ شاہ کے ریفرنڈم کی مخالفت پر ختم ہوا۔ (۳۰)

ادھر شاہ انقلاب سفید کی اصلاحات پر عملدرآمد کرنے کی راہ ہموار کرنا چاہتا تھا۔ اسی وقت امام خمینی نے یہ بیان جاری کردیا:

"شاہ دوستی یعنی غارتگری

شاہ دوستی یعنی ضربہ زدن بہ پیکر قرآن و اسلام

شاہ دوستی یعنی کوبیدن روحانیت" (۳۱)

ترجمہ: شاہ دوستی کے معنی غارت گری

شاہ دوستی کے معنی قرآن اور اسلام پر ضرب لگانا

شاہ دوستی کے معنی اسلام کے احکام سے تجاوز اور قرآن کے احکام کی تبدیلی

شاہ دوستی کے معنی روحانی پیشواؤں کو کچلنا۔

امام خمینی کے اس نعرے نے ملک کے عوام، یونیورسٹی کے دانشوروں، سیاسی رہنماؤں اور مذہبی پیشواؤں کے دلوں میں از سر نو اسلامی انقلاب کی روح پھونک دی۔ آپ نے رضا شاہ کے خلاف خاموشی کو حرام اور اظہارِ حقائق کو واجب قرار دیا۔

امام خمینی کا یہ بیان نہ صرف ایران کے ہر شہر اور قصبہ میں تقسیم کیا گیا بلکہ بعض عقیدتمندوں نے بیرونی ممالک بھی ان کی نقول ارسال کیں، نیز اس بیان کا عربی میں ترجمہ کیا گیا جس کا متن عراق کے متعدد جرائد میں شائع ہوا

اس اعلان کی وسیع پیمانے پر اشاعت کا اثر یہ ہوا کہ عراق، نجف، مشہد اور دیگر ممالک کے علماء روحانی پیشواؤں اور طلباء کی جانب سے مدرسہ فیضیہ اور مدرسہ طالبیہ کے خونی واقعات کی سخت مذمت کی گئی اور امام خمینی کے پاس ہمدردی کے پیغامات بھیجے گئے جس میں انہیں اپنے تعاون کا یقین دلایا گیا۔

سانحہ فیضیہ میں قتل ہونے والوں کے چہلم کی مناسبت سے ۲ رمئی ۱۹۶۳ء کو امام خمینی نے ایک اعلامیہ جاری کیا۔ اس اعلامیے میں شاہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھا: حکام ساری قانون شکنیوں کو شاہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر اسلام، ملک اور قانون پر فاتحہ پڑھ دینا چاہئے اور اگر یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ لوگ جرائم، قانون شکنی اور غیر انسانی سلوک کی نسبت شاہ کی طرف دیتے ہیں تو شاہ کیوں اپنا دفاع نہیں کرتا تاکہ ملک کے بارے میں لوگوں کی ذمہ داری روشن ہو سکے اور مجرمین کا پتہ چلائیں اور ان کو مناسب موقع پر سزا دیں۔ امام خمینی نے عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی مکمل حمایت کرتے ہوئے شاہ اور اسرائیل کے درمیان ہونے والے معاہدوں کی مذمت کی۔ (۳۲)

مزید برآں ۲ رمئی ۱۹۶۳ء کو مسجد اعظم قم میں سانحہ فیضیہ کی مذمت کرتے ہوئے امام خمینی نے اپنا ردِ عمل ان الفظ میں ظاہر کیا۔ ایک ایسی مملکت جسے صحیح طریقے سے پہچوانا چاہئے تھا لیکن یہ انسانی معاشرے میں فساد کے مرکز کے طور پر جانی گئی۔ فیضیہ میں ایسی بے احترامی کی گئی جو مغلوں کے ساتھ بھی نہیں کی جاسکتی۔ وہ لوگ کافر تھے جو شاید مسلمانوں کے قتل کو جائز سمجھتے ہوں اور وہ جو کام کر سکتے تھے کئے۔

مغلوں کے سردار چنگیز خان نے ۱۲۳۷ء میں اس نعرہ کے ساتھ ایران کے شہروں پر حملہ کیا تھا کہ ''میں عذاب خدا ہوں''۔ اس نے مرو، بخارا، نیشاپور، قم، آذربائیجان اور خیرہ جیسے آباد شہروں میں بوڑھے جوان، عورتوں اور مردوں کا قتل عام کیا تھا۔ یہاں تک کہ حیوانوں کو بھی نہ چھوڑا۔ اس نے درختوں کو جلا دیا اور ہر وہ چیز جو ایران کے تہذیب و تمدن کی نشاندہی کرتی تھی جیسے کتب خانہ، مدرسہ، مسجد، عمارت، باغ اور دکانوں کو ویران و منہدم اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیا۔

امام خمینی کی نظر میں رضا شاہ اور اس کے پیروکاروں نے اپنی مسلمانیت کے باوجود ایسے کام انجام دیئے ہیں جو مغلوں اور چنگیزوں نے انجام دیا تھا کیونکہ رضا شاہ اور اس کے پیروکاروں نے علمی مراکز پر حملہ کر کے سولہ سترہ سال کے بچوں کا بھی خون بہایا۔ جس وقت امام خمینی ان روحانی پیشواؤں کی دلجوئی کے لئے مدرسہ فیضیہ گئے اسی اثناء میں رضا شاہ اور اس کے کارندوں نے امام خمینی کی گرفتاری اور ان کے چاہنے والوں کے قتل عام کی تیاریاں شروع کر دی جس کا اظہار رضا شاہ نے (ہوٹل ونک) میں کی جانے والی تقریر میں اس طرح سے کہا:

''ہم چاہتے ہیں کہ ایران کو تمام فسادوں سے پاک کر دیا جائے چاہئے وہ مادی ہوں یا اخلاقی ہمارا انقلاب عظیم جس کی تاریخ میں شاید کوئی مثال نہ ملے بغیر کسی خونریزی اور مذاحمت کے برابر پیش رفت کر رہا ہے۔ ہم افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کر رہے ہیں کہ اگر اس انقلاب کو مامورین دولت میں سے کسی ایک بے گناہ کے خون سے یا کسی بدبخت اور گمراہ کے خون سے آلودہ ہی ہونا ہے تو اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا، کہ ایسا بھی کر دیا جائے۔'' (۳۳)

آپ نے ایران کے تمام ذاکروں اور خطیبوں کے نام ایک خط ارسال کیا جس میں انہیں ہدایت کی کہ اس سال مراسم عاشورا بجالانے کے ساتھ ساتھ ان مصائب کا بھی ذکر کیا جائے جو ایران میں اسلامی مراکز فقہ پر مسلط کئے گئے ہیں۔ نیز عوام کو ان خطرات سے آگاہ کیا جائے جو ایران اور اسلام کو اسرائیل اور اس کے عمال کی سازشوں سے درپیش ہیں۔

اس خط کی خبر ملتے ہی ۹ محرم کو رضا شاہ کی طرف سے ایک اعلان جاری کر دیا گیا جس میں محرم کی مجالس میں ان تین موضوع سے متعلق تقریر کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی۔

۱۔ رضا شاہ سے متعلق کوئی بات نہ کی جائے۔

۲۔ اسرئیل کی مذمت نہ کی جائے۔

۳۔ لوگوں کو یہ نہ بتایا جائے کہ اسلام خطرے میں ہے اور حکومت اسلام کی مخالف ہے۔

یوم عاشورہ کو عزاداران حسین کا ایک جم غفیر مدرسہ حاج ابوالفتاح (تہران) کے میدان میں پہنچ گیا۔ ۸ بجے صبح اعلان کیا گیا کہ مظاہرین امام خمینی کی تصویریں اٹھائے ہوئے اور ان کی شان میں اشعار پڑھتے ہوئے جلوس کی صورت میں مدرسہ سے باہر نکلیں۔ جلوس جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا مظاہرین کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔۔ لوگوں کی تعداد میدان بہارستان پہنچنے سے قبل ہی ایک لاکھ ہو چکی تھی۔ جب یہ جلوس میدان بہارستان میں داخل ہوا تو پورے میدان میں ہر طرف امام خمینی کی تصاویر نظر آ رہی تھیں جب مظاہرین خیابان فردوسی میں داخل ہوئے تو مہدی عراقی نے اعلان کیا کہ رضا شاہ کے انقلاب سفید کو ناکام بنانے کے لئے تہران کے عوام کو چاہیے کہ امام خمینی کی نہضت اسلامی کی حمایت کریں۔

نماز ظہر کے بعد مظاہرین ''قصر شاہی'' کے سامنے جمع ہوئے۔ آمریت مردہ باد کے نعرے لگائے اور رضا شاہ کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ امام خمینی نے جب یہ سمجھ لیا کہ اب جذبہ اسلامی انقلاب عوام کے دلوں میں پوری

شدت کے ساتھ بیدار ہو چکا ہے تو انہوں نے علمائے قم کا ایک اجلاس طلب کیا اور ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ یوم عاشورہ پر مدرسہ فیضیہ میں مجلس عزاء منعقد کی جائے اور قم آنے والوں کو ان مظالم سے آگاہ کیا جائے جو حکومت نے مدرسہ فیضیہ اور دیگر روحانی مراکز پر ڈھائے ہیں۔ آپ کی اس تجویز کو تمام علماء نے بہ اتفاق رائے منظور کرلیا۔ اور قم، تہران اور ایران کے تمام شہروں اور قصبات میں یہ اعلان کر دیا گیا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی ایران کے تمام بڑے شہروں، قصبات اور دیہات سے عزاداروں کے قافلے قم پہنچ گئے۔ ایک اندازے کے مطابق اس مجلس میں شرکت کرنے کیلئے صرف تہران سے چالیس ہزار افراد قم پہنچ چکے تھے۔ جبکہ عزاداروں کی مجموعی تعداد لاکھوں میں تھی۔

رضا شاہ اور اور اس کے کارندے اس بات کی سرتوڑ کوشش کررہے تھے کہ جس طرح ممکن ہو سکے لوگوں کو اس مجلس میں شرکت سے روکا جائے۔ لہٰذا رضا شاہ کے جاسوسوں نے پورے ملک میں یہ خبر پھیلا دی کہ قم کے مدرسہ فیضیہ میں مجلس کے دوران قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا جائے گا جب اس افواہ نے پورے ملک کو اپنی گرفت میں لے لیا تو اس کے بعد (امام خمینی کے بقول) درباری ملاؤں کا ایک وفد علمائے قم کی خیر خواہی میں ان کے پاس بھیجا گیا تا کہ یہ درباری مُلّا علمائے قم کو خطرات سے وحشت زدہ کر کے انہیں مجلس میں خطاب کرنے سے روک دیں لیکن ان درباری ملاؤں نے قم کے چند علماء کو سمجھانے کی کوشش کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ جس طرح بھی ہو سکے امام خمینی کو یوم عاشورہ پر خطاب کرنے سے باز رکھیں ورنہ یہ بات اس قدر خطرناک ہوگی جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ درباری مولویوں کی ان باتوں نے چند علمائے قم کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ امام خمینی کو یوم عاشور پر خطاب کرنے سے باز رکھنے کے لئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں۔ لہٰذا انہوں نے امام خمینی کو مشورہ دیا کہ وہ یوم عاشورا پر خطاب نہ کریں لیکن امام خمینی اپنی بات پر قائم رہے۔

صبح عاشور کو جب ہزار ہا افراد عزاداری میں مصروف تھے امام خمینی بھی ان کے درمیان بیٹھے تھے۔ ساواک کا ایک افسر کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے اعلیٰ حضرت (شہنشاہ) نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو یہ پیغام پہنچا دوں اگر آپ نے مدرسہ فیضیہ میں خطاب کرنے کی کوشش کی تو شاہ کے کمانڈوز مدرسہ پر حملہ کر کے مدرسہ اور شرکاء مجلس کو تہس نہس کر دیں گے۔ امام خمینی نے جواب دیا اگر ایسا ہے تو ہم بھی اپنے کمانڈوز کو حکم دیں گے کہ شاہ کے بھیجے ہوئے کمانڈوز کا سر کچل ڈالیں۔

بعد نماز ظہر پورا قم شہر انقلاب پسند مسلمانوں سے بھر چکا تھا۔ مجاہدین امام خمینی کے مکان سے مدرسہ فیضیہ تک صف بستہ کھڑے تھے۔ مدرسہ فیضیہ کا صحن، دارالشفاء، آستانہ حضرت معصومہ، مسجد اعظم، نیز میدان آستانہ

تمام مقامات پر انسانوں کا طوفان سامنڈلا رہا تھا۔ آخر وہ گھڑی آ پہنچی کہ امام خمینی مہدی عراقی جیسے محافظین کے ساتھ مدرسہ فیضیہ میں موجود عزاداروں کی صفوں سے گزرتے ہوئے منبر پر پہنچے اور تقریر کا آغاز کیا۔ اس تقریر میں آپ نے شاہ کی حکومت کے غیر ملکی طاقتوں پر انحصار، اس کی اسرائیل نوازی پر تنقید کی۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تقریر کے اہم اقتباس سے تجزیہ و تحلیل کریں:

''الآن عصر عاشورا است....

گاهی که وقایع روز عاشوراء را از نظر میگذرانم این سُوال، برایم پیش می‌آید که اگر بنی امیه و دستگاه یزید بن معاویه، تنها باحسین سرجنگ داشتند آن رفتار وحشیانه و خلاف انسانی، چه بود که در روز عاشوراء نسبت بزنهای بی پناه و اطفال بیگانه، مرتکب شدند؟! زنان و کودکان چه تقصیر داشتند؟ طفل ۶ ماهه، حسین چه کرده بود؟ ......همین سؤال اینجا مطرح میشود که دستگاه جبار ایران، بامراجع سرجنگ داشت، باعلماء اسلام مخالف بود بقرآن چکار، داشتند؟بمدرسه فیضیه چکار داشتند بطلاب علوم دینیه چکار داشتند؟ ....نتیجه میرسیم که اینهابااساس، کاردارند، بااساس اسلام، وروحانیت مخالفند، اینها نمیخوانهنداین اساس موجود باشد، اینها نمیخواند صغیر و کبیر ما موجود باشد، اسرائیل نمیخواهد، دراین مملکت قرآن باشد، اسرائیل نمیخواهد دراین مملکت علماء، اسلام باشند، اسرائیل نمیخواهد دراین مملکت احکام اسلام باشد، اسرائیل نمیخواهد دراین مملکت دانشمند باشد، اسرائیل بدست، عمال سیاه خود مدرسه فیضیه را کوبید، مارا میکوبد، شما ملت را میکوبد، میخواهد اقتصاد شمارا قبضه کند، میخواهدتجارت و زراعت شمارا از بین ببرد، میخواهد ثروتهارا تصاحب کند، اسرائیل میخواهد بدست عمال خود آن چیزهائی را که مانع هستند، آنچیز هائی را که سدراه ہستند از

سر راہ بر دارد۔"(۳۴)

یہ عاشورہ کے عصر کا وقت ہے۔ جب عاشورہ کے دن (۱۰ ارمحرم الحرام ۱۳۶۱ھ) کے واقعہ پر نظر ڈالتا ہوں تو میرے لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یزیدی حکومت کی جنگ فقط امام حسین سے تھی تو وہ غیر انسانی اور وحشیانہ سلوک روز عاشورہ بے کس عورتوں اور معصوم بچوں کے ساتھ کیوں کیا گیا؟ ان کی خطاء کیا تھی؟ امام حسین کے چھ مہینے کے بچے نے کیا کیا تھا؟ یہی سوالات یہاں پر پیدا ہوتے ہیں۔ جابر (ظالم) حکومت کی جنگ مراجع اور علماء کے ساتھ تھی اور قرآن نے کیا بگاڑا تھا؟ مدرسہ فیضیہ کے دینی طلبہ نے کیا کیا تھا؟...... میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انہیں اساس اسلام سے سروکار ہے۔ اسلام سے بنیادی اصول کے مخالف ہیں۔ روحانیت کے مخالف ہیں وہ نہیں چاہتے اساس اسلام باقی رہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ہمارے چھوٹے بڑے موجود ہوں۔ اسرائیل نہیں چاہتا کہ اس ملک میں قرآن کی حکومت ہو، اسرائیل نہیں چاہتا کہ اس ملک میں علمائے اسلام موجود ہوں، اسرائیل نہیں چاہتا کہ اس ملک میں دانشور موجود ہوں، اسرائیل نے اپنے حواریوں کے ذریعے مدرسہ فیضیہ پر حملہ کیا وہ چاہتا ہے ہمارے اقتصاد پر قبضہ کرے۔ اسرائیل چاہتا ہے کہ تجارت وزراعت کو برباد کرنے، اسرائیل چاہتا ہے جو چیز بھی ان کے کاموں میں سدِ راہ ہو انہیں مٹا دے۔

مام خمینی کی یہ تقریر عوام کو سڑکوں پر لے آئی۔ محرم کی گیارہویں تاریخ کو ابھی صبح کے آٹھ بجنے بھی نہ پائے تھے کہ مسجد شاہ (تہران) میں عزاداروں کا زبردست اجتماع ہوا اور قرب جوار کے بازاروں سے لوگ جوق در جوق مسجد میں جمع ہو گئے اور مظاہرہ شروع ہو گیا۔ اور مظاہرین

خمینی، خمینی

خمینی بت شکن

خمینی تو فرزند حسینی

کے نعرے لگا رہے تھے۔ مظاہرین خیابان ناصر خسرو اور توپ خانہ سے ہوتے خیابان فردوسی پہنچے جہاں برطانیہ کے سفارت خانہ کے سامنے ایک شخص نے کرسی پر کھڑے ہو کر تقریر کی جس میں برطانیہ کے سفارت کاروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"تم گو کہ مسلمان نہیں ہو اور دینی اعتبار سے آیت اللہ خمینی کے ہم نوا نہیں ہو لیکن تمہیں ان کے

مطالبے کی حمایت کرنی چاہیے کہ ایران کی قسمت کا فیصلہ امریکہ میں نہیں ہونا چاہئے اور نہ لندن میں ہونا چاہئے اور نہ اسرائیل کو ایرانی معاملات میں مداخلت کرنی چاہیے۔ خمینی صرف یہی چاہتے ہیں جو درحقیقت ۳۰ملین باشندگان ایران کی دلی پکار ہے۔'' (۳۵)

اس تقریر کے اختتام پر مظاہرین نعرے لگاتے ہوئے بازار سے یونیورسٹی پہنچے۔ اس وقت جو دانشور کلاسوں میں بیٹھے ہوئے تھے خمینی خمینی، کے نعروں کی آواز سن کر کلاسوں سے باہر آ گئے جہاں انہوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ مظاہرین کا استقبال کیا۔ تہران یونیورسٹی کے دانشوروں کے نمائندوں نے اپنی تقریر میں کہا: امام خمینی کی رہبری نے ایران کے عوام میں جو بیداری پیدا کی ہے اس سے یہ بات یقینی ہوگئی ہے کہ ملت ایران شہنشاہیت پر غلبہ حاصل کر کے رہے گی۔

امام خمینی کی گرفتاری:

۴رجون ۱۹۶۳ءکو رات تین بجے فوجی دستے، سینکڑوں کمانڈوز اور مسلح سپاہیوں نے قم میں امام خمینی کو ان کے بیٹے مصطفیٰ خمینی کے گھر سے گرفتار کیا اور تہران میں ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں فوجی افسر رہا کرتے تھے۔ ۵ جون کے دن امام خمینی نے اسی مقام پر گزارا اور غروب آفتاب ہوا تو انہیں ایک جیپ میں بٹھایا گیا۔ جیپ کے چاروں اطراف سیاہ رنگ کا کپڑا چڑھا ہوا تھا۔ انہیں پادگان قصر کے زندان میں منتقل کر دیا گیا۔ یہاں انہیں انیس دن قید رکھنے کے بعد عشرت آباد کی جھیل پہنچا دیا گیا اور ایک ایسی کوٹھری میں مقید کر دیا گیا جہاں ہوا تک کا گزر نہیں ہوتا تھا۔ امام خمینی کی گرفتاری کے بعد شاہ کو علماء اور عوام کی طرف سے شدید دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ امام خمینی کی گرفتاری کی خبر ۱۵ اخرداد (۵رجون ۱۹۶۳) کی صبح قم اور نواحی علاقوں میں پھیل گئی جس کے نتیجے میں پورے ملک میں ایک عام بغاوت کی سی صورت حال پیدا ہوگئی۔

حکومت کے اس اقدام نے خواتین کے دلوں میں بھی جذبہ انقلاب کی شمع روشن کر دی تھی جن کا کام مدت دراز سے گھریلو کام کاج اور بچوں کی پرورش کرنا تھا۔ ۵رجون کو یہ خواتین بھی اپنے شیر خوار بچوں کو چادروں سے اپنی پشت پر باندھ کر امام خمینی کی حمایت میں گھروں سے باہر آ گئی تھیں۔ اس طرح ۵رجون ۱۹۶۳ء کو اسلامی انقلاب کا کی تحریک باقاعدہ آغاز ہوا۔ شاہی حکومت نے ٹینکوں کی مدد سے مظاہرین کو کچلنے کی کوشش کی۔ عوام کی کثیر تعداد کا قتل عام کیا گیا۔ (۳۶) شاہ کی حکومت کو بظاہر فتح ہوئی لیکن اسلامی انقلاب کا بیج بویا جا چکا تھا۔ مسلسل خونریزی اور تشدد کے باوجود قم کے عوام میدان کارزار سے پیچھے نہیں ہٹے۔ ان کو خوف زدہ کرنے کے لئے تہران سے فوجی طیارے قم بھیجے گئے۔ رضا شاہ کے فوجی طیارے قم کے آسمان پر نمودار ہوئے اور در و دیوار ہلا دینے والی

ہولناک آوازوں کے ساتھ شہر پر نیچی اڑانیں بھرنے لگے۔ لیکن عوام نے طیاروں کی اس یورش کو کوئی اہمیت نہ دی۔ قم کے چہارراہ کا تمام علاقہ لاشوں اور مجروحین سے بھرا ہوا تھا۔ صرف کوچہ غازی میں ۲۲ لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ چہارراہ میں ہر طرف خون ہی خون بکھرا ہوا تھا۔ مقتولین کی لاشوں اور زخمیوں کو سپاہی اٹھا اٹھا کر گاڑیوں میں پھینکتے تھے اور نامعلوم مقامات کی طرف لے جاتے تھے۔ (۳۷) اس کے باوجود عوام اپنے رہبر و قائد کی رہائی کا مطالبہ کرتے رہے۔

اس نازک لمحہ میں سید مصطفیٰ خمینی نے ایک مختصر سی تقریر کی اور مظاہرین کا شکریہ ادا کرنے کے بعد انہیں بتایا کہ: ''حکومت آپ کے اس جرأت مندانہ اقدام پر جس وحشیانہ ردعمل کا اظہار کر رہی ہے اس کے پیش نظر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اس وقت مظاہرہ ختم کر دیں، غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ پہلے جب تمام علماء اور روحانی پیشوا بھی دوبارہ صحن مطہر میں جمع ہوں گے آپ بھی دوبارہ یہاں جمع ہو جائیں۔'' (۳۸) سید مصطفیٰ خمینی کی تقریر کے بعد قم کے شہریوں نے صبح ۷ بجے سے شروع ہونے والے مظاہرے کو بعد نماز ظہر ۵ بجے ختم کیا۔ مظاہرے کے اختتام پر شہر قم اس ماتم کدہ کی تصویر بن گیا تھا جس کو دشمن نے تباہ و برباد کر دیا ہو۔ بہت سے خاندان نان ونفقہ کے محتاج ہو چکے تھے۔ سینکڑوں بچے یتیم ہو چکے تھے، بہت سی غم نصیب مائیں اور بہنیں اپنے سرپرستوں سے محروم ہو چکی تھیں۔ اس دن قم کی شام رنج والم کی شام تھی۔

امام خمینی کی گرفتار کے خلاف تہران میں مظاہرے:

امام خمینی کی گرفتاری کے بعد تہران میں لوگ گھروں سے باہر نکل گئے۔ تمام بازار اور دکانیں بند تھیں۔ پورے شہر میں زبردست شورش برپا تھی۔ عوام میں غم وغصہ کی لہر دوڑی ہوئی تھی۔ یونیورسٹی کے طلباء نے کلاسوں کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ تہران میں سب سے پہلے یونیورسٹی سے مظاہرہ شروع ہوا۔ دانشوروں کا ایک ہجوم انقلابی نعرے لگاتا ہوا یونیورسٹی سے برآمد ہوا اور ''امام خمینی کو آزاد کرو'' کے نعرے لگاتا ہوا میدان میں پہنچ گیا۔ بہت سے لوگ جو اب تک امام خمینی کی گرفتاری سے بے خبر تھے، اس خبر سے مشتعل ہو گئے۔ تہران کے تاجر بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ میدان میں موجود تھے اور روحانی پیشواؤں کے ساتھ اپنی وابستگی کا ثبوت پیش کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ تہران کے قرب وجوار کے دیہاتوں سے آئے ہوئے کاشت کار اور مقامی و غیر مقامی محنت کش اور تہران کے عوام یونیورسٹی کے دانشوروں اور علماء کے شانہ بشانہ ''یا موت یا خمینی'' ''شاہ مردہ باد'' کے نعرے لگا رہے تھے۔ جن سے تہران کی سرزمین میں لرزہ پیدا ہو رہا تھا۔

رضا شاہ اور اس کے حوارین عوام کی اس یورش سے پریشان تھے کیونکہ آتش انقلاب کو دبانے کے لئے

انہوں نے جو کاروائی کی تھی اس نے تہران کی فضا کو اور زیادہ خطرناک بنا دیا تھا۔ لہٰذا فوج نے ۸ بجے سے ظہر کی نماز تک ہر قسم کی نقل و حرکت پر پابندی عائد کردی۔ اس پابندی کی خلاف ورزی کرنے والوں کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم دیا گیا۔ بیشتر چوراہوں، میدانوں اور شہر کے مرکزی علاقوں پر مسلح فوجیوں کا قبضہ تھا جو توپ، بندوقوں، رائفلوں اور مشین گنوں سے لیس تھے۔

فوج کے سخت انتظامات اور پابندیوں کے باوجود آتش انقلاب کی شدت کا یہ عالم تھا کہ حکومت کے خلاف بھرے ہوئے تہران کے عوام قصر شاہی کی طرف رواں دواں تھے۔ تمام راستے جو شاہی محل میں جا کر ختم ہوتے ہیں فوج کے سپاہی موجود تھے اور ہزاروں مسلح فوجی قصر شاہی کی حفاظت و نگرانی پر متعین تھے۔ جب عوام کا یہ ہجوم ایوان شاہی کے قریب آ گیا تو فوج کے سپاہیوں نے مظاہرین پر حملہ کر دیا۔ میدان (اراک جو ریڈیو کے شعبہ نشریات کے سامنے ہے) اور میدان توپ خانہ اور تمام راستے جو شاہی محل پر جا کر ختم ہوتے ہیں قتل گاہوں میں تبدیل ہو گئے۔ جس وقت تہران اور قم میں مظاہرے اور خونریزی کا بازار گرم تھا اس وقت شیراز اور ایران کے دیگر بڑے شہروں میں بھی مظاہرے ہوئے اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا گیا۔ امام خمینی کی گرفتاری کے خلاف ہونے والے مظاہروں میں پندرہ ہزار افراد قتل ہوئے جن میں سے چار سو افراد صرف قم میں قتل کیے گئے۔

امام خمینی کی گرفتاری کے خلاف بیرونی ممالک سے بھی صدائے احتجاج بلند ہونے لگی اور ان کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ چنانچہ جامعہ ازہر کے رئیس شیخ محمود شلتوت نے ایک اعلامیہ جاری کیا جس میں دنیا بھر کے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے ایرانی بھائیوں کی مدد کریں۔ شیخ محمود شلتوت نے اپنے اس اعلامیہ میں ایران میں علماء اور عوام کی گرفتاری اور ان کی اہانت کو انسانیت کی پیشانی پر بدنما داغ سے تعبیر کیا۔ مزید برآں رضا شاہ کو بھی ایک تار ارسال کیا جس میں اس کو متنبہ کیا کہ علمائے کرام کے ساتھ غیر شریفانہ سلوک کرنے سے باز رہے۔ نیز اس تار میں علماء اور دیگر مسلمانوں کی جلد از جلد غیر مشروط رہائی کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ (۳۹) اسی طرح تمام عالم اسلام کی طرف سے امام خمینی کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کیا جانے لگا اور اس ضمن میں جامعہ علمیہ اسلامی لبنان، کویت، جرمنی اور امریکہ میں مقیم ایرانیوں کی طرف سے بھی تار ارسال کیے گئے جن میں امام خمینی کی رہائی کے مطالبے کیے گئے تھے۔

امام خمینی کی رہائی کا مطالبہ صرف تاروں اور خطوط کی حد تک محدود نہ رہا بلکہ ایران کے صف اول کے تقریباً تمام علماء دیگر شہروں سے ہجرت کر کے تہران پہنچ گئے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ امام خمینی کو غیر مشروط طور پر جلد از جلد رہا کیا جائے۔ علاوہ ازیں تہران کے دیگر علماء بھی مقررہ مقام پر جمع ہوئے اور انہوں نے رضا شاہ سے مطالبہ

کیا کہ امام خمینی کو غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے یا پھر ہم کو بھی قید کر کے جیلوں میں بند کر دیا جائے۔

بالآخر رضا شاہ نے داخلی وخارجی دباؤ سے مجبور ہو کر ان تمام علماء اور روحانی پیشواؤں کو رہا کر دیا جن کو امام خمینی کی گرفتاری کے وقت اسیر بنایا تھا اس کے بعد (۷ اپریل ۱۹۶۴ء کو) امام خمینی کو بھی رہا کر دیا۔ (۴۰) لیکن ان کی نظر بندی قائم رکھی گئی اور نقل وحرکت پر پابندی عائد کر دی گئی، علاوہ ازیں ان سے ملنے جلنے کو بھی ممنوع قرار دیا گیا۔

رضا شاہ نے امام خمینی کو آزاد کرنے سے پہلے ان کی گرفتاری اور ایک سال سے ایران میں بہنے والے خون کی تمام تر ذمہ داری وزیر اعظم اسد اللہ علم کے سر تھوپتے ہوئے اس کو وزارت عظمیٰ کے عہدے سے برطرف کر دیا اور اس کی جگہ حسن علی منصور کو ملک کا وزیر اعظم بنا دیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ رضا شاہ نے شہنشاہی نظام کی بنیاد کو مضبوط اور مستحکم رکھنے کے لئے باقاعدہ منصوبہ کے تحت اپنی سلطنت کے آغاز سے وزیر اعظم اسد اللہ علم تک بہت سی حکومتیں بدلیں جن میں بعض ایک ہفتہ بھی نہ چل سکیں اور وہ حکومتیں حسب ذیل ہیں:

محمد علی فروغی (ذکاء الملک)	۱۹۴۱ء	علی سہیلی	۱۹۴۱ء–۱۹۴۲ء
احمد قوام	۱۹۴۲ء	علی سہیلی	۱۹۴۲ء–۱۹۴۳ء
محمد ساعد	۱۹۴۴ء–۱۹۴۳ء	مرتضیٰ قلی بیات (سہام السلطنہ)	۱۹۴۴ء–۱۹۴۵ء
ابراہیم کلیمی (حکیم الملک)	۱۹۴۵	سید محسن صدر الاشراف	۱۹۴۵ء
ابراہیم کلیمی (حکیم الملک)	۱۹۴۸ء–۱۹۴۷ء	عبدالحسنین ہژیر	۱۹۴۷ء
محمد ساعد	۱۹۴۸ء–۱۹۴۷ء	علی منصور (حسن علی منصور کا باپ)	۱۹۴۸ء–۱۹۴۹ء
سپہبد حاج علی رزم آرا	۱۹۴۹ء	حسین علا	۱۹۴۹ء–۱۹۵۰
محمد مصدق	۱۹۵۰ء–۱۹۵۱	احمد قوام	۱۹۵۱ء
سپہبد فضل اللہ زاہدی	۱۹۵۴ء–۱۹۵۶	حسین علا	۱۹۵۴ء–۱۹۵۶
منوچہر اقبال	۱۹۵۶ء–۱۹۵۹	انجینئر شریف امامی	۱۹۵۹ء–۱۹۶۰
علی امینی	۱۹۶۰ء–۱۹۶۱	امیر اسد اللہ علم	۱۹۶۱ء–۱۹۴۶(۴۱)

امام خمینی کے خیال میں جس روز امیر اسد اللہ علم کی حکومت برسر اقتدار آئی اسی دن سے اسلام کو نشانہ بنانا شروع کر دیا گیا۔ اسی کے دور میں اسلام اور قرآن پر سب سے زیادہ حملے ہوئے۔ ماہ محرم ۱۳۸۳ھ کی آمد پر سال

۱۵خرداد (۵ جون) کے کشت وخون کی سالگرہ کے پیش نظر رضا شاہ نے حکومت کے نام ایک حکم جاری کیا جس میں ہر قسم کی مجالس، سوگواری اور محافل مذہبی پر پابندی عائد کر دی۔

۱۲رمحرم کو میلانی، نجفی اور قمی کے دستخطوں کے ساتھ امام خمینی کی طرف سے ایک اعلامیہ جاری کیا گیا جس میں ۱۵رخرداد (۵ جون) کو خونی حادثہ کی پہلی سالگرہ پر عزائے ملی کا اعلان کیا گیا تھا جو زندان سے رہا ہونے کے بعد امام خمینی کا پہلا اعلامیہ تھا۔ امام خمینی نے اعلامیہ جاری کرنے کے بعد ۱۲رمحرم کو خود اپنے مکان میں مجلس عزاء منعقد کی اور ۵رخرداد کے مقتولین کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ نیز ان کے پسماندگان کو بلا کر ان کے ساتھ محبت و شفقت کا سلوک کیا۔

امام خمینی کی جلاوطنی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم. انا للہ و انا الیہ راجعون.

''میرے دل پر بڑا دباؤ ہے، میں بے چین ہوں۔ ایران کو دوسری عید نصیب نہ ہوگی۔ ہمیں فروخت کر دیا گیا ہے۔ ہماری عزت پامال ہو چکی ہے۔ ایران کی عظمت ختم ہو چکی ہے میں تمام علماء کی تعظیم کرتا ہوں۔''

اے ایران کے آقاؤ! میں خطرے کا اعلان کرتا ہوں۔

اے ایران کے سیاستدانو! میں خطرے کا اعلان کرتا ہوں۔

اے ایران کے تاجروں میں خطرے کا اعلان کرتا ہوں۔

اے علماء، اے طلباء، اے مراکز علمی، اے نجف، اے قم، اے مشہد، اے شیراز اور تہران، میں خطرات کا اعلان کرتا ہوں۔

ہمارا ملک امریکہ کے قبضہ میں ہے پس تم لوگ کہو ہماری تمام مشکلات اور پریشانی اس امریکہ کے سبب ہے۔ ہماری ساری پریشانیاں اس اسرائیل کے سبب ہیں اسرائیل بھی امریکہ کا ہے۔

سینیٹ کے ممبران نے غداری کی اور پارلیمنٹ کے ممبران نے بھی جن لوگوں نے ووٹ دیا ہے ان لوگوں نے اس ملک کے ساتھ خیانت کی، یہ لوگ نمائندے نہیں ہیں یہ لوگ خائن ہیں ان لوگوں نے ایران کے ساتھ خیانت کی ہے۔ اب یہ لوگ نمائندگی سے معزول ہیں۔ (۴۲)

قم کے ''محلہ یخ چال قاضی'' میں ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۸۴ء کو حضرت فاطمہ زہرا کے یوم ولادت پر ایرانی قوم سے کی گئی تقریر کا یہ اقتباس بظاہر امام خمینی کی جلاوطنی کا سبب بنا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ امام خمینی نے یہ تقریر اس

وقت کی تھی جس وقت امریکہ نے ایران میں اپنے باشندوں کی جان اور اپنے منافع کی حفاظت کی خاطر کیپی چولیشن (Capitulation)(۞) کے قانونی بل دوبارہ نافذ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ تھا واضح رہے کیپی چولیشن کا یہ قانونی بل اکتوبر ۱۹۶۳ء میں اسداللہ علم کی کابینہ پاس کرچکی تھی۔ اب اکتوبر ۱۹۶۴ء میں حسن علی منصور کی کیبنٹ نے منظوری کے لئے پارلیمنٹ میں پیش کیا تھا اور پاس کر دیا تھا۔ اس بل کے قانون کا متن یہ تھا:

''دفعہ نمبر ا قانون نمبر ۱۸......۲۲۹۱......۲۱۵۷......۲۵......۱۱......۱۳۴۲ کی رو سے حکومت اور اس سے متعلق کہ جیسے ۱۳۴۲/۱۱/۲۱ ھ ش (۱۰ فروری ۱۹۶۳) کو سینٹ میں پیش کیا گیا تھا اجازت دی جاتی ہے کہ وہ ایران میں ''امریکی مشیروں کی ٹیم کے سربراہ اور اراکین'' کو موافقت نامہ اور ۲۹ فرردین ۱۳۴۰ ش (۱۸ اپریل ۱۹۶۱ء) کی رو سے شاہی حکومت میں کام کرنے کی اجازت دے سکتی ہے۔'' (۴۳)

پارلیمنٹ میں پاس کیا ہوا کیپی چولیشن بل کے تحت امریکی فوجی اور سیاسی مشیروں کو ایران کی عدالتی چارہ جوئیوں سے تحفظ حاصل ہو جاتا اور عملی طور پران کے لئے کوئی بھی غیر قانونی اور غیر اخلاقی حرکت جائز ہو جاتی اور انہیں کسی کام کیلئے روکا نہیں جا سکتا۔ اگر امریکہ کا معمولی نوکر یا باورچی ایرانی صف اول کے عالم کو یا مرجع تقلید کو ایران میں قتل کردے یا ہاتھ پاؤں روند ڈالے، ایرانی پولیس حق نہیں رکھتی تھی کہ وہ منع کر سکے اور ایران کی عدالتیں بھی اس پر کیس کرنے یا پوچھ گچھ کرنے کا حق نہیں رکھتیں بلکہ اس کو امریکہ بھیجا جائے گا اور امریکہ میں ارباب اختیار فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا ہے۔ اس قانون کی جانب امام خمینی اپنی تقریر میں یوں اشارہ کرتے ہیں:

''شاہ ایران اور ہماری پارلیمنٹ نے ایرانیوں کا مقام امریکن کتوں سے بھی کم تر کر دیا ہے۔ اگر کوئی کسی امریکی کتے کو مارے گا تو اس پر مقدمہ چلایا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی امریکن باورچی خود شاہ ایران یا کسی معزز ترین ایرانی پر ہاتھ اٹھائے گا تو اس پر مقدمہ نہیں چل سکتا۔'' (۴۴)

یہ قانون درحقیقت ایران کی سیاسی و عدالتی آزادی کو ختم کر کے ملک کو بیچ ڈالنے کی طرف کھلا اقدام تھا۔ اس بات کے پیش نظر امام خمینی نے اپنی ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۸۴ھ (روزِ ولادت حضرت فاطمہ الزہرا) کی تقریر میں ایران اور امریکہ کے درمیان ہونے والے اس معاہدے پر شدید تنقید کی اس تقریر میں آپ نے کہا:

''اے اسلام کے سربراہو! اسلام کی فریاد کو پہنچو، اے نجف کے عالمو! اسلام کی فریاد کو پہنچو، اے قم کے عالمو! اسلام کی مدد آؤ، اسلام رخصت ہوا۔ اے اسلامی ملتو!، اے اسلامی ملتوں کے سربراہو!، اے اسلامی مملکتوں کے صدرِ مملکتو!، اے اسلامی ملتوں کے سلطانو!، اے شاہِ

۞ Capitulation یعنی امریکی محافظوں، سفارت کاروں کے تحفظ کا بل: اس بل کی منظوری کے پس منظر میں یہ قرارداد منظور کی گئی تھیں: (۱) ایران میں امریکی فورسز کی تعیناتی، (۲) ان کی سیکورٹی کی ضمانت اور (۳) مطلق العنانیت کیلئے عدالتی اور قانونی رکاوٹوں سے استثناء

ایران! خود اپنی فریاد کا جواب دو، ہم سب کی فریاد کا جواب دو، ہم امریکہ کے جوتوں تلے روندا جانا قبول کرلیں؟ چونکہ ہماری قوم کمزور ہے؟ چونکہ ہمارے پاس ڈالرنہیں ہے؟ امریکہ برطانیہ سے بدتر، برطانیہ امریکہ سے برتر اور روس ان دونوں سے بدتر، سب کے سب ہر ایک سے بدتر، سب کے سب ہر ایک سے زیادہ کثیف و پلید تر ہیں۔'' (۴۵)

اس تقریر کے بعد شاہ اور اس کے کارندوں نے یہ محسوس کیا کہ امام خمینی کی موجودگی میں نہ صرف شاہ کی اصلاحی پالیسی کا اجراء ممکن ہے بلکہ خود شاہی حکومت خطرے میں ہے لہٰذا شاہ نے امام خمینی کو گرفتار کر کے ملک بدر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

۱۳ابان ۱۳۴۳ش (۴ نومبر ۱۹۶۴ء) کی رات سینکڑوں کمانڈوز اور مسلح فوجیوں نے امام خمینی کے مکان کا محاصرہ کرلیا اور آپ کو گرفتار کر کے سیدھے تہران مہر آباد ہوائی اڈہ لے گئے وہاں پر موجود سرہنگ مولوی (تہران کی ساواک کے سربراہ) نے کہا کہ یہاں تک کا سفر بہ خوبی ہو چکا اور بہت جلد اس سفر کا اختتام ہونے والا ہے۔ ابھی ۴رنومبر کا سورج طلوع بھی نہ ہوا تھا کہ حکومت کا ایک اعلیٰ افسر امام خمینی کا پاسپورٹ لے کر آ گیا اور پاسپورٹ ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ آپ ترکی جا رہے ہیں آپ کے وہاں پہنچ جانے کے بعد بہت جلد آپ کے افراد و خاندان کو بھی آپ کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ اس کے بعد امام خمینی کو ہوائی جہاز میں بٹھا کر ترکی جلاوطن کر دیا گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق امام خمینی کی جلاوطنی سے ایک رات قبل محمد رضا شاہ کے محل میں دو سو مہمان موجود تھے۔ شاہ کا وزیراعظم منصور بھی موجود تھا۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک منصور اور شاہ کے درمیان حالاتِ حاضرہ پر گفتگو ہوئی۔ بالآخر امام خمینی کی جلاوطنی کا حکم صادر ہو گیا۔ اس وقت سرہنگ افضلی بھی ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا جس کو انہیں ترکی تک لے جانے کے لئے متعین کیا گیا تھا۔ اس طرح طے شدہ پروگرام کے تحت پہلے انہیں استنبول اور پھر وہاں سے ترکیہ ہی کے شہر بورسا منتقل کر دیا گیا۔ ایک روایت کے مطابق اسی روز سحر کے وقت آپ کے بڑے بیٹے مصطفیٰ خمینی کو گرفتار کر کے قلعہ قزن کے جیل میں بند کر دیا گیا۔ (۴۶) کچھ دنوں بعد ان کو بھی جلاوطن کر کے اپنے والد کے پاس ترکی بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد بدنامِ زمانہ خفیہ ایجنسی (ساواک) کی طرف سے ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے امام خمینی کو ملک بدر کرنے کی خبر نشر کردی گئی۔

'' کافی شواہد اور دلائل کے مطابق چونکہ آقائے خمینی کا رویہ اور ان کی سرگرمی ملت اور ملک کی سلامتی و استقلال کے خلاف ثابت ہوئی لہٰذا ۱۳ آبان ۱۳۴۳ش (۴رنومبر ۱۹۶۴ء) کو ان کو ایران سے ملک بدر کر دیا گیا ہے۔'' (۴۷)

۱۳ آبان ۴۳ش (۴ر اکتوبر ۱۹۶۴ء) اسلامی انقلاب ایران کی تحریک کا حساس اور یادگار موڑ ہے۔ اسی دن امام خمینی کو جلاوطن کئے جانے کے ۱۴ سال بعد ٹھیک اسی دن ۱۳ر آبان ۱۳۵۷ش (۴ر اکتوبر ۱۹۷۸ء) کو ہزاروں طالب علموں نے تہران یونیورسٹی اور اس کے اطراف کی سڑکوں پر مظاہرہ کیا اور ''شاہ مردہ باد''، ''خمینی زندہ باد'' کا نعرہ لگایا جس کے نتیجے میں فوجیوں نے گولیاں چلائیں اور دسیوں طلبہ جان سے ہاتھ دو بیٹھے۔ ۱۱ بہمن ۱۳۵۷ش (۱۱ر فروری ۱۹۷۹ء) کو انقلاب کامیاب ہوا۔ ۲۳ اردی بہشت ۱۳۵۸ش (۱۳ر مئی ۱۹۷۹ء) کو اسلامی جمہوریہ ایران کی عبوری حکومت کی تجویز پر ۲۱ مہر ماہ ۱۳۴۳ش (۱۳ر اکتوبر ۱۹۶۴ء) کا منظور شدہ (کیپی چیولشن) کا قانون منسوخ کر دیا جائے۔ شورائی انقلاب اسلامی (پارلیمنٹ) نے منظوری دے دی اور ایران کی وزارت خارجہ نے اسی روز (۴ر اکتوبر) معاہدے کے توڑنے کا حکم صادر کر دیا۔ (۴۸)

حیرت کی بات یہ ہے کہ اسی سال ۱۳ آبان ۱۳۵۸ش (۴ر نومبر ۱۹۷۹ء) کو امام خمینی کے چاہنے والے طالب علموں نے کہ جو قوم پرستوں اور عبوری حکومت کے مخالف تھے اور انہیں امام خمینی کی تائید تھی، ایران میں امریکی سفارت خانے پر قبضہ کر لیا اور وہاں سے حاصل شدہ دستاویزات جو امریکی مداخلت کے واضح ثبوت تھے کو مختلف اخبارات میں شائع کر دیا۔ (۴۹)

جب امام خمینی کی جلاوطنی کی خبر عام ہوئی تو ایرانی عوام نے تہران، قم اور بہت سے شہروں میں زبردست مظاہرے کئے۔ تمام بازار اور کاربار بند کر دیئے گئے۔ علماء نے بھی سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ انہوں احتجاجاً دروس اور نماز جماعت کا سلسلہ منقطع کر دیا اور قم، مشہد، تہران، تبریز اور بہت سے دیگر شہروں میں پندرہ دن کی عام ہڑتال کر دی گئی۔ علاوہ ازیں امام خمینی کو تار ارسال کئے جن میں اپنی وفاداری کی یقین دہانی کرائی گئی اور اسلامی انقلاب کو کامیاب بنانے کے لئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے کے عہد کی تجدید کی گئی۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ علماء کی جانب سے امام خمینی کو ترکیہ میں میں ارسال کردہ تاروں کے چند مطالب پیش کریں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

> ''.....بعداز ظہر ۴ شنبه ۸۴/۲/۲۹ خبر رسید که حضرت عالی را بخارج از کشور برده اند و از رسیدن ناله های پیوسته ی، خوشابه سعادت آن سرزمینی که حضرت عالی درآن تشریف درید، قلوب همگی مردم بایمان متوجه شماست.....وهمگی برای نصرت و تایید شما است که لسان ناطق مجامع روحانی و دینی هستید''(۵۰)

''..... چہار شنبہ ۸۴/۲/۲۹ (۴ر نومبر ۱۹۶۴) کو بعد از نماز ظہرین یہ معلوم ہوا کہ آنجناب کو جلا وطن کر دیا گیا ہے۔ مبارک ہے وہ سرزمین جہاں ایسے بزرگ انسان کے قدم پہنچے، صاحب ایمان افراد کے دل ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں گے اور ہمیشہ آپ کا اتباع کرتے رہیں گے۔ کیونکہ آپ کی آواز مجامع روحانی کی آواز ہے۔ شاید ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ آیت اللہ کی آواز صرف جامعہ روحانیت کی آواز نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کی آواز ہے۔''

امام خمینی کی جلا وطنی کے بعد ایران کے علماء اور روحانی پیشواؤں کی طرف سے انہیں متعدد تار اور خطوط ارسال کئے گئے اور حکومت کے اس اقدام کی مذمت کی۔ آیت اللہ مرعشی نجفی کے سب سے پہلے اور شدید اللحن پمفلٹ میں تحریر تھا کہ:

''ہیئت حاکمہ یہ جان لے کہ وہ بہت بڑے جرم کے مرتکب ہوئی ہے اور دنیا کی تاریخ ہرگز اس جرم کو فراموش نہیں کرے گی کیا یہ ذلت کا باعث نہیں ہے کہ اغیار محفوظ رہے اور آیت اللہ خمینی کو دوسروں کے حوالے کر دیا جائے۔'' (۵۱)

آیت اللہ میلانی کے پہلے ٹیلی گرام میں یہ تحریر تھا کہ:

''یہ کام کرنے والے اس بات کو جان لیں کہ وہ (امام خمینی) تنہا نہیں ہے بلکہ وہ پورے علماء کی زبان ہے اور ان کی بات کلام حق وحقیقت ہے۔'' (۵۲)

آیت اللہ گلپایگانی نے اپنے ٹیلی گراف میں لکھا:

''بڑے افسوس کی بات ہے کہ علمائے اعلام کی شان میں جسارت ہوئی ہے اور میں نے اس واقعہ کی تلافی کے لئے اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اقدام کیا ہے اور کروں گا۔'' (۵۳)

آیت اللہ خوئی کے ٹیلی گرام کا متن یہ ہے:

''ان دنوں ہونے والے واقعات اور آیت اللہ خمینی کی گرفتاری اور وحشت ناک خبریں میری پریشانی کا باعث ہیں۔'' (۵۴)

مزید برآں آیت اللہ مرزا عبداللہ مجتہد تہران نے صدر ترکیہ کے نام تار ارسال کیا جس میں ان سے کہا گیا تھا کہ:

''جناب والا کے ملک میں ایران کے عظیم رہنماء اور روحانی پیشوا حضرت آیت اللہ خمینی قیام پذیر ہیں۔ ایران کے مسلم عوام اور بالخصوص علماء اسلام کو توقع ہے کہ ان کی تعظیم و مراتب کو ملحوظ

رکھا جائے گا ۔ جناب کا یہ عمل تمام ملت مسلمہ اور علماء اسلام کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔"(۵۵)

ایران کے علماء اور روحانی پیشواؤں نے تار اور خطوط کی ترسیل کے علاوہ حکومت ایران کے اعلیٰ عہدیداروں اور بیرونی ممالک کے سربراہوں سے بھی امام خمینی کی آزادی کے لئے رابطہ قائم کیا۔
رضا شاہ کی حکومت نے ایران کے عوام کو اسلامی انقلاب سے منحرف کرنے کے لئے لکڑی اور تیل کی قیمت میں اضافہ کر دیا تا کہ عوام سخت ترین سردی کے موسم میں اپنے گھروں کو گرم نہ کر سکے لیکن اس کے باوجود علماء کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ امام خمینی کی جلاوطنی کے خلاف علماء کے حکم پر قم (حرم معصومہ) میں پروگرام ہوتا تھا۔ اسی مقام پر ایک پروگرام میں شیخ مہدی کروبی نے کہا تھا کہ:

"دشمن نے ہمارے پیشوا کو جلاوطن کر دیا ہے اور اب ہمیں ان کی رہائی کے لئے آواز بلند کرنے کی اجازت نہیں دے رہا ہے۔"(۵۶)

اس کے پاداش میں حکومت کی طرف سے امام خمینی کے طرف داروں پر زدوکوب کیا گیا، خاص طور پر شیخ مہدی کروبی کو مسجد اعظم سے گرفتار کیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد علماء اور روحانی پیشواؤں نے مسجد اعظم سے احتجاجی جلوس نکالا جو "مرجع ما خمینی"، "عزیز ما خمینی" کے نعرے لگاتا ہوا جب خیابان میں پہنچا تو ساواک اور پولیس نے ان پر حملہ کر کے منتشر کر دیا اس حملے میں بہت سے لوگ شدید زخمی ہوئے۔ جس رات کو یہ حادثہ پیش آیا قم کے عوام نے اس کا نام "لیلۃ الضرب" رکھ دیا۔ امام خمینی کی جلاوطنی کے خلاف تہران میں بھی "جمعیت ہائے موتلفہ اسلامی" کی کوششوں سے دکانداروں اور عام عوام کی ایک میٹنگ ۱۲ دسمبر ۱۹۶۴ کو مسجد عزیز اللہ میں ہوئی۔ اسی طرح مسجد صاحب الزمان (آزادی اسٹریٹ) میں بھی لوگوں نے زبردست مظاہرہ کیا۔
رضا شاہ امام خمینی کی ملک بدری کو اپنی کامیابی سمجھ رہا تھا اور وہ یہ سوچتا تھا کہ امام خمینی کو ملک بدر کرنے سے اسلامی انقلاب کی تحریک کی شمع خاموش ہوجائے گی۔ شاہ کے وزیر اعظم حسن علی منصور نے ۷ر نومبر ۱۹۶۴ کو کہا کہ شاہ اور عوام کی راہ میں حائل ہاتھ منقطع ہوگئے ہیں، اب شاہ کی نیت اور حکومت کی کارکردگی پورے ایران میں "ملک کی اصلاح" میں کامیابی کی ضامن ہے۔ ۸ر نومبر ۱۹۶۴ کو منصور نے تیل سے مالا مال جنوبی علاقے کا دورہ کیا اور منصور کی اصلاحات جلد ہی سامنے آگئیں۔ منصور نے دنیا کے سب سے بڑے تیل کا ٹینڈر امریکی و ہالینڈ کی کمپنیوں کو دے دیا۔ اس طرح ۸۵ فیصد تیل امریکی کمپنیوں کو دینے کا منصور نے معاہدہ کیا۔ اس طرح شاہی اصلاحاتِ ارضی کے نتیجے میں وہ ملک جو کچھ دنوں قبل گیہوں اور دوسری خوراک کی اشیاء ایکسپورٹ کرتا تھا اس نے

اصلاحات کے مرحلے شروع ہونے تک دو لاکھ ٹن گیہوں امریکہ اور روس اور پچیس ہزار ٹن مکئی امریکہ سے خریدی۔(۵۷)

امام خمینی کی ملک بدری کے خلاف علماء اور عوام کی طرف سے قم تہران اور مشہد اور دیگر شہروں میں مظاہرے ہو رہے تھے، شاہی حکومت نے علماء اور عوام کی گرفتاریاں شروع کر دی اس کے باوجود بالآخر منصور کی حکومت کو علماء کے مطالبے کے سامنے جھکنا پڑا۔اس نے علماء کے اس مطالبے کو منظور کر لیا کہ مرجع اور علماء کا ایک نمائندہ وفد ترکی جائے اور امام خمینی کی مزاج پرسی کرے۔اس مطالبے کی منظوری کے بعد آیت اللہ خوانساری کے داماد (سید فضل اللہ خوانساری) نے ۲۱ر دسمبر ۱۹۶۴ء کو استنبول میں امام خمینی سے ملاقات کی۔اس ملاقات کیلئے امام خمینی کو بورسا سے استنبول منتقل کر دیا گیا تھا،اس کے چند دنوں بعد امام خمینی کو بورسا سے استنبول منتقل کر دیا گیا۔قم سے شیخ مصطفیٰ جلیلی شریعتمداری کی طرف سے ترکی گئے اور انہوں نے امام خمینی سے ملاقات کی۔ان ملاقاتوں میں امام خمینی نے خط اور زبانی پیغامات کے ذریعے اپنے ایرانی دوستوں کو تاکید کی کہ میں راضی نہیں ہوں کہ کوئی میری آزادی کے لئے جابر حکومت کے پاس جائے۔

ادھر ایرانی وزیر اعظم حسن علی منصور کہ جس نے امام خمینی کو ملک بدر کر دیا تھا اس بات پر فخر محسوس کر رہا تھا اور جس نے ہزاروں ایرانیوں کو پابہ زنجیر کر کے جیلوں میں ڈال رکھا تھا یکم بہمن ۱۳۴۳ش (فروری ۱۹۶۰ء) کی صبح محمد بخارائی کی گولیوں کا نشانہ بن کر قتل ہوا دلچسپ بات یہ ہے کہ منصور کے قاتل محمد بخارائی فدایان اسلام نامی پارٹی تشکیل دینے والوں میں شامل تھا۔ان کے اسلحہ پر یہ لکھا ہوا تھا کہ ''حکومت اسلامی قائم ہونی چاہیے۔''

منصور کے قتل نے شاہ ایران اور امریکہ کو اس حقیقت کا احساس دلایا کہ پندرہ خرداد (۵ر جون ۱۹۶۳ء) کی تحریک جس کے بارے میں ہم نے تفصیل کے ساتھ اسی باب کے درمیانی مراحل میں بحث کی ہے ایک واقعہ نہیں تھی جو عوام کے قتل اور رہبر انقلاب امام خمینی کی ملک بدری کے بعد اختتام پذیر ہو جائے۔یاد رہے کہ ۱۹۵۰ء میں اس وقت کے وزیر اعظم کرنل رزم آرا کو فدائیان اسلام کے ایک کارکن خلیل طہماسبی کی گولیوں کا نشانہ بننا پڑا تھا جبکہ وہ برطانیہ کے ساتھ ایران کے جنوبی علاقے کے تیل کے بارے میں معاہدہ کرنے جا رہا تھا اور حسن علی منصور بھی اس وقت قتل ہوا جب امریکی کمپنیوں کو تیل دینے کی منظوری اس کے ہاتھ میں تھی۔

وزیر اعظم حسن علی منصور کے قتل کے بعد رفسنجانی شاہی پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور مسلسل پانچ مہینے قید کی سزا کاٹی۔ظاہراً ان پر حسن علی منصور کے قتل کا الزام تھا۔لیکن حقیقت میں ایک کتاب کی تالیف اور شاہ کے خلاف سخت قسم کی تقریروں کی وجہ سے انہیں گرفتار کیا گیا تھا۔کتاب کا نام ''فلسطین روداد، یا استعمار کی سیاہ دستاویز''

تھا۔"(۵۸)

وزیراعظم حسن علی منصور کے قتل کے بعد ان کی جگہ امیر عباس ہویدا کو ملک کا نیا وزیراعظم مقرر کر دیا گیا اور اس کو نئی کابینہ بنانے کا اختیار بھی دے دیا گیا۔ ایران کا ہر فرد اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ امیر عباس ہویدا کا تعلق بہائی فرقہ سے تھا۔ فرقہ بہائیت کے بارے میں ہم نے باب سوئم میں تجزیہ و تحلیل کی ہے۔

حسن علی منصور کے قتل کے بعد محمد بخارائی اور اس کے تمام ساتھیوں پر مقدمہ چلایا گیا۔ ایران کی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف علمائے قم نے منصور کے واجب القتل ہونے اور محمد بخارائی اور اس کے ساتھیوں کی بریت کے جواز پر مبنی فتویٰ ایران اور عراق کے تمام علماء کو دستخط کرنے کی غرض سے ارسال کیا جس پر بیشتر علماء نے تائیدی دستخط ثبت کر دیئے اس کے باوجود ۲۶ خرداد ۱۳۴۴ش (۱۶ر جون ۱۹۶۶ء) کی آدھی رات کو اسلامی انقلاب کے چار افراد محمد بخارائی، صادق امانی، رضا صفا دھرندی اور مرتضیٰ نیک نژاد کو جلادوں کے سپرد کیا گیا اس طرح ان کے خون سے اسلامی انقلاب ایران کی تاریخ میں ایک ناقابل فراموش باب کا اضافہ ہوا۔

محمد بخارائی اور اس کے دیگر رفقائے کار کو سخت سزائیں دینے کے بعد رضا شاہ یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اس اقدام سے وہ ایک مدت کے لئے انقلابی تحریک کو دبانے میں کامیاب ہو چکا ہے لیکن قتلِ منصور کا داغ ابھی اس کے دل سے دور بھی نہ ہوا تھا کہ ۲۱ فروردین ۱۳۴۴ش (۱۹۶۵ء) کو رضا شمس آبادی نامی شخص جو قصر شاہی کی پاسبانی پر معمور تھا، نے رضا شاہ پر قاتلانہ حملہ کرنے کے لئے اس کے دفتر خاص کے نزدیک پہنچا ہی تھا اس سے پہلے کہ وہ اپنے عزم کو عملی جامہ پہنا تا دفتر کے محافظ فوجی دستے کی گولیوں کا نشانہ بن کر بری طرح مجروح ہو گیا لیکن اس کے باوجود وہ گرتا پڑتا دفتر شاہ کے سامنے پہنچ کر بہ آواز بلند کہا "اس جلاد کو مارنا چاہتا تھا"۔ اس طرح شاہ اس قاتلانہ حملہ سے بچ گیا۔(۵۹)

امام خمینی کی قیام ترکی کے دوران رضا شاہ کی حکومت نے ایران کے تمام شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کے علماء پر یہ پابندی کر دی کہ وہ اپنی کسی بھی تقریر میں نہ تو امام خمینی اور اُن کے فرزند کی جلاوطنی کا ذکر کریں گے اور نہ شہنشاہیت، صہیونیت اور سامراجیت کی برائی کریں گے۔ اگر کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو اس سے نہایت سختی کے ساتھ نمٹا جائے گا۔

چنانچہ بہت سے علماء نے ہر قسم کی تقاریر کرنے سے گریز کیا۔ بعض علماء نے تقریر بھی کی تو احتیاط کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اپنی تقریر میں نہ تو امام خمینی اور ان کے فرزند کی جلاوطنی کا ذکر کیا نہ شہنشاہیت، صہیونیت یا سامراجیت کے خلاف کوئی بات کہی۔ لیکن بعض علماء نے نہایت بے باکی کے ساتھ منبر پر بیٹھ کر نہایت شرح کے

ساتھ تقاریر کیں جن کو منبر سے اترتے ہی پابہ زنجیر کر کے داخل زندان کر دیا گیا۔اس سلسلے میں ایک مقرر کے حیرت انگیز فن خطابت کے ملاحظہ پر تبصرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ رضا شاہ نے ساواک کے سپاہیوں کو مسجدوں میں مقررین کی نگرانی کے لئے متعین کر دیا تھا جن کا کام یہ تھا کہ ہر مقرر کو ڈرا دھمکا کر مجبور کریں کہ وہ اپنی تقریر میں کوئی ایسی بات نہ کہے جس سے امن عامہ میں خلل واقع ہو۔ چنانچہ ایک ذہین مقرر نے شاہی سپاہیوں کی نصیحت سننے کے بعد منبر پر بیٹھا اور پہلے بسم اللہ والحمد للہ پڑھا اس کے بعد والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا اور منبر سے نیچے اتر گیا لوگوں نے حیرت زدہ ہو کر اس مقرر سے جب اس عجیب وغریب انداز خطابت کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ ساواک کے افسران نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اپنی تقریر میں کوئی بات ایسی نہ کہوں جس سے نظام حکومت کی امنیت میں خلل واقع ہو تو مجھے منبر پر بیٹھ کر یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اس مقام سے میں جو بھی کہوں گا اس کو حکومت کی مخالفت پر محمول کیا جائے گا۔ اگر میں یہ کہوں کہ چوری اسلام میں جائز نہیں تو یہ بھی حکومت کے نظام امن میں خلل ہے۔ کیونکہ حکومت ایران کے حکام دنیا بھر کے چوروں کے سردار ہیں یا اگر میں یہ کہوں کہ اسلام میں ظلم وتشدد حرام ہے تو یہ بھی نظام حکومت میں خلل اندازی ہوگی، کیونکہ ایران کے حکام کا شمار دنیا کے ستم گاروں میں ہوتا ہے۔ خلاصہ بیان یہ ہے کہ اسلام کا ہر حکم نظام حکومت کی امنیت کے خلاف ہے کیونکہ حکومت ایران ہیئت ترکیبی انہیں اجزاء پر مشتمل ہے لہٰذا میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ میں بسم اللہ ......والسلام علیکم کہوں اور منبر سے اُتر جاؤں۔(۶۰)

اس حیرت انگیز بیان کے بعد اس کو فوراً گرفتار کر کے جیل روانہ کر دیا گیا لیکن اس بیان نے لوگوں کے جذبات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہی وجہ تھی شب عید نوروز ۱۳۴۴ش (۱۹۶۵ء) کو انقلابیوں کی اپیل پر بڑے شہروں اور قم کے اطراف کے قصبات اور دیہات سے آنے والے ہزاروں زائرین حرم معصومہ قم کے صحن کوچک (معروف بہ صحن طلا) صحن بزرگ اور مسجد اعظم میں جمع ہوئے۔ لیکن اس اجتماع میں بھی ساواک اور پولیس کے سپاہی سول لباس میں ملبوس عوام میں مل جل کر بیٹھے ہوئے تھے اور علماء اور روحانی پیشواؤں کی نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے روحانی پیشواؤں نے نماز جماعت کے بعد دعائے توسل کا آغاز کیا اور دعائے توسل کے ختم ہوتے ہی ایک نوجوان جس کا نام فلاح یزدی تھا، نے مقالہ پڑھنا شروع کر دیا جس سے صحن میں موجود ہزاروں افراد اسکی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس مقالہ کے اہم اقتباس یہ ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ......ہم ان تمام مسلمانوں کو سلام پیش کرتے ہیں جو مراسم تحویل سال (نیا سال) کی بجا آوری کے لئے آستانہ مقدس میں جمع ہوئے ہیں۔ مناسب تو یہ تھا کہ تحویل سال کے مبارک موقع پر ہم آپ کو ہدیہ تبریک پیش کرتے۔ لیکن ایران کی فاسد حکومت نے

ہمارے اور آپ کے لئے عہد باقی ہی نہ رکھی۔ ایران کی غیر قومی اور دشمن اسلام حکومت نے ۱۵ خرداد (۵ جون) کو مدرسہ فیضیہ قم اور مدرسہ طالبیہ تبریز میں ہمارے عزیزوں کا قتل عام کیا۔ ایران کے مسلمانوں کے مرجع تقلید حضرت آیت اللہ خمینی کو غیر قانونی طور پر جلاوطن کر کے ملت ایران کو سیاہ بختی سے ہمکنار کر دیا ہے۔ بیت المال کو غیر ملکیوں کی عیاشوں کے لئے وقف کر کے ہمیں بھوک، غربت اور افلاس سے دست و گریباں کر دیا ہے۔

برادران اسلام آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت ہم سال نو کا استقبال کرنے میں مصروف ہیں۔ سینکڑوں خاندان، اپنے عزیز و اقارب کی اسیری پر حسرت و یاس کے آنسو بہا رہے ہیں۔ ان دو مہینوں میں کیسی کیسی عظیم المرتبت شخصیتوں کو گرفتار کر کے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بند کر دیا گیا۔ پھر اس نے ان کے ناموں کو اس طرح سے پڑھ کر سنایا:

حجۃ الاسلام والمسلمین آقائی ربانی، شیرازی، حجۃ الاسلام آقائی انصاری شیرازی، حجۃ الاسلام دانشمند، محترم آقائی شیخ اکبر ہاشمی رفسنجانی، حجۃ الاسلام آقائی شیخ علی اصغر مروارید، حجۃ الاسلام آقائی شیخ محمد جواد حجتی کرمانی، حجۃ الاسلام شیخ فضل اللہ محلاتی، حجۃ الاسلام شیخ غلام حسین جعفری، حجۃ الاسلام آقائی طبسی مشہدی، حجۃ الاسلام محمد مہدی ربانی گیلانی، حجۃ الاسلام آقائی تہرانی، واعظ مجاہد آقائی فحجونی، حجۃ الاسلام دو عاظ معظم، آقایان محامی مشہدی، سید مہدی حق پناہ، قاسم اسلامی، آقائی نجم اعتمادی، الحاج سید مہدی امام جمارانی، سید کاظم قریشی، سید حسن طاہر خرم آبادی، احمد کافی، میر دامادی، طاہری اصفہانی، مقدسیاں واعظی، شجاعی، نور الدینی، آقا شہاب شمیرانی، مرتضی فہم کرمانی، صادقی قمی، حسین غفاری، شیخ محمد رضا گلرخی، صفدری خرم آبادی، شیخ علی اصغر زنگانہ، شیخ نبی زنگانہ، محمود صالحی ناصحی، مہدوی، احمدی، سید مہدی، موحد، رضا، شیخ الطائفہ، جوادی رکھی، دین پرور جعفر سبحانی، نبی پور کاظمی، سید محمود سدھی و حجازی۔

آیئے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ان مردانِ نیک کو جیلوں میں کیوں بند کیا گیا ہے جو چوروں اور اوباشوں کے لئے ہے۔ حضرت آیت اللہ خمینی کو کیوں ملک بدر کیا گیا ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اس ملک کی قسمت چوروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں کی مسندِ اقتدار پر اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن صیہونیت کی حکومت ہے۔ لہٰذا ایران کے ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے کہ اس ملک کے اسلامی تشخص کی بقا کے لئے صیہونیت اور سامراجیت کے خلاف اس وقت جنگ جاری رکھے جب تک ان کے ناپاک قدم ہماری سرزمین سے دور نہ ہو جائیں۔'' (۶۱) ابھی تقریر کا سلسلہ جاری تھا شاہی فوج اور پولیس ان زائرین پر جو ہزاروں کی تعداد میں صحن میں تحویل سال نو کے مراسم ادا کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے اور جن میں بوڑھے، بچے اور خواتین بھی کثیر تعداد میں

شریک تھیں پر اچانک حملہ کر دیا اور ان لوگوں کو بری طرح زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ سینکڑوں زائرین اس حملے میں بری طرح مجروح ہوئے، اس کے بعد تحریک انقلاب اسلامی کے رہبروں کی نگرانی اور سختی کے ساتھ کی جانے لگی۔ اسی سال محرم کی مجالسوں میں خطیب، واعظ، عالم، مقرر پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔

امام خمینی ترکی کی جلاوطنی میں بہت سخت اور اذیت ناک زندگی گزار رہے تھے یہاں تک کہ آپ پر علماء کے لباس پہننے کی بھی پابندی لگا دی گئی۔ ترکی پہنچتے ہی امام خمینی کو انقرہ کے ہوٹل بلوار پیلس کی چوتھی منزل کمرہ ۵۱۴ میں رکھا گیا اور دوسرے دن ان کی رہائش گاہ کو خفیہ رکھنے کے لئے انہیں اتاترک ایونیو پر واقع کسی جگہ منتقل کیا گیا اس کے چند دن بعد مزید گوشہ نشین کرنے اور ہر قسم کے روابط منقطع کرنے کے لئے آپ کو انقرہ کے مغرب میں ۴۶۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع شہر بورسا منتقل کر دیا گیا۔ اس دوران امام خمینی کے لئے ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں کے امکانات بند ہو گئے۔ آپ کی نگرانی براہ راست ایرانی حکومت کے کارندوں اور ترک حکومت کے سیکورٹی والے کرتے تھے۔ (۶۲)

امام خمینی ۱۱ ماہ تک ترکی میں رہے۔ اس عرصے میں شاہی حکومت ایران میں امام خمینی کے پیروکاروں کو غیر معمولی شدت کے ساتھ کچلنے میں کامیاب ہوگئی، جس کی بحث ہم نے اسی باب میں کی ہے۔ بہر حال عوام اور علماء کے دباؤ کی وجہ سے حکومت اس بات پر راضی ہوگئی کہ گاہے بگاہے امام خمینی کے حال واحوال سے مطلع ہونے اور آپ کی صحت وسلامتی کے بارے میں اطمینان حاصل کرنے کے لئے ان کی طرف سے نمائندے بھیجیں۔ اس عرصے میں امام خمینی اپنے رشتہ داروں اور حوزہ علمیہ کے بعض علماء کے نام خطوط میں اشاروں کنایوں سے اور دعاؤں کی صورت میں جہادی عمل کو ثابت قدمی سے جاری رکھنے کے ساتھ کتب ادعیہ اور فقہی کتب ارسال کرنے کی درخواست کرتے تھے۔ ترکی میں جبری اقامت کے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے مشہور کتاب "تحریر الوسیلہ" کی تصنیف مکمل کی۔ اس کتاب کے بارے میں ہم آخر باب میں بحث کریں گے۔

امام خمینی جلاوطنی کی دوسری منزل نجف میں:

۵ / اکتوبر ۱۹۶۵ء کو امام خمینی اور ان کے فرزند حاج مصطفیٰ کو ترکیہ سے اپنی دوسری منزل عراق منتقل کر دیا گیا۔ ان کی جلاوطنی کی تبدیلی کی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱۔ ایران اور دوسرے ممالک کے مذہبی حلقوں اور دینی درسگاہوں کے علماء اور طلبہ کا مسلسل دباؤ۔

۲۔ بیرون ملک مقیم مسلمان طلبہ کی طرف سے امام خمینی کی رہائی کے لئے کی جانے والی کوششیں اور مظاہرے۔

۳۔ امریکہ کی زیادہ سے زیادہ ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے شاہی حکومت کی طرف سے حالات کو معمول کے مطابق قرار دینے اور اپنی طاقت واستحکام ثابت کرنے کی سعی۔

۴۔ سکیورٹی کے نقطہ نگاہ اور ذہنی تحفظات کے سلسلے میں ترک حکومت کو درپیش مسائل۔

۵۔ ترکی کے مذہبی حلقوں کی طرف سے حکومت پر دباؤ۔

مندرجہ بالا وجوہات سے بڑھ کر سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ شاہ سوچنے لگا تھا کہ اس دور میں حوزہ علمیہ نجف اشرف پر طاری سکوت اور سیاست مخالف فضا میں امام خمینی کی سرگرمیاں محدود ہو کر رہ جائیں گی، اس کے علاوہ بغداد کی حکومت بھی ان کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرے گی۔

بغداد پہنچنے کے بعد امام خمینی ائمہ کی زیارت کے لئے عراق کے شہر کاظمین، سامرہ اور کربلا کے دورے پر گئے اور ایک ہفتے کے بعد اپنی اصلی اقامت گاہ نجف اشرف چلے گئے۔ ان شہروں میں طلبہ، علماء اور عوام نے آپ کا شایان شان استقبال کیا اس سے شاہی حکومت کی سوچ کے برعکس یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ ۱۵ خرداد (۵ جون) کی تحریک جس کے بارے میں ہم نے باب سوئم میں تبصرہ کیا ہے، کے پیغام کو عراق بالخصوص نجف اشرف میں بھی عوامی مقبولیت حاصل تھی۔

نجف اشرف میں امام خمینی کا طویل ۱۲ سالہ قیام کا آغاز ایسے حالات میں ہوا جن کی رو سے بظاہر ایران اور ترکی میں پائے جانے والے براہ راست دباؤ اور پابندیاں تو موجود نہیں تھیں لیکن آپ کو بڑے پیمانے پر اور تکلیف دہ حد تک مخالفتوں، رکاوٹوں اور زبانی چوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ دین کا لبادہ اوڑھے ہوئے علماء کی طرف سے (امام خمینی کے بقول درباری ملا کی طرف سے) اس حالت کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام خمینی نے بارہا اپنی جدوجہد کے سخت حالات کی تلخی سے یاد کیا ہے۔ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۶۵ء میں نجف اشرف کی مسجد شیخ انصاری میں امام خمینی نے فقہ کا درس خارج دینا شروع کیا جس کا سلسلہ عراق سے پیرس کی طرف ہجرت تک جاری رہا۔ فقہ اور اصول فقہ کے مبانی پر امام خمینی کے نظریات اتنے پختہ تھے اور دیگر اسلامی علوم ومعارف کے شعبوں میں آپ کی دسترس اتنی وسیع تھی کہ رجعت پسندوں کی طرف سے روڑے اٹکانے کے باوجود قلیل مدت میں طلبہ کی تعداد اور ان کی استعداد کے لحاظ سے آپ کا حلقہ درس حوزہ علمیہ نجف کے سب سے بڑے حلقوں میں شمار ہونے لگا۔ بڑی تعداد میں ایرانی، پاکستانی، عراقی، افغانی، ہندوستانی اور خلیج فارس کے ممالک سے تعلق رکھنے والے طلبہ روزانہ امام خمینی کے درس میں علم کی پیاس بجھانے کیلئے حاضر ہوتے تھے۔ اس کی وضاحت کے ساتھ تبصرہ ہم نے باب دوئم میں کیا ہے۔ نجف اشرف میں پہنچنے کے فوراً بعد امام خمینی نے خطوط اور نمائندوں کے ذریعے ایران میں

انقلابی عناصر سے اپنا رابطہ قائم کرلیا۔ آپ اپنے خطوط اور پیغامات میں ۱۵ خرداد (۵ جون) کی تحریک کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ثابت قدم رہنے کی تاکید کرتے تھے۔

امام خمینی کی جلاوطنی کے دوران حکومتی انتظامات میں امریکی و برطانوی مداخلت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ وزیروں کا انتخاب، فوجی افسروں کی تقرری اور حساس قانونی بلوں کی ترتیب وتدوین، حتیٰ کہ ان بلوں کی منظوری امریکی و برطانی سفارت خانوں کے ذریعے ہوتی۔ مثال کے ضمن میں یہاں شاہِ ایران کے ایک اعترافی بیان کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں:

''ہر ملاقات میں امریکہ اور برطانیہ کے سفرا کہتے تھے ہم ۷۹-۱۹۷۸ کے موسم خزاں میں آپ کی حمایت کریں گے۔ وہ مجھے زیادہ سے زیادہ آزاد سیاسی فضا قائم کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔'' (۶۳)

امریکی و برطانوی سفارت خانوں کی مداخلت امام خمینی کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھی۔ ایران میں موجود آپ کے حمایتی وقتاً فوقتاً انقلابی حالات سے باخبر رکھنے کے ساتھ ساتھ دیگر سیاسی معاملات سے بھی آگاہ رکھتے تھے۔ جب آپ کو امریکی و برطانوی مداخلت کی خبر ملی تو ۱۶/اپریل ۱۹۶۷ء کو حوزہ ہائے علمیہ کے علماء کے نام ایک پیغام میں یوں کہا:

''میں آپ محترم حضرات اور ایرانی قوم کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت شکست سے دوچار ہو کر رہے گی۔ ان کے پیشروؤں نے اسلام سے طمانچہ کھایا ہے...... یہ بھی کھا کر رہیں گے...... ثابت قدم رہو، ظلم کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرو، یہ لوگ چلے جائیں گے اور آپ ہی باقی رہیں گے...... یہ کند اور عاریتاً لی گئی تلواریں نیام میں چلی جائیں گی۔'' (۶۴)

ایران کے اندر امام خمینی کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے عوام کے مظاہروں کی شدت کو دیکھ کر شاہ نے محسوس کیا کہ اگر یہی صورت حال رہی تو سلطنت کا تخت اُلٹ جائے گا اسی خوف کے پیش نظر رضا شاہ اس وقت کے امریکی صدر جانسن سے امداد کی درخواست کی۔ صدر جانسن نے ۱۹۶۶ء میں شاہی حکومت کو ۲۰ کروڑ ۸۰ لاکھ ڈالر امداد دی۔ ۱۹۶۹ء میں امریکی صدر نکسن نے اعلان کیا کہ:

''امریکہ کی خواہش ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک اپنے دفاع کی ذمہ داریاں خود قبول کریں۔ البتہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآمد ہونے کیلئے امریکی حکومت ان ریاستوں کی پوری مدد کرے گی۔'' (۶۵)

۱۹۶۹ء کے ابتدائی ایام میں ایران اور عراق کے درمیان سرحدی تنازعات شدت اختیار کر گئے۔ عراق کی حکمران جماعت بعثی پارٹی نے اس دوران امام خمینی کی شخصیت کو استعمال کرنے کی کوشش کی۔ دوسری جانب شاہ ایران بھی امام خمینی کی تحریک کو زک پہنچانے کیلئے مختلف بہانے ڈھونڈ رہا تھا۔ لیکن امام خمینی نے دونوں حکومتوں کی سازشوں کو ناکام بناتے ہوئے اپنے اصلی موقف سے ہٹنا گوارہ نہ کیا۔

۱۹۷۲۔۱۹۷۱ء میں عراق کی بعثی حکومت اور شاہ ایران کے درمیان اختلافات انتہا کو پہنچ گئے جس کے نتیجے میں عراق میں مقیم بہت سے ایرانیوں کو عراق سے باہر نکال دیا گیا۔ امام خمینی نے اس وقت کے عراقی صدر احمد حسن البکر کے نام ایک ٹیلی گراف لکھا جس میں حکومت کے ان اقدامات کی شدید مذمت کی۔ آپ نے احتجاج کے طور پر عراق سے نکل جانے کا ارادہ کیا لیکن بغداد کے حکام نے آپ کی ہجرت سے پیدا ہونے والی صورتحال کو بھانپتے ہوئے آپ کو باہر جانے کی اجازت نہیں دی۔

۲۴ ستمبر ۱۹۷۵ء کو امریکہ اور کینیڈا میں مقیم طلبہ کی اسلامی انجمنوں کے سالانہ کنونشن کے نام اپنے پیغام میں امام خمینی نے کہا:

> ''عمر کے اس آخری حصے میں نوجوان نسل کی یہی آگہی اور شعور اور دانشوروں کی بیداری میرے لئے نقطہ امید ہے جس میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اپنے حتمی نتیجے پر پہنچ کر دم لے گی جو اغیار کے ہاتھوں کو کاٹنے اور اسلامی عدل وانصاف کے پھیلاؤ سے عبارت ہے۔'' (۲۶)

۱۹۷۵ء کو الجزائر میں شاہ ایران اور اس وقت کے عراقی نائب صدر صدام حسین کے درمیان (صلح کے) معاہدے پر دستخط کے بعد دونوں حکومتوں کے آپس میں موجود عداوتیں عارضی طور پر ختم ہو گئیں۔ کیونکہ اس وقت بغداد اور تہران کے درمیان کشیدگی کا جاری رہنا خلیج فارس میں امریکہ کے من پسند استحکام کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا اسی لئے الجزائر کے صدر اور شاہ ایران کے قریبی دوست مصر کے صدر انور السادات کی ثالثی سے یہ معاہدہ عمل میں آیا تھا بغداد اور تہران کے حکام کے درمیان دوستی امام خمینی کی جدوجہد کے راستے میں پہلے سے زیادہ رکاوٹیں کھڑی کرنے کا باعث بنی لیکن یہ رکاوٹیں امام خمینی کو اسلامی انقلابی عمل کا تسلسل جاری رکھنے سے باز نہیں رکھ سکیں یہی وجہ تھی اس وقت کے عراق میں متعین ایرانی سفیر اعلیٰ نے شاہ ایران کو رپورٹ لکھی:

> ''آیت اللہ خمینی عراق میں خاموش نہیں بیٹھا ہوا ہے بلکہ وہ شدت کے ساتھ حکومت کے خلاف سرگرم عمل ہے۔ براہ مہربانی اس معاملے کے بارے میں احکامات صادر کریں تاکہ میری ذمہ

داری واضح ہو جائے''۔شاہ نے اس رپورٹ کے جواب میں برہم ہو کر لکھا: ''میں نے کئی بار کہا تھا اس آواز کو دبا دیں۔'' (٦٧)

مئی ١٩٧٧ء میں ڈاکٹر علی شریعتی کے قتل کے خلاف امام خمینی کے فرزند مصطفیٰ خمینی نے اپنی حکومت مخالف سرگرمیاں تیز کر دیں تاہم مصطفیٰ خمینی زیادہ دیر تک حکومت گرفت سے نہ بچ سکے۔ چنانچہ اسی سال ان کو بھی قتل کر دیا گیا۔(٦٨) ان کے قتل کی داستان اسلامی انقلاب کی تحریک کے اوج پر پہنچنے کا ابتدائی باب بنی۔انقلاب ایران کے سلسلے میں علی شریعتی کا کردار بڑا فیصلہ کن رہا ہے۔ڈاکٹر شریعتی ایک بیدار مغز دانشور، اعلیٰ ترین فلسفی اور دین سے کما حقہ واقفیت رکھنے والے شخص تھے۔ان کا طرز تقریر و تحریر انتہائی موثر اور منطقی تھا۔وہ مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے دلوں میں بس گئے تھے اور اپنے فلسفیانہ استدلال سے انہوں نے اس طبقہ کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ نومبر ١٩٧٧ء میں جب شاہ نے امریکہ کا دورہ کیا تو امام خمینی کے حمایتی ایرانی جن کی تعداد ایک ہزار بتائی جاتی ہے، وہائٹ ہاؤس کے باہر جمع ہو کر شاہ فحاشی، شاہ قاتل، اسی طرح کے دوسرے نعرے لگا رہے تھے۔ان کے ہاتھوں میں موجود کتبوں پر بھی یہ نعرے لکھے ہوئے تھے۔ان مظاہرین نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال کر اپنی شناخت کو چھپائی تھی تا کہ ساواک کے جاسوس ان کی تصاویر نہ اتار سکیں۔وہاں شاہِ ایران کے حمایتی جن کو ان کے شہروں سے واشنگٹن بھیج دیئے گئے تھے تا کہ شاہ کا استقبال کر سکیں اور ان کے سفری اخراجات بھی (شاہ نے دیئے تھے) ان دونوں گروہوں کے درمیان تصادم کے نتیجے میں ٩٢ مظاہرین اور ٥٧ پولیس اہلکار زخمی ہوئے جو ان گروہوں کو علیحدہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔(٦٩)

٧رجنوری ١٩٧٨ء میں روزنامہ اطلاعات نے ''انقلاب سرخ و سیاہ'' کے عنوان سے ایک مقالہ شائع کیا جس میں امام خمینی کی شخصیت سے متعلق توہین آمیز کلمات لکھے گئے تھے۔(٧٠)

توہین آمیز مقالے کے ردِ عمل میں ملک بھر میں مظاہرے شروع ہو گئے۔حالانکہ ٥رجون ١٩٦٣ء کو شروع کی گئی تحریک بھی اتنی جاندار نہیں تھی۔تبریز، یزد، شیراز، اصفہان اور تہران میں عوام کا شدید ردِ عمل دیکھنے میں آیا۔تحریک انقلاب کیلئے جان قربان کرنے والے شہداء کی مجلس ترحیم کے موقع پر کئی شہروں میں فسادات پھوٹ پڑے۔اس دوران امام خمینی کے عقیدت مندوں نے اپنا تبلیغی وظیفہ جاری رکھا۔آپ کے پیغامات اور تقریروں پر مشتمل کیسٹیں ملک بھر میں تقسیم کی گئیں۔امام خمینی ان پیغامات میں ایرانی عوام کو دعوت دیتے تھے کہ وہ شاہ کی حکومتی بنیادوں کو ڈھا دینے اور اسلامی حکومت کے قیام تک اپنی استقامت جاری رکھیں۔

ان شدید مظاہروں کے نتیجے میں شاہی حکومت نے تیرہ سال تک وزیر اعظم کے عہدے پر فائز رہنے والے

ہویدا کی جگہ ایک مغرب زدہ دانشور جمشید آموزگار کو وزیراعظم بنا کر اس بحران کو حل کرنے کی کوشش کی۔اس کے بعد ایران میں جعفر شریف امام نے وزیراعظم بن کر''قومی مصالحتی حکومت'' کے عنوان سے کابینہ تشکیل دی۔امامی نے قم میں شریعتمداری سے ملاقات کی جن کا نام اس وقت کے بدلتے ہوئے جدید ترین حالات میں ایران کے ان مذہبی رہنماؤں کے ضمن میں لیا جاتا تھا جنہیں شاہی حکومت کی حمایت حاصل تھی لیکن یہ ملاقات اور امامی کے دیگر اقدامات عوامی جدوجہد کی راہ نہ روک سکے۔شریف امامی کے دور میں ہی ۷؍ستمبر ۱۹۷۸ء کو تہران کے میدان شہداء (ژالہ) میں فوج نے عوام کا سفا کانہ قتل عام کیا اور سرکاری طور پر ایران کے گیارہ شہروں میں نامعلوم مدت تک مارشل لاء نافذ کیا گیا لیکن امام خمینی کے پیغامات ملنے کے بعد مارشل لاء کی پروا کئے بغیر عوام نے دن رات مظاہروں کو جاری رکھا۔ ہر آن گھڑی اللہ اکبر، مرگ بر شاہ (شاہ مردہ باد) اور درود بر خمینی کی صدائیں گونجتی رہتیں۔ اس کے ساتھ ساتھ گلی کوچوں سے مشین گنوں کی فائرنگ کی آوازیں سنائی بھی دیتی تھیں۔اس وقت کے ایک خبر نگار نے اپنے اخبار کو جو رپورٹ ارسال کی وہ کچھ یوں تھی:

''جناب! یہاں پر صحرائے کربلا ہے جو کوئی چیز بھی حرکت کرتی دکھائی دیتی ہے اس پر گولیاں برسائی جارہی ہیں۔شہر بھر کی زندگی معطل ہو چکی ہے، ہر طرف ٹینک نیز بکتر بند اور دیگر فوجی گاڑیاں دکھائی دیتی ہیں۔ ہمدان کے تمام وکلاء عدالت میں دھرنا دے کر بیٹھ گئے ہیں۔انہوں نے اعلان کیا ہے کہ جب تک قتل و غارت گری کے تمام ذمہ داروں کو عدالت میں پیش نہیں کیا جاتا وہ یہاں سے نہیں نکلیں گے۔ یہاں تک کہ دن رات عدالت کے کمرے ہی میں رہیں گے ۔عدالت پولیس سربراہ سے مقتولین اور مجروحین کی تعداد پوچھتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ آٹھ سپاہی اور آفیسر زخمی ہوئے ہیں۔ وہ مظاہرے کرنے والوں میں مقتولین کی تعداد چھ افراد بتاتا ہے !البتہ عدالت اور تمام افراد کے علم میں ہے کہ مقتولین ہمدان کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے ہمدان کی عدلیہ کے سربراہ نے پولیس سربراہ کو انتہائی سخت خط لکھا ہے اور حکم دیا ہے کہ ہسپتالوں سے زخمیوں کو نکالنے سے روکا جائے تا کہ واقعات کے ذمہ داروں کے بارے میں تحقیق کی جاسکے۔''(۷۱)

امام خمینی پیرس میں:

۱۹۷۸ء میں ایران اور عراق کے اس دور کے وزرائے خارجہ کا ایک اجلاس نیویارک میں ہوا جس میں امام خمینی کو عراق سے بے دخل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔۲۴؍ستمبر ۱۹۷۸ء کو عراقی بعثی کارندوں نے نجف اشرف میں امام

خمینی کے گھر کا محاصرہ کیا عراقی انٹیلی جنس کے سربراہ نے امام خمینی سے ملاقات میں کہا کہ'' آپ عراق میں قیام پذیر رہنا چاہتے ہیں تو سیاست میں حصہ لینا چھوڑ دیں۔'' امام خمینی نے دوٹوک الفاظ میں جواب دیا کہ آپ امت مسلمہ کی نسبت عائد اپنی ذمہ داری کی وجہ سے کسی بھی قسم کی مصالحت کے لئے تیار نہیں ہیں۔اس کے بعد حکومتِ عراق نے آیت اللہ خمینی کے نام عراق چھوڑ دینے کے احکامات جاری کر دیئے۔لہٰذا ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۸ کو امام خمینی اپنے اہل وعیال کے ہمراہ نجف سے بصرہ گئے اور وہاں سے کویت جانا چاہتے تھے لیکن کویتی حکومت نے ان کو ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔امام خمینی دوبارہ بغداد آگئے اور ۵ اکتوبر ۱۹۷۸ کو پیرس چلے گئے۔(۷۲)

پیرس جانے کا فیصلہ آپ نے اپنے فرزند حاج سید احمد خمینی سے مشورہ کے بعد کیا تھا۔اس سلسلے امام خمینی اپنے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ میرا پیرس کا سفران کے ذریعے انجام پایا ہے۔یہ جھوٹ ہے جب مجھے کویت سے واپس کر دیا گیا تو احمد کے مشورے سے پیرس کا انتخاب کیا کیونکہ اسلامی ممالک میں اجازت نہ ملنے کا امکان تھا کیونکہ وہ شاہ کے زیر اثر تھے لیکن پیرس میں یہ احتمال نہ تھا۔''(۷۳)

ایران میں لوگ امام خمینی کی تحریک کو کچلنے کیلئے کئے جانے والے اقدامات سے غضب ناک ہو گئے تھے حکومت کیلئے عوامی مظاہروں پر قابو پانا ناممکن ہو گیا تھا۔امام خمینی دو دن پیرس میں قیام کے بعد قریب میں واقع ''نوفل لوشاتو'' منتقل ہو گئے جو پیرس سے سات فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔آپ نے ایک گھر پیرس میں لیا ہوا تھا تا کہ جو بھی نوفل شاتو جانا چاہے اس کے بیان سے رہنمائی حاصل کی جاسکے۔پیرس میں ایرانی طلباء اور علماء اچھی خاصی تعداد میں پہلے ہی سے موجود تھے۔امام خمینی کی پیرس میں آمد کی خبر سنتے ہی سینکڑوں افراد یورپ، ایران اور عرب سے ہجوم در ہجوم امام خمینی سے ملاقات کی غرض سے ''نوفل لوشاتو'' پہنچنے لگے۔

اخبارات کے نامہ نگاروں اور فوٹو گرافروں کی کثیر تعداد بھی اس غیر معروف مقام پر پہنچنے لگی۔دنیا کے اخبارات میں ایران سے متعلق اس وقت تک جو چیزیں شائع ہو رہی تھیں وہ شاہ کے کارندوں کی تیار کردہ تھیں جن کی رو سے امام خمینی کو یورپ میں اشتراکیت پسند کٹر مولوی تصور کیا جا رہا تھا۔لہٰذا ان کے پیرس آجانے پر بعض اخبا ری نمائندوں نے ان کے انٹرویوں شائع کئے لیکن انگلینڈ، امریکہ اور فرانس کے باشندوں کو ان باتوں کا یقین نہیں آتا تھا۔جیسے جیسے یہاں کے صحافی، سیاستدان اور دانشور امام خمینی کے قریب آتے گئے شاہ کی لابی کی طرف سے پھیلائی ہوئی افواہوں کا طلسم ٹوٹنے لگا اور ایران کے اصل حالات دنیا کی نظروں کے سامنے آنے لگے۔

نوفل لوشاتو میں فرانس کے صدر کی رائے سے امام خمینی کو آگاہ کیا گیا جو کہ ہر قسم کی سیاسی سرگرمی سے اجتناب پر مبنی تھی۔اس پر امام خمینی نے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ:

''اس قسم کی پابندیاں جمہوریت کے دعوؤں سے متضاد ہے اور چاہے مجھے ایک ہوائی اڈے سے دوسرے ہوائی اڈے تک اور ایک ملک سے دوسر ملک میں کیوں نہ جانا پڑے میں اپنے مقاصد سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔(۷۴)

امام خمینی نے نوفل لوشاتو میں کئی اہم تقاریر کیں۔ایرانی قوم کیلئے پیغامات بھیجے اور ذرائع ابلاغ کو بہت سے انٹرویوز دیئے جن میں اسلام کے نظریات واقدار کی تشریح اور عدل الٰہی کی بنیادوں پر قائم اسلامی ریاست کے بنیادی خدوخال کی وضاحت کی۔

اس وقت کے فرانسیسی صدر''ژی اسکارڈیستان'' نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ اس نے امام خمینی کو فرانس سے نکال دینے کا حکم دے دیا تھا لیکن آخری لمحات میں شاہی سفارت کے نمائندوں نے جو ان دنوں سخت پریشانی میں مبتلا تھے شدید اور ناقابل کنٹرول عوامی ردعمل کے خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے کہا تھا کہ وہ ایران اور یورپ میں اس کے نتائج کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔(۷۵)

پیرس میں امام خمینی کے چار ماہ قیام کے دوران نوفل لوشاتو دنیا کی خبری حلقوں کا اہم ترین مرکز بنا رہا۔ اخباری نمائندوں نے آپ سے مختلف قسم کے سوالوں کے جواب حاصل کرنے، نیز ان کے شب وروز کا انتہائی قریب سے جائزہ لینے کے بعد اس امر کے قائل ہوگئے کہ ایسی سیاسی بصیرت اور دینی عظمت رکھنے والا رہبر اپنے مشن میں کبھی ناکام نہیں ہوسکتا۔لہٰذا ان صحافیوں نے نہ صرف امام خمینی کی تعریف میں مقالے تحریر کئے بلکہ شاہ کی ناکامی کی پیش گوئی بھی کردی۔

شاہ ایران پیرس میں جاری امام خمینی کی سرگرمیوں سے غافل نہ تھا۔انہوں نے پیرس کے حالات پر کڑی نظر رکھی تھی۔حالات کی سنگینی دیکھ کر رضا شاہ کو اندازہ ہوا کہ اب بادشاہت ان کے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔آخری حربے کے طور پر شاہ نے ایک سیاسی چال چلنے کی کوشش کی۔انہوں نے ایک طرف تو پورے ایران میں مارشل لاء نافذ کردیا اور دوسری طرف اپنے ولی عہد کے حق میں دستبردار ہونے کی پیش کش کردی۔ چونکہ شاہ کے ولی عہد نابالغ تھے اس لئے انہوں نے یہ شرط عائد کردی کہ ولی عہد کی بلوغت تک حکومتی نظام خفیہ ایجنسی (ساواک) چلاء گی۔مندرجہ بالا سیاسی نکات کی روشنی میں شاہ کی طرف سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ امام خمینی سے ملاقات کرنے کیلئے ایک نمائندہ پیرس بھیجا جائے۔اس لئے ڈاکٹر سنجانی امام خمینی سے ملاقات کرنے پیرس پہنچ گئے۔انہوں نے امام خمینی سے طویل مذاکرات کئے تاہم کوئی مفاہمت نہ ہوسکی۔ان مذاکرات میں امام خمینی نے صاف کہہ دیا کہ شاہ خود کو اقتدار سے علیحدہ کرلے۔امام خمینی نے ایرانی افواج کو بھی متنبہ کیا کہ وہ سیاست میں مداخلت سے باز رہے اور

اگر فوج کی طرف سے اس طرح کوکوئی اقدام اٹھایا گیا تو عوام بھر پور مقابلہ کرے گی۔(۷۶)

مزید برآں امام خمینی نے لکسمبرگ کے ٹیلی ویژن کے انٹرویو دیتے ہوئے حکومت ایران کی حکمت عملی اور اپنے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار بھی کر دیا کہ حکومت ایران مذاکرات کی پیش کش سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ ہم ہر حالت میں شاہ کی حکومت کو ختم کر کے دم لیں گے اور اگر صورت حال تبدیل نہ ہوئی تو مسلح جدوجہد سے بھی باز نہیں آئیں گے کیونکہ ایرانی عوام اب اس طویل کٹھن کو برداشت نہیں کر سکتے۔

پیرس سے امام خمینی کی پے در پے ہدایات اور پیغامات کیسٹوں کے ذریعے ایرانی تک پہنچنے کی وجہ سے ان کی جدوجہد میں اضافہ ہوا۔ جس کے نتیجے میں ۳۰ ر اکتوبر ۱۹۷۸ء کو آیت اللہ طالقانی اور آیت اللہ منتظری سالہا سال طرح طرح کی روحانی اذیت برداشت کرنے کے بعد جیل سے رہا ہو گئے۔ آیت اللہ طالقانی نے اپنی رہائی کے بعد امام خمینی سے اپنے تعلقات کے بارے میں کہا:

> ''میں طالب علمی کے زمانے میں ان کے نزدیک رہا ہوں۔ ان کے افکار و نظریات اور روشن ماضی سب پر واضح و آشکار ہے۔ امام خمینی آغاز ہی سے ایک خاص تقدس کے حامل اور ہر جہت سے ممتاز رہے ہیں اور ہیں۔''(۷۷)

اسی طرح آیت اللہ منتظری جو جیل سے رہا کے بعد قم چلے گئے تھے، نے ایرانی قوم کے بارے میں اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کیے: ''اپنی رہائی کو میں ایران کی عظیم قوم کی مرہون منت سمجھتا ہوں۔''(۷۸)

امام خمینی نے آیت اللہ طالقانی اور آیت اللہ منتظری کی جیل سے رہائی کے حوالے سے جو پیغام دیا اس میں قوم کو تحریک جاری رکھنے اور حکومتی دباؤ کے سامنے استقامت دکھانے کی دعوت دی۔

اسی روز امام خمینی نے آسٹریلیا کے اخباری نمائندوں، ریڈیو، ٹیلی ویژن، روزنامہ گارڈین، لکسمبرگ کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو الگ الگ انٹرویو دیا، برطانوی اخبار گارڈین سے انٹرویو کے دوران رہبر انقلاب ایران نے تاکید کے ساتھ کہا: مجھے یقین ہے کہ شاہ اپنی خاندانی حکومت کے خلاف موجودہ جدوجہد سے جان نہیں بچا پائے گا۔ ایک سوال کے جواب میں امام خمینی نے کہا: جناب طالقانی کے تہران کے مظاہرے اور جناب منتظری کے قم کے مظاہرے وہ مظاہرے تھے کہ جو عوام نے شاہ کے خلاف کیے۔ ان کا احترام عوام نے شاہ کے مخالفین کی حیثیت سے کیا ہے۔ ایران میں جو آواز بھی شاہ کے خلاف اٹھتی ہے اس کا احترام کیا جاتا ہے۔ شاہ جو ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور کبھی اسے اور کبھی اسے بلا رہا ہے اس سے وہ کوئی کام آگے نہیں بڑھا رہا۔ ان کوششوں میں اب دیر ہو چکی ہے اور یہ اس کے لئے مفید نہیں ہیں، اسے چلے ہی جانا چاہئے، جو کوئی بھی جس انداز سے بھی جوڑ توڑ کرے گا ہم قبول نہیں

کریں گے۔ کیونکہ قوم قبول نہیں کرے گی۔ جس وقت سیاسی قیدی رہا ہو رہے تھے آبادان کی آئل ریفائنری میں ملازمین کی مکمل ہڑتال کے سبب تیل نکالا جانا بند ہو چکا تھا۔ ان حالات کی وجہ سے شریف امامی کی حکومت بحران کا شکار تھی اور مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ ادھر شاہ نے وزیراعظم اور اعلیٰ سربراہوں کا اجلاس طلب کیا۔ اس اجلاس میں فوجی سربراہوں نے اپنا اظہار خیال کیا جبکہ جنرل اویسی نے اپنا بیان یوں دیا: یہ بیشتر گڑبڑ ملاؤں کی زیر سرکردگی میں ہو رہی ہے اور وہی یہ کام کروا رہے ہیں...... اعلیٰ حضرت (شاہ) حکم صادر فرمائیں کہ اس جانثاری کو کافی رقم دی جائے تاکہ میں اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر ملک کے تمام مسائل حل کر دوں۔ جنرل ازہاری نے کہا: اعلیٰ حضرت فوج میں سے کسی ایک شخص جسے مناسب سمجھتے ہیں حکم فرمائیں کہ وہ فوجی حکومت (مارشل لاء گورنمنٹ) تشکیل دے۔ جانثار آپ کی زیر قیادت خدمت کے لئے تیار ہیں، پوری قوت سے اس گڑبڑ کو ختم کریں گے اور ملک میں امن وامان قائم کر دیا جائے گا۔

اس اجلاس کے بعد بھی حکومت کی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور نہ مارشل لاء کے قوانین پر عمل ہوا۔ دن اسی طرح گزرتے رہے۔ فوجی افسر، عہدیدار، فوجی کمانڈر اور اسی طرح انتظامی افسران تہران اور دیگر بڑے شہروں کی سڑکوں کے کنارے کسی ذمہ داری کے بغیر کھڑے تھے۔ مظاہرین ان کی توہین کر رہے تھے۔ اس موقع کے حوالے سے امام خمینی نے کہا:

”مارشل لاء بھی ناکام ہو گیا...... سمجھ گئے ہیں کہ مکا، ٹینک پر بھاری ہے، قوم کا ارادہ توپ اور رائفل پر مقدم ہے۔“ (۷۹)

بہرحال شریف امامی کی حکومت دو مہینے سے زیادہ نہ چل سکی۔ شریف امامی کے دورِ حکومت میں ۴ رنومبر ۱۹۷۸ء کو تہران یونیورسٹی میں جمع طلبہ پر فوجیوں نے تشدد کیا۔ جس کے نتیجے میں سینکڑوں طلبہ قتل اور زخمی ہوئے اس واقعے کے بعد سائنس اور اعلیٰ تعلیم کے وزیر نے استعفیٰ دے دیا۔ بعدازاں حالات کی تاب نہ لا کر شریف امامی بھی مستعفی ہو گیا۔ اس کے مستعفی ہونے کے بعد شاہ نے جنرل ازہاری کو کابینہ بنانے کی دعوت دی۔ اس طرح جنرل ازہاری نے ۶ رنومبر ۱۹۷۸ء کو انتخاب عمل میں لایا۔ فوجی حکومت کے برسرِاقتدار آنے پر امریکہ کے عہدیداروں نے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان ”جیل شوگرہ“ نے کہا: ہم شاہ کے اس فیصلے کی حمایت کرتے ہیں شاہ نے فوجی حکومت کے قیام کا فیصلہ اس وقت کیا جب اسے یقین ہو گیا کہ اب ایک قومی حکومت کا قیام ناگزیر ہو گیا۔ آرمی چیف جنرل ازہاری کا انتخاب شاہ نے خود سے کیا ہے، واشنگٹن نے اس پر زور نہیں دیا۔“ امریکی وزارت خارجہ کے عہدیداروں نے اعلان کیا: شاہ کو اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ واشنگٹن حکو

مت فوجیوں کے حوالے کرنے پر زور دیتا۔ حالیہ واقعات نے شاہ کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں چھوڑا۔ ازہاری فوجی حکومت کے قیام پر امام خمینی نے فرانس سے ۷/نومبر ۱۹۷۸ کو ایرانی عوام کے نام یہ پیغام جاری کیا:

''اس فوجی شور وغل سے نہ ڈریئے گا اور آپ نہیں ڈریں گے۔ آپ جیسی شجاع عوام نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ ٹینک، مشین گنیں اور نیزے زنگ آلود ہیں اور یہ ملت کے فولادی ارادے کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' (۸۰)

امام خمینی کا درج بالا پیغام کیسٹ کے ذریعے تہران پہنچا اس کے علاوہ خفیہ طریقے سے بڑی تعداد میں دوسرے شہروں تک پہنچا دیا گیا۔ اس پیغام نے عوام کے اندر ایک نئی روح دوڑا دی۔ مظاہروں اور جلوسوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا تہران اور چھوٹے شہروں کی گلی کوچوں میں اور شاہراؤں پر فوجیوں کے ساتھ عوام کی آنکھ مچولی کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ ازہاری کی فوجی حکومت نے ۶/نومبر ۱۹۷۸ء مین اخباری دفاتر پر قبضہ کیا جس کی وجہ سے اخبار کی ہڑتال ہوئی۔ (۸۱) ۲۲/نومبر ۱۹۷۸ء کو امام خمینی نے ایک اعلان کے ذریعے محرم کے مہینے کو خون کی تلوار پر فتح کا مہینہ قرار دیا۔ (۸۲) نیز لوگوں کو شاہ کے جلد خاتمے کی نوید سنائی۔ ۹/نومبر ۱۹۷۸ء کو لاکھوں مظاہرین نے بہشت زہرا میں ۴ نومبر کو یونیورسٹی اور اس کے اطراف میں قتل ہونے والے طلباء کی یاد منائی۔ ان نعروں کی آواز کئی کلومیٹر تک سنائی دیتی تھی۔ ''جس نے ہمارا بھائی مارا ہم بھی اس کو ماریں گے'' ''اے غدار شاہ تو نے جوانان وطن کا خون بہایا ہے'' ''شاہ مردہ باد'' پہلوی حکومت مردہ باد'' اس موقع پر ایک عالم دین نے امام خمینی کے اس پیغام کا حصہ پڑھا:

اگرچہ میں جانتا ہوں کہ شاہ کے فریب کاریوں، لفظی نرمی اور عملی رعب کا، عظیم قوم کی مضبوط صفوں پر کوئی اثر نہیں پڑا تاہم میں ہر موقع کے لئے آپ عزیزوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں:

(۱) ہمارا مقصد وہی ہے جس کا اظہار میں تقریروں اور اعلامیوں میں کر چکا ہوں اور وہ یہ کہ:

الف: پہلوی سلطنت اور منحوس شاہی نظام کا خاتمہ

ب: اسلامی جمہوریہ کا قیام کہ جو اسلام کے اصولوں اور قوم کی آراء کی اساس پر مبنی ہو۔

واضح ہے کہ ۴/نومبر ۱۹۷۸ء کو اصفہان، نجف آباد کرمانشاہ اور بابل میں بھی مظاہرے ہوئے اور ان مظاہروں میں بھی دسیوں افراد خاک وخون میں غلطاں ہو گئے۔ اس کے علاوہ جنرل ازہاری نے فوجی حکومت کے ضابطہ نمبر ۵ کو بروئے کار لاتے ہوئے جن فوجی اور غیر فوجی شخصیات کو گرفتار کیا ان میں مندرجہ ذیل افراد شامل تھے:

''سابق وزیر اعظم'' امیر عباس ہویدا'' امور اجرائی کے سابق وزیر مملکت'' منوچہر آزمون''

اطلاعات وسیاحت کے سابق وزیر ''داریوش ہمایون'' سابق وزیر زراعت ''منصور روحانی'' ساواک کے سابق سربراہ ''جنرل نصیری'' تہران کے سابق میئر ''منوچہر نیک پی'' سابق پولیس سربراہ ''صدری'' خراسان کے سابق گورنر ''عبدالعظیم ولیان'' سابق وزیر صحت ''شیخ الاسلام زادہ'' سابق معاون وزیر صحت ''نیلی آرام'' سابق وزیر تجارت ''فریدون مہدوی۔'' (۸۳)

عیدالاضحیٰ کے دن تہران کے عوام نماز عید کی تیاری کر رہے تھے اتنے میں فوجیوں نے نماز گزاروں پر حملہ کر دیا اور آنسو گیس کے شیل پھینک کر انہیں نماز پڑھنے سے روک دیا۔ امام خمینی نے پہلے سے اپنے ایک پیغام میں شاہ کی مخالفت کرنے کو تکلیف شرعی قرار دیتے ہوئے کہا کہ:

''شاہ کی مخالفت کرنا ہم سب کی، تمام مسلمانوں کی، سب علماء کی، روشن فکریوں اور سب سیاست دانوں کی تکلیف شرعی الٰہی ہے۔ شاہ نے تکلیف شرعی الٰہی کی مخالفت کی ہے۔'' (۸۴)

نومبر ۱۹۷۸ء میں شاہ کے خلاف اسلامی انقلاب کی تحریک اپنے عروج پر پہنچی تو عوامی طاقت سے ہاشمی رفسنجانی جو جیل میں تھے وہ رہا ہوئے۔ پھر رفسنجانی، آیت اللہ ڈاکٹر بہشتی، آیت اللہ مطہری، آیت اللہ خامنہ ای، آیت اللہ طالقانی، محمد علی رجائی، ڈاکٹر محمد جواد باہنر اور دیگر انقلابی لیڈروں کے ساتھ امام خمینی کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے اسلامی انقلاب کی کامیابی کیلئے مزید کوششیں کرنے لگے۔ (۸۵)

رہبر اسلامی انقلاب امام خمینی نے جنوری ۱۹۷۹ء کو پیرس میں انقلابی کونسل (شورائے انقلاب) تشکیل دی جس کا مقصد آئندہ حکومت کا ڈھانچہ تیار کرنا تھا۔ ابتداء میں یہ کونسل بہشتی، مرتضی مطہری، محمد جواد باہنر، ہاشمی رفسنجانی اور موسوی اردبیلی پر مشتمل تھی بعد کے ایام میں پیرس سے امام خمینی کا خصوصی پیغام جو آیت اللہ مطہری لے کر آئے تھے اس میں ایران کے موجودہ رہبر سید علی خامنہ ای کو بھی کونسل میں شامل کرنے کا حکم موجود تھا۔ اس حکم کے تحت آیت اللہ خامنہ ای کو بھی انقلابی کونسل میں شامل کیا گیا۔ واضح رہے دراصل اسلامی انقلاب کی کامیابی میں امام خمینی کی قیادت کے بعد سب سے موثر کردار اسی انقلابی کونسل کا ہے۔

شاہ نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ اب ایران میں اس کا رہنا ناممکن ہو گیا۔ لہٰذا اس نے راہ فرار اختیار کرنے سے پہلے ایک ارب پونڈ کی خطیر رقم امریکہ منتقل کر دی۔ علاوہ ازیں شاہی خاندان کے دیگر افراد کو بھی مشورہ دیا کہ وہ بھی اپنا سرمایہ غیر ملکی بینکوں میں منتقل کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی شاہ کے مشورے پر عمل کیا۔

بالآخر شاہ نے شورائے سلطنت (شاہی کونسل) تشکیل دے کر شاہ پور بختیار حکومت کے لئے اعتماد کا ووٹ حاصل کیا ۱۶ ر جنوری ۱۹۷۹ء کو ایران سے فرار ہو کر مصر چلا گیا۔ (۸۶) اس طرح ایران کے ۳۵ ملین مسلمانوں نے

شہنشاہیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اس کے باوجود شاہ نے ایران میں واپسی اور انقلاب کو ناکام بنانے کا منصوبہ شاہ پور بختیار کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

''میری عدم موجودگی میں بادشاہت کی پوری طرح حفاظت کی جائے۔''(۸۷)

۱۶ر جنوری ۱۹۷۹ء کو شاہ کے فرار پر امام خمینی نے اعلان کیا کہ ابھی مکمل فتح حاصل نہیں ہوئی۔ اسرائیل نے کہا کہ شاہ کے جانے سے مغرب کا مشرقی محاذ ٹوٹ گیا۔ (۸۸)

جیسے ہی ریڈیو نے شاہ کی روانگی کی خبر نشر کی ایران کی فضاؤں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ شہروں اور قصبات میں لوگ اپنے گھروں سے نکل کر سڑکوں پر آ گئے اور ایران کے مرد و زن آپس میں گل دستوں کا تبادلہ کرنے لگے۔ تمام ملک اللہ اکبر..... خمینی زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اس موقع پر امام خمینی نے پیرس سے اپنا یہ پیغام جاری کیا:

''شاہ کا ایران سے فرار آمریت خلاف عوام کی کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ مناسب وقت پر میں بھی ایران آؤں گا۔ ۲۰ صفر کو بڑے مارچ کی تیاری کی جائے۔ ایران میں بہت جلد عبوری حکومت قائم کی جائے گی جو اسلامی اصولوں کے مطابق اپنے فرائض انجام دے گی۔ میں شاہ کے حوارین کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ ضروریاتِ زندگی کی مصنوعی قلت پیدا کر کے عوام میں انتشار پھیلانے کی کوششوں سے باز آ جائیں اور فوج بھی افراتفری نہ پھیلائیں۔''(۸۹)

اس موقع پر ایران میں علمائے کرام کی قیادت میں نہ صرف عوام بلکہ اربابِ حکومت کی اکثریت بھی شہنشاہیت کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکی تھی۔ کابینہ کے وزیر اور سینیٹ کے اسپیکر اپنے عہدوں سے مستعفی ہو چکے تھے۔ اس کے باجود چیف مارشل، لاایڈمنسٹریٹر ابر فوج کے اعلیٰ حکام سے مشورے کر کے شاہ کی حمایت میں اعلانات جاری کر رہا تھا۔

۱۹ر جنوری ۱۹۷۹ء کو حضرت امام حسین کا چہلم تھا۔ اس موقع پر نہ صرف تہران کے چالیس لاکھ مرد و زن نے بلکہ اصفہان، تبریز، شیراز، مشہد قم نیز دیگر شہروں اور قصبات کے باشندوں نے بھی ایسے عظیم الشان احتجاجی جلوس نکالے اس طرح ایران کے باشندوں نے شہنشاہیت کو مسترد کرنے اور حکومت اسلامی کے قیام کا حتمی فیصلہ صادر کر دیا۔ حیرت یہ ہے کہ عوام کے اس واضح فیصلہ کے باوجود شاہ پور بختیار نے ایک بیان اس طرح جاری کر دیا:

''حکومت آقائے خمینی کے حوالے نہیں کی جائے گی۔ عالم دین ہونا اور بات ہے اور وزیر اعظم ہونا اور بات ہے وہ جب چاہے وطن آ سکتے ہیں لیکن میری مخالفت نہیں کر سکیں گے۔''(۹۰)

پیرس میں ایک امریکی ٹی وی چینل کی طرف سے امام خمینی سے یہ سوال کیا گیا کہ شاہ پور بختیار شاہ کے مخالف ہیں۔آپ کیوں شاہ پور کے مخالف ہیں؟ آپ نے جواب دیا:

"اولاً بختیار مخالف شاه نیست، او می خواهد شاه را نگه دارد، ایشان به امریکا بندوبست دارد و ثانیاً بفرض اینکه مخالف شاه باشد خودش مخالف قانون است، مجلسین مخالف قانونند و شاه هم مخالف قانون است، از این جهت ما مخالف اوهستیم۔"(۹۱)

"پہلی بات یہ ہے کہ شاہ پور اصل میں شاہ کے مخالف نہیں ہیں۔ وہ شاہ کی نگھداری کرنا چاہتا ہے۔اس کی منصوبہ بندی امریکہ نے کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ فرض کریں کہ وہ شاہ کے مخالف ہیں اور شاہ خود قانون کے مخالف ہیں اور پارلیمنٹ قانون کی مخالف ہے۔اس وجہ سے ہم شاہ پور کے مخالف ہیں۔"

پیرس سے امام خمینی نے ایک اعلامیہ اس طرح جاری کر دیا: اب ملک کے اس بحران کا صرف حل یہی رہ گیا ہے کہ شاہ پور مستعفی ہو جائیں، شاہی کونسل توڑ دی جائے اور ملک کو اسلامی جمہوریہ بنانے کی راہ میں مشکلات حائل نہ کی جائیں۔فوجی سربراہوں کو چاہیے کہ وہ عقل و ہوش سے کام لیں اب عوام اپنے فیصلوں کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کریں گے۔اس اعلان کے جواب میں شاہی کونسل کے سربراہ سید جلال الدین تہرانی نے امام خمینی کو اپنا استعفیٰ ارسال کیا اور ایرانی فضائیہ شاہ پور کے خلاف ہوگئی۔اس وجہ سے فضائیہ کے تین ہزار سے زائد افسروں اور جوانوں کو گرفتار کیا گیا۔ ملک بھر میں بڑے بڑے مظاہرے ہوئے۔اہواز، سنجان، نجف آباد اور اصفہان میں پھر گولیاں چلی جن سے کئی افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔ایران کے علماء، عوام، ارکان حکومت، مزدوروں اور کسانوں کے انقلابی اقدامات سے یہ حقیقت آشکار ہو چکی تھی کہ اب ایران کے تمام شہروں اور قصبات پر علماء اور عوام کا قبضہ ہو چکا ہے، لیکن شاہ پور بختیار اور اس کے ساتھیوں کا نشہ اقتدار اب بھی نہیں ٹوٹا تھا چنانچہ ان تمام حقائق کو پس پشت ڈال کر جنرل عباس نے اعلان کیا کہ ایران کی مسلح افواج شاہ پور بختیار کی حکومت کو جائز سمجھتی ہے علاوہ ازیں امریکہ نے بھی شاہی اقتدار کی گرتی ہوئی دیواروں کو سہارا دینے کی آخری کوشش کی اور اپنے اٹارنی جنرل ریمزے کلارک کو اس کام کیلئے متعین کر دیا کہ وہ امام خمینی سے ملاقات کریں اور کوئی مصالحت کا راستہ نکالیں۔لیکن جب کلارک اور پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) کے ڈاکٹر رچرڈ فاک نے امام خمینی سے ملاقات کی تو ان پر اس ملاقات کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے اخباری نمائندوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے بتایا:

''ہم نے یہ ملاقات صرف امریکی شہری ہونے کی حیثیت سے کی ہے اور ہم ایران کی تحریک کی نوعیت اور اس کے مقاصد معلوم کر کے اس تحریک سے بہت متاثر ہوئے ہیں کیونکہ اس تحریک نے آزادی کی نئی رائیں کھول دی ہیں۔ (۹۲)

امام خمینی کی چودہ سالہ جلاوطنی کے بعد ایران واپسی:

۱۶ر جنوری کو ایران سے شاہ کی روانگی کے بعد ایران کے علماء اور طلباء جو اس تحریک کے سرگرم قائد اور رضا کار تھے وہ امام خمینی کی آمد کے منتظر تھے لہٰذا ان مجاہدین نے فوج کو متنبہ کیا کہ اگر اس نے عوام سے تعاون نہ کیا تو اس کے خلاف اعلان جہاد کر دیا جائے گا۔ قم کے علماء و طلبا فوج کی طرف سے مطمئن تھے لہٰذا اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ چودہ سال کی مدت کے بعد امام خمینی کے خالی مکان میں ٹیلی فون کی سہولت فوری طور پر بحال کر دی گئی اور اس کی دیکھ بھال کے لئے حکومت کی طرف سے انتظامات کر دیئے گئے۔ اب ملک کے نظم و نسق میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھی۔ قم میں پولیس، فوج یا انتظامیہ کا کوئی وجود نہ تھا۔ مشہد، اصفہان اور شیراز وغیرہ علماء کے قبضے میں تھے اور حکومت کے تمام شعبے ان کی نگرانی میں کام کر رہے تھے۔ پیرس سے امام خمینی نے اپنے ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء کے انٹرویو میں ایران واپسی کے بارے میں اس طرح اظہار کیا:

''میں ساری ایرانی قوم کا شکر گزار ہوں اور موقع ملتے ہی ایرانی عوام کے پاس جا پہنچوں گا تا کہ ان کے ساتھ مل کر مارا جاؤں یا قوم کے حقوق حاصل کر کے انہیں لوٹا دوں۔'' (۹۳)

۲۵ر جنوری ۱۹۷۸ء کو امام خمینی نے عوام کو حکم دیا کہ وہ حکومت کی اطاعت نہ کریں اور ظالموں کے شور و غوغا سے مت ڈریں۔ (۹۴)

۲۶ر جنوری کو تہران میں عوام نے عظیم الشان جلوس نکالا جس پر فوج نے گولیاں برسا دیں لیکن عوام نے فوج کی ان گولیوں کا جواب لوہے کی سلاخوں اور لاٹھیوں سے دیا۔ ان ہنگاموں میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد کم از کم ایک سو پینتالیس بتائی جاتی ہے۔

آخر کار شاہ پور بختیار نے اپنے فوجی سربراہوں سے مشورے کرنے کے بعد مظاہروں کی اجازت دے دی اور عوام کو یہ ہدایت بھی کی وہ خود بھی پر امن رہے اور فسادیوں پر نظر رکھیں۔ عوام نے اس کے جواب میں یہ مطالبہ پیش کیا کہ فوج ہوائی اڈہ خالی کر دیں اور امام خمینی کی واپسی میں مزاحمت کرنے سے باز رہے۔ رضا ایونیو میں جمع لاکھوں مظاہرین نے امام خمینی کا آڈیو پیغام سنا جس میں آپ نے فرمایا:

''شاہی فوج کے کچھ جرنیلوں اور شاہ پور بختیار نے اپنے غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے

وطن میں میری واپسی روک دی ہے اور ہوائی اڈے بند کر دیے ہیں لیکن میں اتوار کی شام کو تہران پہنچ رہا ہوں خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں۔'' (۹۵)

لہٰذا ایران میں امام خمینی کی آمد کے لئے یکم فروری کی تاریخ مقرر ہوگئی عوام لاکھوں کی تعداد میں تہران پہنچ گئے۔ اس موقع پر قم، تہران میں خاص تیاریاں کی گئیں تمام اکابر علماء اور طلباء سینکڑوں کاروں میں قافلے کی صورت میں روانہ ہو گئے۔

امام خمینی نے نوفل لوشاتو چھوڑنے سے پہلے حکومت فرانس اور وہاں کے لوگوں خاص کر نوفل لوشاتو کے مکینوں کی مہمان نوازی پر ایک پیغام کے ذریعے شکریہ ادا کیا۔ طیارہ کی پرواز سے قبل اپنے رفقاء سے کہا کہ وہ اپنی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالیں کیونکہ اس سفر کے چار نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ایران پہنچنے سے پہلے قتل　　　۲۔ ایران میں گرفتاری

۳۔ ایران میں نظر بندی　　　۴۔ ملک آزادی (۹۶)

بہر حال امام خمینی کا طیارہ پیرس کے وقت کے مطابق ۱ بجکر ۱۸ منٹ پر مائل بہ پرواز ہوا۔ یکم فروری ۱۹۷۹ء کو جہاز مہر آباد کے ہوائی اڈے پر پہنچ گیا۔ جب طیارہ رن وے پر اترا تو فوجی جوان جو اسٹین گنوں سے مسلح تھے اپنے مخصوص انداز کے ساتھ آگے بڑھے اور طیارے کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور آسمان پر کئی ہیلی کاپٹرز پرواز کرنے لگے۔ تمام مسافروں کے بعد امام خمینی جہاز سے باہر آئے اور کار میں بیٹھ گئے جو انہیں وی آئی پی لاؤنج تک لے آئی۔ یہاں تقریباً دس بارہ ہزار علماء وزعماء موجود تھے۔ ان میں عیسائی، یہودی اور زرتشی نمائندے بھی تھے۔ امام خمینی نے ان سے ملاقات کی۔ اس کے بعد ایک پریس کانفرس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''آپ سب نے بے انتہاء زحمت کی ہے اور کلمہ وحدت کی وجہ سے ہمیں کامیابی ملی ہے۔ البتہ یہ ابھی پہلی کامیابی ہے۔ محمد رضا شاہ کو برطرف کردیا گیا ہے۔ یہ کامیابی اتحاد کی وجہ سے ملی ہے۔ شیطان کو ہمارے درمیان تفرقہ پیدا نہ کرنے دیں اور اس اتحاد کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔'' (۹۷)

امام خمینی کی آمد پر ایران کے عوام کا بے مثال استقبال عظیم اور نا قابل یقین تھا۔ استقبالی ہجوم کی تعداد ۶ سے ۷ ملین افراد تک بتائی جاتی ہے۔ امام خمینی کے گزرنے کے لئے یہ راستہ تھا: ایئر پورٹ آزادی اسکوائر، شاہراہِ انقلاب، تہران یونیورسٹی اور بہشت زہرا۔ اس پورے راستے کی مسافت ۳۳ کلومیٹر تھی۔ واضح رہے کہ بہشت زہرا وہ قبرستان ہے جس میں ایران کے مایہ ناز مقتولین اپنے خون سے تاریخِ ایران کا نا قابل فراموش باب تحریر کرنے

کے بعد ابدی نیند سو رہے ہیں۔ لوگوں کا جم غفیر امام خمینی کی تقریر سننے کے لئے ائیر پورٹ سے بہشت زہرا تک روانہ ہوا۔ بہشت زہرا میں دس لاکھ افراد کا مجمع تھا۔ (۹۸) امام خمینی نے بہشت زہرا میں اپنے خطاب میں کہا:

''ہم نے اس مدت میں مصیبتیں بہت دیکھی ہیں، اس میں ہمیں کامیابیاں بھی ملی ہیں البتہ یہ کامیابیاں بہت بڑی ہیں۔ لیکن جو مصیبتیں دیکھی ہیں وہ اس طرح ہیں کہ جوان عورتیں مری، مردوں نے اپنی اولادوں کو (اس راہ میں) قربان کر دیا، وہ بچے جو اپنے والدین سے محروم ہو چکے ہیں، وہ مائیں جو اپنی اولادوں کو اپنے ہاتھوں کھو بیٹھی ہیں۔ میں ان کو تسلیت (تعزیت) پیش کرتا ہوں۔ ان کے غم میں شریک ہوں اور ان والدین کو جو (اس راہ) میں اپنے جوان قربان کر چکے ہیں، تعزیت پیش کرتا ہوں۔ اسی طرح وہ جوان جو اپنے والدین کھو بیٹھے ہیں ان کو تعزیت عرض کرتا ہوں۔'' (۹۹)

''آپ نے مزید کہا کہ میں اس قوم کی حمایت سے اسلامی حکومت بناؤں گا۔'' (۱۰۰) شاہ پور بختیار نے ابتداء میں اس جملے کا مذاق اڑایا لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ امام خمینی نے جو کہا تھا وہ اسلامی حکومت کی شکل میں حقیقت بن کر سامنے آیا۔ جس کی تفصیلی بحث ہم باب پنجم میں کریں گے۔ ۵ر فروری ۱۹۷۹ء میں پریس کانفرنس کے ذریعے امام خمینی کی طرف سے مہدی بازرگان کو عبوری وزیر اعظم قرار دیا گیا اور سی آئی اے کے سربراہ نے اعتراف کیا کہ ایران میں سی آئی اے کو زبردست اور شدید قسم کی ناکامی ہوئی۔ (۱۰۱) ۱۱ر فروری ۱۹۷۹ء کو اسلامی انقلاب فتح و کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

حوالہ جات

(۱) حیات، شیخ محمد، تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، س ن، ص: ۲۸۳

(۲) قادری، اخلاق احمد، تاریخ انقلابات ایران، دارالشعور، مزنگ روڈ بک اسٹریٹ لاہور، ۲۰۱۱ء، ص: ۲۸۱

(۳) خمینی، روح اللہ، وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸ء، ص: ۳۳

(۴) مسیح مہاجری، اسلامی انقلاب اور اقوام عالم کا مستقبل، مترجم: شیخ سرور حسین، سازمان تبلیغات اسلامی، روابط بین الملل، تہران، ۱۴۰۵ھ، ص: ۲۴

(۵) انصاری، حمید، سخن بیداری، موسسہ تنظیم نشر و آثار بین الاقوامی امور، ۱۹۹۸ء، ص: ۳۹

(۶) Muhammad Raza Shah Pahlavi, Mission of my Country, New York, 1961, Pg:60

(۷) قادری، اخلاق احمد، تاریخ انقلابات ایران، ص: ۲۲۳، ۲۳۴

(۸) ایضاً، ص: ۲۲۴

(۹) مشمولہ: وحدت اسلامی، دفتر قونصل اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد، شمارہ ۸۷، مئی، جون ۱۹۹۱ء، ص: ۱۹

(۱۰) خمینی، روح اللہ، وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸ء، ص: ۳۳، ۳۴

(۱۱) گروہ مولفین، نہضت امام خمینی، (مترجم: افق اجمیری)، نظارۃ المعارف، کراچی، س ن، ص: ۶۶

(۱۲) مشمولہ: وحدت اسلامی، دفتر قونصل اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد، شمارہ ۸۷، مئی، جون ۱۹۹۱ء، ص: ۳۷

(۱۳) نہضت امام خمینی، ص: ۲۵

(۱۴) صحیفہ نور، ج ۱، اشارت شرکت سہامی چاپ خانہ، وزارت ارشاد اسلامی، بہمن ۱۳۶۱ش، بمطابق ۱۹۸۲ء، ص: ۲۹

(۱۵) نہضت امام خمینی، ص: ۱۲

(۱۶) صحیفہ نور، ج ا، ص: ۱۵
(۱۷) نہضت امام خمینی، ص: ۲۱
(۱۸) روحانی، سید حمید، بررسی و تحلیلی از نہضت امام خمینی، انتشارات دار الفکر، انتشارات دار العلوم، خیابان ، ایران، (قم)، س ن، ص: ۲۳۱
(۱۹) ایضاً
(۲۰) نہضت امام خمینی، ص: ۱۷
(۲۱) نہضت امام خمینی، ص: ۵۲
(۲۲) روحانی، سید حمید، بررسی و تحلیلی از نہضت امام خمینی، ص: ۲۷۱
(۲۳) ایضاً
(۲۴) نہضت امام خمینی، ص: ۶۲
(۲۵) خمینی، روح اللہ، کوثر، ج ا، خطبات امام خمینی، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۹۹۶ء ، ص: ۱۵۴
(۲۶) نہضت امام خمینی، ص: ۶۹
(۲۷) خمینی، روح اللہ، کوثر، ج ا، خطبات امام خمینی، ص: ۱۸۵
(۲۸) ایضاً، ۱۶۲
(۲۹) نہضت امام خمینی، ص: ۸۷
ھ کوثر، ج ا، خطبات امام خمینی، ص: ۱۷۰
(۳۱) روحانی، سید حمید، بررسی و تحلیلی از نہضت امام خمینی، ص: ۲۷۱
(۳۲) صحیفہ نور، ج ا، ص: ۴۶
(۳۳) نہضت امام خمینی، ص: ۳۱
(۳۴) روحانی، سید حمید، بررسی و تحلیلی از نہضت امام خمینی، ص: ۴۵۶، ۴۵۷
(۳۵) نہضت امام خمینی، ص: ۱۰۵
(۳۶) وحدت اسلامی، شمارہ ۸۸، مئی، جولائی ۱۹۹۲ء، ص: ۳۸
(۳۷) انصاری، حمید، سخن بیداری، ص: ۷۸

(۳۸) نہضت امام خمینی، ص:۱۲۸

(۳۹) ایضاً، ص:۳۶، ۳۷

(۴۰) ایضاً، ص:۱۴۷

(۴۱) کوثر، ج۱، خطبات امام خمینی، ص:۱۸۳

(۴۲) صحیفہ نور، ج۱، ص:۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۸

(۴۳) کوثر، ج۱، خطبات امام خمینی، ص:۳۰۶

(۴۴) وحدت اسلامی، شمارہ ۹۶، مئی ۱۹۹۳ء، ص:۶۶

(۴۵) کوثر، ج۱، خطبات امام خمینی، ص:۳۲۳، ۳۲۴

(۴۶) انصاری، حمید، سخن بیداری، ص:۹۵

(۴۷) روزنامہ خراسان، ۱۴ آبان، ۱۳۴۳ش، بمطابق ۵ رنومبر ۱۹۶۴، ص:۷

(۴۸) روزنامہ خراسان، ۲۴ اردی بہشت، ۱۳۵۸ش، بمطابق ۱۴ رمئی ۱۹۷۹، ص:۷

(۴۹) کوثر، ج۱، خطبات امام خمینی، ص:۳۱۳

(۵۰) روحانی، سید حمید، بررسی وتحلیلی از نہضت امام خمینی، ص:۴۷۷

(۵۱) نہضت امام خمینی، ص:۱۶۹، ۱۷۰

(۵۲) ایضاً

(۵۳) ایضاً

(۵۴) ایضاً

(۵۵) ایضاً

(۵۶) ایضاً

(۵۷) کوثر، ج۱، خطبات امام خمینی، ص:۳۳۴

(۵۸) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۱، ستمبر ۱۹۹۳ء، ص:۵۵

(۵۹) نہضت امام خمینی، ص:۱۱۵

(۶۰) ایضاً، ۱۸۲

(۶۱) ایضاً، ۲۰۲

(۶۲) انصاری، حمید، سخن بیداری، ص:۹۷

(۶۳) ایضاً، ص:۱۰۴

(۶۴) ایضاً، ص:۱۱۰

(۶۵) حسین، پروفیسر ڈاکٹر عسکری، انقلاب ایران کی سماجی، سیاسی اور نظریاتی ہمہ گیری، زرافشا عسکری فیز ۳ بلاک ۳، ۱۷ہارون سٹی، گلستان جوہر-۱۷، کراچی، ص:۱۶۰

(۶۶) انصاری، حمید، سخن بیداری، ص:۱۳۶

(۶۷) ایضاً، ص:۱۳۷

(۶۸) وحدت اسلامی، شمارہ ۹۳، دسمبر ۱۹۹۳ء، ص:۱۹

(۶۹) حسین، پروفیسر ڈاکٹر عسکری، انقلاب ایران کی سماجی، سیاسی اور نظریاتی ہمہ گیری، ص:۱۰۸

(۷۰) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۳، دسمبر ۱۹۹۳ء، ص:۱۹

(۷۱) کوثر، ج ۲، خطبات امام خمینی، ص:۳۲۷

(۷۲) کوثر، ج ا، خطبات امام خمینی، ص:۶۵۰

(۷۳) خمینی، روح اللہ، وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸ء، ص:۹۳

(۷۴) انصاری، حمید، سخن بیداری، ص:۱۴۶

(۷۵) ایضاً

(۷۶) کوثر، ج ۲، خطبات امام خمینی، ص:۴۲۹

(۷۷) ایضاً

(۷۸) روزنامہ اطلاعات، ۳را کتوبر ۱۹۷۸ء، تہران، ص:۱۰

(۷۹) کوثر، ج ۲، خطبات امام خمینی، ص:۲۷۱

(۸۰) کوثر، ج ۲، خطبات امام خمینی، ص:۵۶۶

(۸۱) ایضاً

(۸۲) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۳، دسمبر ۱۹۹۲ء، ص:۲۰

(۸۳) کوثر، ج ۲، خطبات امام خمینی، ص:۴۳۸، ۴۳۹

(۸۴) صحیفہ نور، ج ۴، ص: ۱۷

(۸۵) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۱، ستمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۱۱

(۸۶) انصاری، حمید، سخن بیداری، ص: ۱۴۸

(۸۷) نہضت امام خمینی، ص: ۲۲۰

(۸۸) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۳، دسمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۲۱

(۸۹) نہضت امام خمینی، ص: ۲۲۰، ۲۲۱

(۹۰) ایضاً، ص: ۲۲۲

(۹۱) صحیفہ نور، ج ۴، ص: ۲۰۴

(۹۲) نہضت امام خمینی، ص: ۲۲۳

(۹۳) کوثر، ج ۴، خطبات امام خمینی، ص: ۴۸۱

(۹۴) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۳، دسمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۲۰

(۹۵) نہضت امام خمینی، ص: ۲۲۶

(۹۶) ایضاً، ص: ۲۲۷

(۹۷) صحیفہ نور، ج ۴، ص: ۲۸۰

(۹۸) انصاری، حمید، سخن بیداری، ص: ۱۵۳

(۹۹) صحیفہ نور، ج ۴، ص: ۲۸۰

(۱۰۰) انصاری، حمید، سخن بیداری، ص: ۱۵۳

(۱۰۱) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۲، دسمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۲۱

باب پنجم:

اسلامی انقلاب کی کامیابی

ایران کے "اسلامی انقلاب" کو جو چیز دنیا کے تمام انقلابات سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس انقلاب نے ملک سے امپریلزم کو نکالنے کے لئے سوشلزم کا سہارا نہیں لیا، بلکہ لاکھوں افراد پر مشتمل انقلابی تحریک امام خمینی کی قیادت میں شروع ہوئی عوام نے امام خمینی کی قیادت پر اعتماد کرتے ہوئے تمام انقلابی کاروائیوں کو ایک مذہبی اور دینی فریضے کی حیثیت سے انجام دیا اور اس راہ میں کوئی چیز حائل نہ ہونے دی۔

ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کا راز ایران کے سابق صدر محمد خاتمی کے مشیر برائے امور اہل سنت مولانا اسحاق مدنی کی نظر میں تین چیزوں کی مرہون منت ہے: ایک قیادت کا خالص ہونا، وہ کہتے ہیں کہ "امام خمینی ملت ایران کے مفادات سے بھی بڑھ کر اسلامی امت کے مفادات کا خیال رکھتے تھے۔ اسلام کے مفادات کو ایران کے عوام کے مفادات پر اور اپنے ذاتی اور خاندانی مفادات پر ایران کے مفادات کو ترجیح دیتے تھے۔ کامیابی کا دوسرا عنصر ایران کی عوام ہیں یعنی ایک رہنماء جس قدر بھی بہتر ہو اس کے عوام کا اچھا ہونا اہم ہے۔ مولانا کہتے ہیں، تاریخ میں بہت سے انبیاء اور اللہ کے پیغمبر آئے جن پر چند ہی لوگوں نے ایمان لایا۔ اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ انبیاءؑ میں صلاحیت ہی نہ تھی ہرگز نہیں، بلکہ اس قوم میں صلاحیت نہ تھی اور وہ قوم ایسے رہنماء اور قائد کے قابل نہ تھی لیکن ایران میں یہ خوبی تھی کہ جس طرح اللہ تعالی نے امام خمینی جیسا ایک غیر معمولی رہنماء بنایا اسی طرح اپنے کرم و مہربانی سے مخلص قوم بھی عطا فرمائی۔ اس طرح ملت اور قائد نے آپس میں مل کر ایک وحدت الوجود کا روپ دھار لیا اور اس کے نتیجے میں وہ تیسرا عنصر وجود میں آیا جو کہ توفیق الٰہی ہے۔ ان کے خیال میں اگر مذکورہ دو عنصر نہ ہوتے تو توفیقات الٰہی بھی ان کے شامل حال نہ ہوتیں۔ وہ کہتے ہیں کہ امام خمینی نے فقہی کتابوں اور قرآن مجید سے سب مسائل کا حل تلاش کیا۔ اس طرح عظیم تبدیلی ایران میں رونما ہوئی۔ یہ سب سے محکم شواہد اور دلائل ہیں کہ جو توفیقات الٰہی کا پتہ دے رہے ہیں۔" (۱)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ امام خمینی نے ۱۹۶۳ء میں تین مہینے کے عرصے کے دوران شاہ کی حکومت کے خاتمے اور انقلاب اسلامی کی کامیابی کی خبر دی تھی۔ پہلی مرتبہ، مرکزی اور صوبائی انجمنوں کے ہنگاموں کے خاتمہ کے بعد مسجد اعظم قم میں شریک علماء اور طلبات سے خطاب کے دوران اور دوسری مرتبہ اس تقریر میں جس کا عنوان یہ تھا۔ "عنقریب نیزوں کی انیاں ٹوٹنے والی ہیں۔" (۲)

مجلس شوریٰ اسلامی (پارلیمنٹ) کا قیام:

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد حکومتِ اسلامی کی تشکیل اور مجلس شورائے اسلامی (پارلیمنٹ) کا مرحلہ آیا۔ ایران آمد کے چار روز بعد پانچ فروری ۱۹۷۹ء کو امام خمینی کی طرف سے انجینئر مہدی بازرگان کو پریس کانفرنس کے ذریعے عبوری حکومت کا وزیراعظم مقرر کر دیا گیا۔ یہ حکم نامہ امام خمینی کے صدور حکم سے ہاشمی رفسنجانی نے چار سو ملکی اور غیر ملکی نامہ نگاروں کے مجمع میں پانچ فروری ۱۹۷۹ء کو پڑھ کر سنایا۔ (۳)

امام خمینی کی طرف سے نئی حکومت کے قیام کے اعلان کے بعد سب سے پہلے حکومتِ پاکستان نے ایران کی نئی حکومت کو سرکاری طور پر تسلیم کیا۔ اس موقع پر صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلامی انقلاب کے رہبر امام خمینی کو مبارک باد کا پیغام بھیجا جس میں کہا گیا۔ ''آپ کی قیادت میں اسلامی انقلاب کی تاریخی فتح پر میں انتہائی مسرت اور احترام کے ساتھ اپنی طرف سے نیز حکومت پاکستان اور پاکستان کے ساڑھے سات کروڑ عوام کی جانب سے نیک تمناؤں کا اظہار کرتا ہوں۔'' (۴)

ادھر مہدی بازرگان نے حکومت اسلامی انقلاب کے عبوری وزیراعظم منتخب ہونے کے بعد تہران یونیورسٹی میں ایک تفصیلی خطاب کرتے ہوئے اپنی حکومت کے منصوبوں کا اعلان کر دیا جس کے اہم نکات درج ذیل تھے:

۱۔ اقتدار کی منتقلی

۲۔ نظام کی حقانیت کا اثبات اور اسے نمایاں کرنا (ریفرنڈ)

۳۔ ملک کو زندہ کرنا، اسے چلانا اور اس کی اصلاح

۴۔ انتخابات، مجلس موسسان اور نئے آئین کی تدوین وتصویب کے لئے عمومی رائے حاصل کرنا

۵۔ انتخابات مجلس شورائے ملی (قومی اسمبلی)

۶۔ آئندہ کی حکومت اور صدر کو کام سونپ دینے کے بعد اقتدار سے الگ ہو جانا۔ (۵)

اسلامی جمہوریہ ایران کی پہلی کابینہ:

اسلامی جمہوری ایران کی پہلی کابینہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھی:

ڈاکٹر مہدی بازرگان وزیراعظم، ڈاکٹر ابراہیم یزدی نائب وزیراعظم برائے انقلابی مور، ہاشم بقائی نائب وزیراعظم برائے منتقلی اقتدار امیر انتظام، نائب وزیراعظم برائے مواصلات، ڈاکٹر عبدالکریم سنجانی وزیر خارجہ، احمد

بدری وزیر داخلہ، مصطفیٰ وزیر بحالی وتعمیر، یوسف قادری وزیر رسل وسائل، علی اکبر وزیر منصوبہ بندی اور بجٹ، ڈاکٹر کاظم سامی وزیر صحت، دریوش فروگز روز وزیر محنت وسماجی بہبود۔(۶)

نئی کابینہ نے سب سے پہلے مخالفین انقلاب کی سازشوں کا سدباب کرنے اور انقلاب کی بنیادوں کو مستحکم بنانے کے لئے انقلابی کونسل کے ساتھ ساتھ ایسی اسلامی عدالتیں بھی قائم کر دیں جو ان مخالفین کے معاملات کی تحقیقات کر کے ان کو کیفر کردار تک پہنچائیں جو ایرانی عوام اور اسلام کے دشمن ہیں۔ نیز حالات کو بہتر طور پر قابو میں رکھنے کے لئے اسلامی انقلاب کی محافظ فوج بھی بنائی گئی جس کو ملک کی نظریاتی سرحدوں کی نگرانی کرنے کی خدمت تفویض کی گئی۔

اس کے بعد انقلابی کونسل نے گورگان کے قریب چار ہزار ایکڑ پر مشتمل شاہی فارم اور جنرل اویسی کے سیب کے باغ کو قومی تحویل میں لے لیا اور فلسطینی صدر یاسر عرفات کو ایران میں اسرائیلی دفاتر اور سفارت خانے پر قبضہ دے دیا گیا۔(۷)

ایران کے آئین کے مطابق ملک کا نظم ونسق صدر مملکت، مجلس شوریٰ اسلامی اور دوسری کونسلوں جو عام انتخابات یا دوسرے ذرائع سے منتخب ہوتی ہیں، کے ذریعے چلایا جاتا ہے۔ اسلامی جمہوریہ ایران میں حکومت کے تین شعبے ہیں جو ولایت فقیہ کی زیر نگرانی کام کرتے ہیں اور صدر مملکت ان سب کو ہم آہنگ کرتا ہے۔ ملک کی انتظامیہ صدر مملکت کی زیر نگرانی کام کرتی ہے اور صدر چار سال کیلئے منتخب ہوتا ہے۔ مذکورہ تین شعبے جس کا تذکرہ ہم نے سطور بالا میں کیا تھا، اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

۱۔ ادارہ مقننہ (قانون ساز)

۲۔ ادارہ مجریہ یا انتظامیہ (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دینے والا)

۳۔ قوۃ قضائی یا عدلیہ

(ا) حکومت اسلامی میں ادارہ مقننہ:

حکومت اسلامی میں ادارہ مقننہ وہی مجلس شوریٰ میں شامل ملت کے نمائندے ہیں جو اسلامی قواعد کے دائرے میں عمرانی، معاشرتی اور اجتماعی عدالت وغیرہ کی ترقی کے لئے قانون سازی کرتے ہیں۔ چنانچہ حکومت کے وزراء جو بل مسودۂ قانون قوم کے ان نمائندوں کے سپرد کرتے ہیں وہ اس پر غور وخوض کے بعد اسے منظور کر کے برائے نفاذ حکومت کے حوالے کرتے ہیں۔ آج کی اصطلاح میں اس ادارے کو پارلیمنٹ، اسمبلی یا مجلس شوریٰ کہتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ حکومت اسلامی میں جس ادارہ مقننہ کے بارے میں بحث کی جاتی ہے اس میں

اور مقننہ میں بنیادی فرق ہے جو آج کی حکومتوں میں رائج ہے جس میں ایک فرد یا گروہ ملکی ضرورتوں کے تحت قوانین وضع کرتا ہے۔ لیکن حکومتِ اسلامی میں قانون کی تشریح اور اس کا بنایا جانا خداوند سبحانہ وتعالیٰ پر منحصر ہے اور اس کے سوا کوئی شرع و قانون بنانے والا وجود نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کسی شخص کی رائے یا نقطہ نظر کسی دوسرے کے لئے حجت ہے اور نہ قابل عمل۔ لہٰذا کوئی چاہے کتنا ہی بڑا عالم ہو وہ قانون بنانے کا حق نہیں رکھتا یعنی کسی کو حق نہیں کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے اور معاشرے کو اسے قبول کرنے پر مجبور کرے۔ اس بناء پر حکومت اسلامی میں قانون بنانا یا وضع کرنا صرف خدا کی ذات پر منحصر ہے اور مجلس شوریٰ کے نمائندوں کو قانون بنانے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ان کا فریضہ صرف معاشرتی، اقتصادی وسیاسی امور کے سلسلے میں اسلامی قوانین کے اندر رہتے ہوئے لائحہ عمل اور طریقہ کار تجویز کرنا ہے۔

اسلامی شوریٰ کے نمائندے کسی امر پر آپس میں صلاح ومشورہ اور تبادلہ خیال کے بعد اس کے تمام پہلوؤں پر نظر کرتے ہوئے کسی مسودۂ قانون کو منظور کرتے اور اجراء کے کام کو حکومت کے حوالے کر دیتے ہیں، گویا ہر قانون اور حکم کے تین مرحلے ہوتے ہیں:

(الف) تشریح اور وضع کا مرحلہ: جو ذات اقدس احدیت پر منحصر ہے۔

(ب) قانون کی شناخت اور اسے شرعی مدارک سے نکال کر پیش کرنا جو فقہاء کا کام ہے۔

(ج) طریقہ عمل کا مرحلہ جو مجلس شوریٰ کے نمائندوں کا فریضہ ہے۔ (۸)

امام خمینی اس بارے میں کہتے ہیں:

حکومت اسلامی اور ان آئینی سلطنتی وجمہوری حکومتوں میں یہی بنیادی فرق ہے کہ ان حکومتوں میں عوام یا شاہ کے نمائندے قانون بنانے کا کام کرتے ہیں حالانکہ اسلام میں شرع و قانون بنانے کا اختیار خداوند متعال سے مخصوص ہے۔ اسلام کا مقدس شارع ہی واحد قانون ساز ہے۔ کسی شخص کو قانون بنانے کا حق نہیں ہے اور کسی قانون کو ماسوائے شارع کے حکم کے جاری نہیں کیا جاسکتا یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت میں قانون ساز اسمبلی کے بجائے مجلسِ نظامِ عمل کا وجود ہوتا ہے اور اس کا کام مختلف وزارتوں کے لئے اسلامی احکام کے ماتحت ضابطہ کار ترتیب دینا، نیز پورے ملک میں خدمات عامہ سرانجام دینے کے طریقوں کا تعین کرنا ہے۔ (۹)

اس اسمبلی کے لئے بہترین نام مجلس شورائے اسلامی ہے، اس لئے کہ اس کے نمائندے آپس میں صلاح مشورہ کر کے اسلامی قوانین کی روشنی میں راہِ عمل تجویز کرتے ہیں، نیز اسے مجلسِ ملی یا قومی اسمبلی بھی کہا جاسکتا ہے، کیونکہ اس میں ملت کے نمائندے ہیں۔

(۲) حکومتِ اسلامی میں قوت مجریہ یا انتظامیہ:

آج ایران میں وزیروں کی کابینہ اور اس سے متعلقہ ادارے قوت مجریہ یا انتظامیہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے اور دائرہ کار میں اسمبلی کے پاس کردہ ان ضوابط کو رائج کرتا ہے جو شہری، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی امور کے متعلق ہوئے ہیں یعنی ملک کا انتظام کلی طور پر اسی انتظامیہ کی ذمہ داری ہے۔(۱۰)

(۳) قوتِ قضائی یا عدلیہ:

'قضا' اور فریادرسی کا تمام انسانی معاشروں میں عظیم کردار اور اہم مقام ہے رہا، اس لئے کہ معاشرے کی سلامتی وسعادت اور امن وعدل کی برقراری انسانی حقوق وآزادی اور احترام کا تحفظ قوت قضائی یا عدلیہ سے وابستہ ہے اور لوگوں کے جھگڑے نمٹانے سے معاشرے میں اجتماعی توازن برقرار ہو جاتا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں لوگوں کے جھگڑوں پر توجہ نہ دی جائے تو اس میں عدل رخصت ہو جاتا ہے معاشرہ لاقانونیت اور فساد کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور حکومت کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

اسلامی جمہوریہ ایران میں عدلیہ ایک آزاد اور خودمختار ادارہ ہے جو انفرادی اور اجتماعی حقوق کی حفاظت کرتی ہے۔ عدلیہ میں سب سے بڑا عہدہ عدلیہ کی اعلیٰ کونسل کا ہے۔ یہ کونسل مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل ہوتی ہے: سپریم کورٹ کے چیف جسٹس، پراسیکوٹر جنرل، مجتہد اور عادل جج جو پانچ سال کیلئے منتخب ہوتے ہیں۔(۱۱)
قوت قضائی اور عدلیہ میں امام خمینی کی سوچ میں قاضی کیلئے ضروری ہے کہ فقیہ عادل ہو۔ دلیل کے طور پر آپ سلیمان بن خالد کی روایت کو نقل کرتے ہیں جو ان کی نظر میں صحیح اور معتبر ہے۔ وہ روایت اس طرح ہے:

> "عن ابی عبدالله قال: اتقوا الحکومة فان الحکومة انما هی الاسلام، الاعالم بالقضاء العادل فی المسلمین لنبي او وصی نبي."(۱۲)
>
> امام جعفر صادق نے فرمایا: حکومت سے بچو! کیونکہ حکومت کرنا اس امام کا حق ہے جو قضاء کے قوانین کا عالم ہو اور مسلمانوں کے درمیان عادل ہو۔ یہ (قضاوت) پیغمبر کیلئے یا وصی پیغمبر کیلئے ہے۔

امام خمینی کی سوچ میں یہاں پر امام کے لغوی معنی مراد ہے یعنی سربراہ اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے۔ اس لئے نبی کو بھی امام کہا ہے۔ اگر امام کے اصطلاحی معنی مراد ہوتے تو عالم اور عادل کی قید اضافی ہو جائے گی۔(۱۳) اب دیکھنا یہ ہے کہ قضاوت کی شرائط فقیہ میں موجود ہیں کہ نہیں۔ آپ کے خیال میں فقیہ طبعی طور پر عالم بہ قضاء ہے۔ کیونکہ فقیہ کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو محض عالم بہ قوانین اسلام ہی نہ ہو بلکہ عقائد وقوانین ونظام اخلاق کا عالم

ہو۔یعنی مکمل دین شناس ہو۔فقیہ عالم بحسب تعیین امام مقام امامت وریاست اور قضاوت کا حامل ہے۔اسی لئے امام خمینی کے نزدیک روایت میں موجود شرائط نبی یا وصی نبی کے علاوہ کسی پر منطبق نہیں ہوتی۔فقہاء چونکہ نبی نہیں ہیں لہٰذا نبی کے وصی یعنی جانشین ہیں اس بناء پر وہ مجہول اس معلوم سے پتہ چلتا ہے لہٰذا اسی کو قاضی ہونا چاہیے۔

امام خمینی نے ایک اور روایت سے استدلال کیا ہے، وہ کتاب اکمال الدین وتمام النعمہ میں موجود یہ روایت ہے:

''عن محمد بن محمد بن عصام عن محمد بن یعقوب عن اسحاق بن یعقوب قال سئلت محمد عثمان العمری ان یوصل لی کتاباً قد سئلت فیه عن مسائله اشکلت علی فورد التوقیع بخط مولانا صاحب الزمان اما ما سئلت عنه ارشدک الله ثبتک (الی عن قال) و اما الحوادث الواقعه فارجعوا فیها الی رواة حدیثنا فانهم حجتی علیکم و انا حجة الله.''(۱۴)

''اسحاق بن یعقوب حضرت ولی العصر کو ایک خط لکھ کر ان مشکلات کے بارے میں سوالات کرتے ہیں جو ان کو پیش آئے تھے اور امام زمانہ کے نمائندہ محمد بن عثمان عمری اس خط کو حضرت تک پہنچادیتے ہیں۔اس خط کا جواب امام زمانہ کی تحریر کے ساتھ آتا ہے کہ حوادث اور پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ لوگ ہماری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں خدا کی طرف سے حجت ہوں۔''

امام خمینی کی نظر میں اس روایت میں جو لفظ ''حوادث واقعہ'' ہے۔اس سے مراد اجتماعی پریشانیاں اور مصیبتیں ہیں جو مسلمانوں کو پیش آتی ہیں۔پوچھنے والے نے بطور کلی سوال کیا ہے کہ اب ہماری رسائی آپ تک تو نہیں ہوتی لہٰذا اجتماعی پریشانیوں میں ہم کیا کریں؟ ہمارا فرض کیا ہے؟ اور حوادث واقعہ کا ذکر کیا ہو اور پوچھا ہو کہ ان حوادث میں کس شخص کی طرف رجوع کریں۔بطور کلی سوال کیا ہو اور حضرت نے جواب اسی سوال کے مطابق دیا ہو کہ ان حوادث اور مشکلات میں ہماری حدیثوں کے راویوں کی طرف رجوع کیا کرو یعنی فقہاء کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ لوگ تمہارے اوپر میری طرف سے حجت ہیں اور میں تم لوگوں پر حجت ہوں اس بحث سے واضح ہوا کہ امام خمینی قاضی کیلئے فقیہ ضروری سمجھتے ہیں۔

۲۵/جنوری ۱۹۸۰ء کو ایران کے پہلے صدارتی انتخابات ہوئے۔اس وقت امام خمینی تہران کے امراض قلب اسپتال میں زیر علاج تھے۔ان انتخابات میں سید ابوالحسن بنی صدر اپنے حریفوں پر بھاری اکثریت سے کامیاب ہوا۔امام خمینی نے بنی صدر کے صدارتی حکم کے نفاذ کے وقت کہا:

''میں بنی صدر صاحب کوایک فقرہ کی طرف متوجہ کراتا ہوں اور یہ فقرہ سب کو یاد رکھنا پڑے گا۔ وہ یہ ہے کہ'' حب الدنیا رأس کل خطیئتہٖ '' (دنیا سے محبت تمام غلطیوں کا سرچشمہ ہے) بنی صدر اپنے دور اقتدار میں سابقہ حکومت کی طرح بڑے ممالک کے ساتھ ساز باز سیاسی رکھتا تھا۔ اس نے اسلامی انقلابی قوتوں کو ملکی سیاست سے بے دخل اور انقلاب مخالف گروہوں سے وابستہ عناصر کو آگے لانا شروع کیا۔ بنی صدر کے دور صدارت میں عراق نے بھرپور پیمانہ پر حملہ کر کے ایران کی زمینوں پر قبضہ کیا۔ بنی صدر کے حامی لوگوں کو اسلامی حکومت کیلئے مسائل میں اضافہ کرنے میں اپنی بقا نظر آئی اسی لئے وہ چیف آف اسٹاف کی حیثیت سے بنی صدر کی پوزیشن کو مدنظر رکھ کر ملکی دفاع اور عراقی حملہ سے مقابلہ کرنے کے مسئلے میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے علاوہ عوامی قوتوں اور سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی (انقلاب محافظ فورس) کو منظم اور مسلح کرنے میں مانع ہوا۔ اس کے علاوہ بنی صدر کی وجہ سے قومی اتحاد کو خطرہ لاحق ہونے کے پیش نظر ۱۰ رجون ۱۹۸۱ء میں امام خمینی نے ایک مختصر بیان میں اس سے چیف آف اسٹاف کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ وہ مختصر بیان یہ ہے:

ستاد مشترک نیروهای مسلح جمهوری اسلامی ایران آقای ابوالحسن بنی صدراز فرماندهی نیروهای مسلح بر کنار شده اند (۱۵) ابوالحسن بنی صدر کو جمہوری اسلامی ایران کی مسلح افواج کی کمیٹی سے برطرف کر دیا گیا ہے۔

بنی صدر کی برطرفی کے دو مہینے بعد ایران میں دوبارہ صدارتی انتخابات کا انعقاد کیا گیا اور ان انتخابات کے نتیجے میں ۱۹۸۰ء کو محمد علی رجائی صدر منتخب ہوئے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ صدر رجائی، وزیر اعظم ڈاکٹر محمد جواد باہنر کے ہمراہ اپنے دفتر میں رکھے ہوئے بم دھماکے کے نتیجے میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ (۱۶)

ایران کے اسلامی جمہوری نظام میں قانوناً سب سے عالی ترین مرتبہ قائد، ولی فقیہ یا شورائے رہبری کا ہے اور ان کا انتخاب بھی بنیادی آئین کے مطابق ملت کی کثرت رائے سے ہوتا ہے بنیادی آئین کے آرٹیکل نمبر ۵ میں ہے حضرت ولی العصر (مہدی منتظر) کی غیبت کے زمانے میں جمہوری اسلامی ایران کی ولایت اور امامت کی قیادت فقیہ، عادل، متقی، پرہیزگار، احوال شناس، بہادر، مدیر و مدبر اور جس سے عوام کی اکثریت اپنا قائد و رہبر تسلیم کرتی ہے کے ذمہ ہے۔ جیسے اسلامی انقلاب کے رہبر آیت اللہ امام خمینی کے بارے میں ہوا تو یہ رہبر ولایت امر اور اس سے متعلقہ امور کے ذمہ دار ہونگے اور اگر ایسا نہ ہوا تو عوام کے منتخب نمائندے (خبرگان) ان فقہاء کے بارے میں باہمی مشورہ کریں گے جن میں مرجعیت اور رہبریت کی صلاحیت موجود ہے۔ اگر ان فقہاء میں سے کسی

ایک مجتہد میں رہبریت کے لئے کوئی خصوصیت پائی جائے تو ان کی رہبری کا اعلان ہو جائے گا اور اگر ایسا بھی نہ ہوا تو تین یا پانچ ایسے فقہا سے شورائے رہبری تشکیل دیا جائے گا جن میں رہبری کے شرائط موجود ہوں۔ (۱۷)

جیسا کہ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس وقت ایران میں جو اسلامی جمہوری قائم ہے اپنی ظاہری شکل و صورت اور بناوٹ میں دنیا کی دوسری حکومتوں سے بہت کچھ مشابہ ہونے کے باوجود بھی کافی نمایاں اور بنیادی فرق رکھتی ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ اس ''جمہوری اسلامی'' نظام میں مقننہ، مجریہ اور عدلیہ کی بے راہ وروی پر کنٹرول کرنے کے لئے نگران کونسل (شورائے نگہبان)، عدلیہ کی سپریم کونسل (شورائے عالی قضائی) اور رہبر یا ولایت فقیہ کو بھی بنیادی حیثیت دی گئی ہے جبکہ دوسری جمہوری حکومتوں میں یہ خصوصیات موجود نہیں ہیں ہم ان خصوصیات کی تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے۔

(۱) نگران کونسل (شوارئے نگہبان)

اسلامی جمہوریہ ایران کے بنیادی آئین کی دفعہ ۹۱ اسلامی احکام اور ملک کے آئین کی حفاظت کے لئے ایک کونسل کو بیان کرتی ہے جس کا نام نگران کونسل ہوگا تا کہ اسمبلی میں بنائے جانے والے قوانین، اسلامی احکام اور بنیادی آئین سے متصادم نہ ہوں اور نگران کونسل کی تشکیل کی صورت یہ ہوگی۔

۱۔ نگران کونسل میں چھ ایسے اعلیٰ اور زمانے کے تقاضوں کو سمجھنے والے فقہاء ہوں گے جن کا تقرر رہبر یا شورائے رہبریت (رہبر کونسل) کے ذمہ ہوگا۔

۲۔ چھ ایسے مسلمان قانون دانوں کو لیا جائے گا جن کو قانون کے مختلف پہلوؤں پر مہارت حاصل ہوگی، ان کی نامزدگی سپریم کورٹ کی طرف سے ہوگی۔ بعد ازاں ان کے نام اسمبلی میں پیش کیے جائیں گے اور اسمبلی کی منظوری سے یہ نگران کونسل کے ممبر بنیں گے۔ (۱۸)

بنیادی آئین کی دفعہ ۹۲ میں بیان کیا گیا ہے کہ ''نگران کونسل کے ممبر چھ سال کے لئے منتخب ہوں گے، البتہ ابتدائی مرحلے میں تین سال گزرنے کے بعد دونوں فریق (فقہاء اور قانون دان) کے نصف ممبروں میں قرعہ اندازی سے تبدیلی آئے گی اور ان کی جگہ نئے ممبروں کا انتخاب عمل میں لایا جائے گا۔''

آئین کی دفعہ ۹۶ میں ہے کہ اسمبلی کی قراردادوں کا اسلام سے متصادم نہ ہونے کا فیصلہ نگران کونسل کے چھ فقہاء کی اکثریت سے ہوگا اور آئین سے متصادم نہ ہونے کا فیصلہ نگران کونسل کے تمام ممبران کی اکثریت سے ہو گا۔

اس کے علاوہ دستور اساسی کی تشریح اور صدر جمہوریہ کا انتخاب مجلس شورائے اسلامی (قومی اسمبلی) کے

انتخابات کی نگرانی اور صدارت کے امیدواروں کی استعداد و صلاحیت کے بارے میں توثیق و تشخص بھی اسی نگران کونسل (شورائے نگہبان) کے فرائض ہیں۔

(۲) عدلیہ کی سپریم کونسل (شورائے عالی قضائی)

انقلاب ایران کی کامیابی کے بعد بنیادی آئین کی تدوین کے وقت ایک شوریٰ بنام شوریٰ عالی قضائی کی تجویز پاس ہوئی تاکہ ایرانی عدالتوں کا نظام اسلامی قوانین کے مطابق منظم کیا جاسکے۔

بنیادی آئین کی دفعہ ۱۵۸ عدلیہ کی سپریم کونسل کے ارکان پانچ بیان کرتی ہے۔

۱۔ سپریم کورٹ کا جج۔

۲۔ اٹارنی جنرل۔

۳۔ تین ایسے قاضی جو مجتہد عادل ہوں، جن کو ملک کے دوسرے قاضی انتخاب کریں گے۔

یہ ارکان پانچ سال کیلئے قانون کے مطابق منتخب ہونگے ان کا دوبارہ بھی انتخاب ہوسکتا ہے۔

انتخاب ہونے والے اور انتخاب کرنے والوں کی شرائط قانون بیان کرے گا۔

ایران کے بنیادی آئین کی دفعہ ۱۹۲ میں ہے کہ ملک کے سپریم کورٹ اور سپریم کونسل کے سربراہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجتہد، عادل اور قضاوت کے امور میں ماہر ہو۔ رہبر، سپریم کورٹ کے قاضیوں کے مشورے سے اس سربراہ کا پانچ سال کے لئے انتخاب کرے گا۔ (۱۹)

امام خمینی کابینہ اور اہم اداروں کے سربراہوں کو اس طرح وصیت کرتے ہیں:

''مجلس (شورائے اسلامی، پارلیمنٹ) نگہبان کونسل، کابینہ، صدر جمہوریہ اور عدالتی کونسل کے لئے میری یہ وصیت ہے کہ خداوند عالم کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کرتے رہیں اور سرمایہ داری کے ظالم لیٹروں کے کھوکھلے پروپیگنڈوں سے متاثر نہ ہوں اور اسلامی دائروں میں رہنے والی ملکیت اور جائز سرمایوں کا احترام کریں۔ قوم کو اطمینان دلائیں تاکہ سرمائے اور تعمیری سرگرمیاں جاری رہیں اور حکومت کو خود کفیل بنائیں۔'' (۲۰)

(۳) قیادت (رہبر) یا ولایت فقیہ:

نظام جمہوری اسلامی ایران اور دنیا کی موجودہ جمہوریہ حکومتوں میں ایک بڑا بنیادی فرق رہبری یا ولایت فقیہ کا ہے۔ نظام جمہوری اسلامی ایران کی عمارت عوامی رائے اور اسلامی قونین پر استوار ہوئی ہے۔ اس نظام کے پہلے رکن عوامی رائے کے محافظ خود عوام ہی ہیں جو اپنی پسند کے مطابق حکومت کے لئے اپنے نمائندوں کا انتخاب کر

نے کا اختیار رکھتے ہیں نیز یہ بھی اختیار رکھتے ہیں کہ وہ اپنے منتخب نمائندے کو اگر چاہیں تو اصول وقواعد کے دائرہ میں رہ کر ہٹا بھی سکتے ہیں یا نیا انتخاب کر سکتے ہیں۔

جمہوری اسلامی ایران کی دفعہ ۱۱۰ کی پانچویں شق کے مطابق صدر جمہوریہ کو دیوان عالی کشور (سپریم کورٹ) یا پارلیمنٹ کے ممبروں کی رائے اور رہبر کے دستخط کے بعد برخواست کیا جائے گا۔ درحقیقت یہ اقدام بالواسطہ رائے ہی کا نتیجہ ہوگا۔ جیسا کہ معزول صدر جمہوریہ بنی صدر کے سلسلے میں کیا گیا جس کے بارے میں تبصرہ اگلے مرحلے میں کریں گے۔ نظامِ جمہوری اسلامی ایران کے دوسرے رکن اسلامی قوانین کی نگرانی اور حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص کو منتخب کیا جائے گا جو اولاً عوام کے لئے قابلِ اعتماد ہو۔ ثانیاً یہ کہ اسلامی احکام و قوانین سے (بحد استنباط واجتہاد) کامل آشنائی رکھتا ہو۔ ثالثاً یہ کہ وہ زمانہ کے حالات سے اچھی طرح آگاہ وباخبر ہو، اپنی سوجھ بوجھ سے ملک کی صحیح قیادت کر سکے اور حکومت چلا سکے۔ بنابریں رہبر یا ولی فقیہ اور ولی امر وہ شخص ہو گا جو صحیح طور پر یہ دیکھ بھال بھی کر سکے کہ نظامِ حکومت، الہٰی اور اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جا رہا ہے۔ اس کے لئے وہ خدا اور عوام کے سامنے جوابدہ ہوگا۔ جمہور اسلامی ایران کے دستور اساسی میں قائد یا شورائے رہبری کا انتخاب، اس کے شرائط اور صفات واختیارات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ دستور اساسی کی دفعہ نمبر ۱۰۷ میں بیان ہے۔

''جب کسی ایسے فقیہ کی مرجعیت اور قیادت کو قطعی طور عوام کی اکثریت قبول کرے جس میں وہ تمام شرائط موجود ہوں جو قانون اساسی کی دفعہ نمبر ۵ میں بیان کی گئیں ہیں تو ایسا فقیہ، قائد، رہبر اور ولی امر ہوگا اور اس سے متعلق تمام ذمہ داریوں کا مسئول ہوگا جیسا کہ مرجع تقلید ورہبر انقلاب امام خمینی کے سلسلہ میں ہوا ہے اور اگر ایسا کوئی شخص موجود نہیں ہے تو عوام کی طرف سے منتخب شدہ مجلس خبرگان کے ممبران ان حضرات کے درمیان تحقیق وجستجو کریں گے جو مرجعیت وقیادت کی صلاحیت رکھتے ہوں پس اگر ایسا مرجع جو قیادت کی صلاحیت رکھتا ہو پیدا ہو جائے تو عوام میں بحیثیت قائد اس کا تعارف کرائیں گے ورنہ پھر تین یا پانچ ایسے مراجع جن میں رہبری اور قیادت کی صلاحیت موجود ہوگی انہیں ''شورائے رہبری'' کے ارکان کی حیثیت سے منتخب کر کے عوام میں بحیثیت قائد تعارف کرایا جائے گا۔'' (۲۱)

قائد کے اختیارات:

(الف) قانونِ اساسی کی دفعہ ۱۱۰ میں قائد کے فرائض واختیارات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

۱۔ نگران کونسل کے فقہاء کا تقرر

۲۔ ملک کے سپریم کورٹ کے ججوں کا تقرر

۳۔ پوری مسلح افواج کی قیادت درج ذیل طریقہ سے:

(الف) چیف آف اسٹاف کی تقرری و برطرفی

(ب) سپاہ محافظ انقلاب کے کمانڈر کی تقرری و برطرفی

(ج) دفاعی کونسل کی تشکیل جو مندرجہ ذیل اراکین پر مشتمل ہوگی۔

صدر مملکت

وزیر اعظم

چیف آف سٹاف

سپاہِ پاسدارانِ انقلاب کا کمانڈر

رہبر کی طرف سے دو مشاور

(ج) تینوں مسلح افواج کے کمانڈروں کا تقرر دفاعی کونسل کی تجویز کے مطابق

(د) جنگ و صلح کا اعلان اور دفاعی کونسل کی تجویز کے مطابق طاقت کا استعمال

(۴) لوگوں کی طرف سے منتخب ہونے کے بعد صدر کی حکومت کی توثیق، صدارتی امیدواروں کی تائید کہ کیا ان میں وہ شرائط موجود ہیں جو اس قانون میں مذکور ہیں اور یہ انتخابات سے پہلے نگران کونسل کی منظوری سے بیان کرنا ہوں گی اور سب سے پہلے انتخابات کے مرحلے میں یہ فقط رہبر کی تائید سے بیان ہوں گی۔

۵۔ صدر کو اس کے منصب سے ہٹانا۔ ملک کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد صدر اپنی قانونی ذمہ داریوں سے عہدہ برا نہ ہو سکا یا پارلیمنٹ کے اس فیصلے کے بعد کہ صدر میں سیاسی صلاحیتیں مفقود ہیں۔

۶۔ مجرموں کی سزا معاف یا اس میں تخفیف کرنا۔ یہ بات اسلامی قوانین کے حدود کے اندر اور سپریم کورٹ کی تجویز کے بعد ہوگی۔ (۲۲)

(رہبر) قیادت یا ولایت فقیہ کے بارے میں ان تین نکات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے:

۱۔ جمہوری اسلامی ایران کے دستور اساسی کی دفعات ۵ تا ۱۰۷ میں جو ولایت فقیہ یا قیادت سے متعلق ہے، صاف طور پر اس کی بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ فقیہ وہ شخص ہے جو اسلام شناس ہو اور وہ نظامِ اسلامی کے تمام

اجزاء جو اسلامی احکام پر مبنی ہیں پر پوری پوری مہارت رکھتا ہو۔ اگر یہ خصوصیات من جملہ تقویٰ، شجاعت، سیاسی و اجتماعی بصیرت اور انتظامی صلاحیت مفقود ہو تو وہ شخص ولایت فقیہ اور قیادت جیسے اہم اور مبادی عہدوں کیلئے نااہل قرار پائے گا۔ یہ صفات ایک شخص یا چند اشخاص میں موجود ہوں تو وہ شخص یا چند اشخاص بلاشبہ ایک اسلامی ملک کی قیادت کی لیاقت وصلاحیت رکھتے ہوں گے۔ مزید وضاحت کیلئے کتاب ''اسلامی جمہوری ایران کا آئین'' کے صفحہ ۱۶ اور ۵۹ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ اولاً قائد یا شوریٰ رہبری کے ارکان قانون کی عملداری میں عام لوگوں کی طرح ہیں ملک کے دوسرے اعلیٰ افسروں کی طرح وہ بھی اپنی جائیداد اور رہن سہن جیسی انسانی ضروریات میں عدلیہ کے ماتحت ہوں گے یعنی ان کو بھی عام لوگوں کی طرح عدلیہ کے سامنے جواب دہ ہونا ہوگا۔ (۲۳)

قانون اساسی کی دفعہ ۱۱۲ میں ہے کہ قائد یا شوریٰ رہبری کے ارکان قوانین کے مقابلے میں ملک کے تمام افراد کے برابر ہیں۔ اور دفعہ ۱۴۲ میں ہے:

''عہدہ سنبھالنے سے پہلے اور عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد رہبر (قائد) یا شوریٰ رہبری کے ارکان، صدر جمہوریہ، وزیر اعظم اور دوسرے وزراء نیز ان کی بیوی اور بچوں کے متعلق بذریعہ سپریم کورٹ تحقیق کی جائے گی کہ ان کی جائیداد میں کہیں ناحق اضافہ تو نہیں ہوا۔'' (۲۴)

۳۔ اجتہاد، عدالت، تقویٰ، شجاعت اور تدبر کے صفات سے قائد یا شوریٰ رہبری کے ارکان کا متصف ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ عوام کی مخلصانہ خدمت کریں گے اور اگر ان میں سے کوئی ان صفات میں سے کسی ایک کا حامل نہ ہوگا تو انہیں اپنے عہدے سے برطرف کر دیا جائے گا۔ دستور اساسی دفعہ ۱۱۱ میں ہے:

''جب کبھی قائد یا شوریٰ رہبری کے ارکان میں سے کوئی اپنے فرائض انجام دینے سے قاصر رہے یا غفلت برتے تو وہ رکن برطرف تصور ہوگا اور اس بات کا تعین کہ وہ رکن فرائض سے غافل ہے یا نااہل ہو چکا ہے، مجلس خبرگان کونسل کرے گی جس کا ذکر دفعہ ۱۰۸ میں موجود ہے''۔ (۲۵)

ایران کے قانون اساسی کے مطابق قائد یا شوریٰ رہبری کے ارکان کے کاندھوں پر مسئولیت اور ذمہ داریوں کا بوجھ ہے۔ بلاشبہ ولایت فقیہ کا عہدہ سنبھالنے والے فقہا کے کاندھوں پر صرف مسئولیت اور اہم ذمہ داریوں کا ایک بار گراں ہے نہ کہ کوئی امتیاز۔

انقلاب کو ناکام بنانے کی سازش:

۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو پولیس اسٹیشنوں اور مختلف سرکاری اداروں پر یکے بعد دیگرے عوام نے قبضہ کیا، تہران کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ایک اعلان کے ذریعے کرفیو کے اوقات کو ۴ بجے سہ پہر تک بڑھا دیا۔ اس کے ساتھ بختیار نے سکیورٹی کونسل کا ہنگامی اجلاس بلا کر جنرل ہوئزر کی طرف سے بنائے ہوئے فوجی بغاوت کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا حکم دے دیا۔ (۲۶)

دوسری جانب امام خمینی نے عوام کے نام ایک پیغام میں ان سے اپیل کی کہ اس سازش پر عمل درآمد ہونے سے پہلے وہ کرفیو کے احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئیں۔ چنانچہ عوام کی کثیر تعداد جن میں عورتیں، مرد، بچے اور بوڑھے شامل تھے، سڑکوں پر نکل کر مورچہ بندی کرنے لگے۔ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کو فوجی اڈوں سے نکلتے ہی عوام نے ناکارہ بنا دیا۔ فوجی سپاہیوں نے ایرانی پارلیمنٹ کی عمارت اور امام خمینی کے مکان پر حملہ کیا جس کو امام خمینی کے حامیوں نے ناکام بنا دیا۔

ادھر ایرانی فضائیہ کے اڈوں پر ایک سو سے زائد امریکی ماہرین موجود تھے اور خانہ جنگی کا منصوبہ آخری اسٹیج پر تھا کہ امام خمینی نے اعلان کیا:

> ''اگر فضائیہ کے اڈوں اور شاہی فوج نے عوام کا قتل عام بند نہ کیا تو پورے ملک میں اعلان جہاد کر دیا جائے گا۔ ہم اپنی طرف سے اس امر کی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ اس بحران کو پر امن طریقہ سے ختم کیا جائے لیکن اب یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ غیر قانونی حکومت اور مارشل لاء کے حکام ملک کو خانہ جنگی کی طرف لے جا رہے ہیں موجودہ صورت حال کے پیش نظر میں ایرانی عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان غاصبوں کی فتنہ انگیزیوں کو کچلنے میں کسی قربانی سے دریغ نہ کریں۔'' (۲۷)

اس اعلان کے بعد لاکھوں فدائین مسلح ہو کر سڑکوں پر نکل آئے اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ سینکڑوں عمارتیں تباہ ہو گئیں اور ہزاروں افراد ہلاک ہو گئے۔ ۳۶ گھنٹے کی جنگ کے بعد شاہی حکومت کی آخری جدوجہد بھی ناکام ہو کر رہ گئی۔ اس طرح ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کو امام خمینی کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا اور انہوں نے یہ جنگ جیت لی۔ بالآخر امام خمینی کی تحریک اور اسلامی انقلاب کی کامیابی کا سورج ۱۱ فروری کو طلوع ہونے کے ساتھ ساتھ ۲۵۰۰ سالہ بادشاہت کا طویل دور بھی ختم ہو گیا۔ شاہی حکومت مستعفی ہو گئی، پارلیمنٹ توڑ دی گئی، فوج نے عوام کے سامنے ہتھیار ڈال دیے، ریڈیو تہران، ٹیلی ویژن، فوج کے ہیڈ کوارٹر، وزیر اعظم کے دفتر اور شاہی محل

پر عوام کا قبضہ ہوگیا۔ ریڈیو نے اعلان کیا اب اس کا نام صدائے انقلاب ہوگا، اس کے بعد اسلامی ترانے شروع ہوگئے۔ شاہ ایران کے تمام مجسمے مسمار کردیئے گئے۔ تمام سرکاری مقامات پر امام خمینی کی تصاویر آویزاں کر دی گئیں۔ سپاہیوں نے اپنی وردیاں اتار کر عوام کے حوالے کردیں۔ چیف آف اسٹاف اور شاہ پور بختیار روپوش ہوگئے۔ (۲۸) اس طرح حکومت اسلامی تشکیل دینے کیلئے عشروں پر محیط امام خمینی کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور اسلامی انقلاب کامیاب ہوا۔ امام خمینی نے خود اپنے لئے کسی عہدے کو قبول نہیں کیا بلکہ ولی فقیہ بن گئے یعنی حکومت کی تمام مشینری پر فقیہ (نظارت) کا عہدہ جس کے پاس بظاہر کوئی عہدہ نہیں تاہم سب سے زیادہ اختیار کا حامل قرار پایا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے شاہ کی فوج نے عوام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ہم یہاں پر اس کے بارے میں تجزیہ و تحلیل کریں گے۔

شاہ کی فوج کے افسران کی کثیر تعداد مذہب کے بہت معتقد اور علماء کی مقلد تھی۔ انہوں نے نازک حالات میں نظام اور حکومت کے خلاف قیام کیا۔ مذہبی تبلیغات اور علماء کے فتوؤں نے مسلح افواج کے جذبوں پر اتنا اثر ڈالا کہ اکثر افسران اور خاص کر ٹریننگ کیئے ہوئے لوگ اس دور کے حالات کے باوجود ٹریننگ کو مذہب کے خلاف خیال کرنے لگے، لہٰذا فوجی چھاؤنیوں سے بھاگ بھاگ کر اپنے گھر اور عزیزوں کے پاس چلے گئے اور بعدازاں مظاہرین کی شکل میں سڑکوں پر نظر آتے تھے۔ فوجیوں کو معلوم تھا کہ قانون کے مطابق افسران کی نافرمانی سزائے موت تک ہوسکتی ہے۔ اس کے باوجود روز بروز غائب ہونے والے اور بھاگنے والے فوجیوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی تھی جس کی وجہ سے فوج کمزور ہوگئی۔ اس نفسیاتی جنگ کے سلسلے میں کئے جانے والے اقدامات کے اثرات کی وجہ سے مخالفین کو تقویت حاصل ہوئی۔ سڑکوں پر مسلسل مخالفین اور عوام سے رابطہ رہنے لگا جس کی وجہ سے بہت سے فوجیوں کے اندر عوام سے مقابلہ کرنے کی قوت نہیں رہی اور وہ علماء و مذہبی افراد کی طرف بڑھنے لگے اور مخالفین سے ملحق ہونے لگے۔'' (۲۹)

یہ بات پیش نظر رہے کہ امام خمینی نے ۷ جنوری ۱۹۷۹ء کو پیرس سے فوج کے نام اپنا ایک پیغام یوں جاری کیا تھا:

''ہمیں فوج کی ضرورت ہے، ہم فوج کا احترام کرتے ہیں، ہم فوج کے جوان طبقے کا احترام کرتے ہیں۔ جو چور ہیں ہم ان کے مخالف ہیں، حکومتی حلقوں میں موجود اچھے لوگوں کے معترف ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہماری ملت فوج کی مخالف ہے۔ صاحب منصب، کمانڈر اور افسر کے مخالف ہے۔ ہم خونخواروں کے مخالف ہیں۔ انتظامی قوتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ہم آغوش

پھیلا کر ان کا استقبال کرتے ہیں۔ ملت آپ کو چاہتی ہے، آپ کو بھی ملت کی ضرورت ہے۔
آپ شاہ کی فوج نہیں ہیں آپ ملت کی فوج ہیں یہ جو "شاہی فوج" کہا جاتا ہے، غلط ہے۔ شاہ
کون ہے جو فوج رکھے، ملت کو فوج کی ضرورت ہے۔" (۳۰)

امریکی فضائیہ کے سربراہ جنرل رابرٹ ہائزر شاہی فوج کے عوام کے سامنے ہتھیار ڈالنے کو اس تناظر میں دیکھتے ہیں:

"مظاہروں میں کئی ہزار لوگوں نے شرکت کی۔ مظاہرہ نئے طریقے سے منظم اور پرسکون تھا۔ خمینی کے فرمان پر لوگوں نے فوج پر نئے حملے شروع کیے تھے۔ ایسا حملہ جس کا اسلحہ محبت اور دوستی تھا۔ مظاہرہ کرنے والے افراد اپنے ساتھ پھولوں کا گلدستہ لے جاتے تھے اور فوجیوں کی بندوقوں میں ڈال دیتے تھے۔ ٹینکوں کے سامنے پھول کا ہار ڈال دیتے تھے۔ فوجیوں کے سامنے وہ مہربان اور باادب ہوتے تھے۔ فوجی بھی نرمی کا برتاؤ کرتے تھے یہ فوج سے لوگوں کے بھائی چارہ کا ایسا حملہ تھا جس سے خاص کر نوجوان فوجی کھنچ کر آنے لگے۔ خمینی کی کیسٹیں ملک میں بھیج دی گئی تھی اور مسجدوں، لاؤڈ اسپیکروں سے نشر کی جارہی تھیں ان کا اصل موضوع یہ تھا کہ فوج کو غیر ملکی بدمعاشوں کے نفوذ سے محفوظ رکھا جائے۔ امام خمینی نے کہا تھا: "تمام برادران کیلئے ضروری ہے کہ فوج اور پولیس کے ساتھ مہربانی و بھائی چارگی کا رویہ اپنائیں اور ان کا بھی وظیفہ ہے کہ وہ بھی بھائی چارگی کا رویہ اپنائیں۔" (۳۱)

علماء اور ارکان حکومت کا قتل:

اسلامی انقلاب کے دشمنوں نے اس انقلاب کو نابود کرنے کے لئے ایک وقت میں صرف ایک سازش پر اکتفا نہیں کی بلکہ انہوں نے بیک وقت کئی سازشوں کا جال پھیلایا تاکہ اگر ایک سازش ناکام ہو جائے تو دوسری سازش کے ذریعہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کر سکیں۔

انقلاب کی کامیابی کے ابتدائی دنوں میں قتل وغارت گری اتنی بڑھ گئی کہ انقلاب مخالف عناصر نے انقلاب کی کامیابی میں موثر کردار ادا کرنے والی نمایاں شخصیتوں کو بھی نشانہ بنانا شروع کر دیا اور بہت سی انقلابی شخصیتوں کو خاک وخون میں ملا دیا۔ ان معروف شخصیتوں میں نمایاں اور موثر شخصیت آیت اللہ مطہری کی تھی۔ جنہیں امریکی ایجنٹوں نے سب سے پہلے اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا۔ آیت اللہ مطہری کو یکم مئی ۱۹۷۹ء کو شام کے وقت تہران کی ایک سڑک پر اس وقت قتل کیا گیا جب آپ شوریٰ انقلاب کی میٹنگ سے واپس جارہے تھے۔ آیت اللہ مطہری ایک عظیم مفکر تھے اور اسلامی علوم پر مہارت تامہ اور مجتہدانہ نظر کے ساتھ ساتھ مشرقی ومغربی گوناگوں مکاتب فکر پر دسترس کامل رکھتے تھے اور اسلامی انقلاب کی بقا اور ترقی کے لئے آئیڈیالوجک پہلو سے آئندہ بھی نمایاں

اور مرکزی کردار ادا کر سکتے تھے۔ آپ شوریٰ انقلاب کے سربراہ تھے اس لئے آپ کو قتل کرنے میں زیادہ سیاسی پہلو کارفرما تھا۔ ان کے قتل کے بعد یہ حقیقت بھی سامنے آگئی کہ ان کو قتل کر کے اسلامی انقلاب کے دشمن، ان مفکرین کو بھی دہشت زدہ کرنا چاہتے تھے جو اسلام کے مقابلہ میں آنے والے مختلف مکا تب فکر کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتے ہیں اور موثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ قاضی طباطبائی، آیت اللہ بہشتی جیسے بے مثال جدوجہد کرنے والے شیعہ وسنی علماء کے قتل کی پیہم سازشیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ دشمنان اسلام سب سے زیادہ اسلامی مفکروں کے افکار سے خائف ہیں۔ دیگر خونی واقعات میں پاسدارانِ کے کارکنان کا قتل عام بھی انقلاب اسلامی ناکام بنانے کی خطرناک سازش تھی۔ اس دوران امریکی ایجنٹوں نے پاسداران انقلاب کے کئی کارکنان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ امام خمینی اپنے وصیت نامہ کے صفحہ نمبر ۶۸ میں لکھتے ہیں:

''دہشت گردی، بم دھماکے اور بے بنیاد اور بے سروپا کے جھوٹے پروپیگنڈوں سے ایک فداکار قوم کو اس کے راستے سے نہیں ہٹایا جاسکتا۔ کسی بھی حکومت کو ان غیر انسانی اور غیر منطقی طریقوں سے اقتدار سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ خاص طور سے ایرانی قوم جیسی قوم جس کے کمسن بچوں سے لے کر سن رسیدہ مرد اور بوڑھی عورتیں سبھی اسلامی جمہوریہ، قرآن کریم، مذہب اور مقصد کی راہ میں فداکاری وجانثاری کر رہے ہیں۔''

بلاشبہ شخصیتوں کا قتل انقلاب کو آگے بڑھنے سے روک نہیں سکا۔ ایران کے اسلامی انقلاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ انقلاب شخصیت پر منحصر نہیں ہے بلکہ قوم کے ہر فرد سے متعلق ہے۔ لہٰذا شخصیات کا قتل انہیں مایوس نہیں کر سکا بلکہ ایرانی قوم نے جس راستہ کو اختیار کیا تھا اسی پر ثابت قدم رہے۔

امریکہ نے ساری دنیا میں وسیع پیمانہ پر اسلامی انقلاب کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا اور اس نے دیکھا کہ ایران بالکل جھکنے کے لئے تیار نہیں ہے تو اقتصادی بائیکاٹ کا سہارا لیا۔ ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو دنیا کے تمام بینکوں میں موجود ایرانی سرمایہ کو بین الاقوامی سطح پر منجمد کرنے کے احکامات جاری کر دیئے۔ مگر ان اقدامات کے بعد بھی ایران سر تسلیم خم کرنے پر راضی نہ ہوا تو امریکہ نے براہِ راست ایران میں فوجی مداخلت کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۲۵ر اپریل ۱۹۸۱ء کو جمعہ کے دن ۱۸ لڑاکا طیارے اور ہیلی کاپٹروں کے ساتھ جن میں ۳ ہزار حملہ آور فوجیوں کی گنجائش تھی۔ اپنے یرغمالیوں کو بازیاب کرانے کی غرض سے ایران پر حملہ آور ہوا۔ یہ لڑاکا طیارے اور ہیلی کاپٹر جن میں مضبوط قسم کی موٹر سائیکلیں، فوجی جیپ اور بہت سی توپیں اور بندوقیں تھیں، ایران کے دور افتادہ مشرقی ریگستانی شہر طبس کے مضافات میں اتارے گئے تا کہ بعد کی کاروائیاں وہاں سے شروع کی جاسکیں مگر عجیب اتفاق یہ ہے کہ یہ لڑاکا طیارے اور ہیلی کاپٹر غیر متوقع طور پر بیکار ہو گئے اور چھ ہیلی کاپٹر اور ایک لڑاکا طیارہ کے علاوہ باقی طیارے

اور ہیلی کاپٹر تیزی کے ساتھ ایران کی سرزمین چھوڑ کر پرواز کر گئے۔ باقی ماندہ چھ ہیلی کاپٹر اور ایک لڑاکا طیارہ جو ۱۵۰ ایم یم قطر کے دھانے والی توپوں سے مزین تھے اور چھ موٹر سائیکلیں طبس کے مضافاتی میدانوں میں تباہ شدہ حالت میں پائے گئے۔ اس طرح امریکہ کی اتنی بڑی سازش بھی ناکام ہوگئی۔

واقعہ طبس کے بعد بھی امریکہ اسلامی انقلاب کے خلاف سازشوں سے باز نہ آیا۔ ایران سے مفرور ایجنٹ اور ایرانی فوج کے کچھ افسران کو دام فریب میں لا کر فوجی انقلاب کا مکمل منصوبہ ترتیب دے دیا۔ چنانچہ اس منصوبے کی تکمیل کیلئے بختیار کا انتخاب کیا گیا۔ بھاری امداد کی فراہمی کے ساتھ ہر طرح کے وسائل بختیار کو فراہم کئے گئے۔ تاہم پاسدارانِ انقلاب کی بروقت کاروائی نے اس منصوبے کو مکمل ہونے نہ دیا۔ ۱۰ رجولائی ۱۹۸۱ء کو پاسدارانِ انقلاب نے بغاوت سے چند لمحے قبل سازش میں ملوث تمام لوگوں کو گرفتار کرلیا۔ باغیوں کے اہم اہداف میں تہران کے اہم مراکز اور قم میں امام خمینی کی رہائش گاہ تھی۔ جبکہ ان باغیوں کا مرکز ہمدان میں واقع فضائیہ کی چھاونی ''نوژہ'' تھی جہاں سے یہ باغی بمباری کر کے اپنے منصوبے کی تکمیل چاہتے تھے جس کا مقصد ملک میں سوشلسٹ نظامِ حکومت قائم کرنا تھا۔

نوژہ بغاوت کی ناکامی کے بعد امریکہ کچھ دنوں تک ایک میانہ رو حکومت کے قیام کے انتظار میں رہا۔ مغربی رجحان رکھنے والی حکومت کی تشکیل کے لئے اس کی ساری امیدیں بنی صدر سے بندھی تھیں۔ بنی صدر نے ہر چند کوشش کی کہ ایسی حکومت قائم ہو سکے جس کا رجحان امریکہ کی طرف ہو مگر کامیاب نہ ہو سکی اور اسلامی پارلیمنٹ نے جن کی بھاری اکثریت اسلامی انقلاب کے وفاداروں اور امام خمینی کے فدائیں کی تھی۔ نے محمد علی رجائی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ محمد علی رجائی بنی صدر کے مقابل سمجھے جاتے تھے اور انقلاب کے اسلامی حقیقت کے قائل تھے۔ ان کی حکومت بنتے ہی امریکہ کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ امریکہ نے بنی صدر اور امریکی ایجنٹوں کے ساتھ ہمنوا ہو کر اسلامی انقلاب کے خلاف شدید تر حملے کا آغاز کر دیا۔

امریکہ منتخب ایرانی پارلیمنٹ کے اس اقدام سے اس قدر بوکھلا گیا کہ نئی حکومت کے قیام کے چند دن بعد ہی ۲۲ ستمبر ۱۹۸۰ء کو عراقی بعثی حکومت کے ذریعے ایران پر حملہ کروا دیا۔ اس سے قبل بھی ایران میں ایک ''میانہ رو'' حکومت قائم نہ کرنے پر بطور وارننگ امریکہ کے حکم سے بعثی حکومت ایران کی جنوبی اور مغربی سرحدوں پر جا بجا حملے کر چکی تھی مگر ۲۲ ستمبر ۱۹۸۰ء کا حملہ بہت شدید تھا۔ یعنی حکومت کی بحری اور زمینی فوج نے ایران کے مغرب و جنوب پر زبردست حملہ کیا اور اس کے کئی لڑاکا طیاروں نے ایران کے فوجی ہوائی اڈوں پر حملے کے ساتھ ساتھ تہران پر بھی حملہ کئے گئے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ جنگ میں عراق کی پشت پناہی امریکہ کے علاوہ خلیج کی عرب

ریاستوں جس میں سعودی عرب بھی شامل تھا سمیت روس، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور جاپان کی افواج کر رہی تھی۔(۳۲) ایران نے پھر بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا یہ۔ تباہ کن جنگ تقریباً آٹھ سال جاری رہی۔ اس طرح دو اسلامی ملکوں کی فوجی طاقتیں جنہیں متحد ہو کر صہیونیوں کے خلاف لڑنا چاہیے تھا آپس میں ہی دست گریباں ہو گئیں۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ ایران کا اسلامی جمہوری نظام پر عرب قومیت کے دفاع کے بہانے صدام حسین حملہ آور ہوتا ہے اور خود خوزیستان میں ہزاروں عرب کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے۔(۳۳)

عراقی حکومت نے امریکہ کے مفاد کی خاطر ایران کے شہروں، ہسپتالوں، مسجدوں، مدرسوں اور رہائشی مکانوں اور نہتے عوام پر بے دریغ ہوائی اور میزائلی حملے کئے مگر ایرانی فوج نے عراقی عوام پر ایک گولی بھی نہیں چلائی۔ اس طرح اسلامی ملک ہونے کا ثبوت دیا۔ دوسری جانب عراقی عوام گرنے والے ایرانی پائلٹوں کو پناہ دے رہے تھے اور انہیں خفیہ طور پر ایران واپس کر رہے تھے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عراقی عوام صدام حسین اور اس کی صیہونی حکومت کے خلاف تھے۔

۳/جولائی ۱۹۸۸ء کو امریکی بحریہ نے ایک ایرانی مسافر بردار طیارہ مار گرایا جس میں سوار ۲۹۰ افراد جاں بحق ہو گئے۔(۳۴) اس وقت عالمی، علاقائی، سیاسی اور عسکری حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہاشمی رفسنجانی نے امام خمینی کو جنگ بندی پر مبنی اقوام متحدہ کی قرارداد ۵۹۸ کو قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ باہمی مشاورت کے نتیجے میں امام خمینی جنگ بندی پر راضی ہو گئے اور امام خمینی کی طرف سے رضامندی کے اظہار کے بعد آٹھ سال تک جاری رہنے والی یہ جنگ اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئی۔(۳۵) اقوام متحدہ کی کوششوں سے ۲۰/اگست ۱۹۸۸ کو ایران عراق جنگ باضابطہ طور پر ختم ہو گئی۔ اس جنگ میں فریقین کے دس لاکھ افراد ہلاک ہوئے اور بیس لاکھ زخمی ہو کر ہمیشہ کے لئے معذور ہو گئے۔ دونوں ممالک کے بہت سے شہروں کو اس جنگ میں ہونے والے ہوائی، بری اور بحری حملوں نے کھنڈرات میں بدل دیا اور خلیج میں جہاز رانی ناممکن ہو گئی۔ دونوں ممالک معاشی اور اقتصادی طور پر بے حال ہو گئے اس جنگ کے آخر میں نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ بچوں سے بھی فوجی خدمات لی گئی تھی۔(۳۶)

بنی صدر، صدارت کے عہدے سے معزول ہونے کے بعد کچھ دنوں تک ایران میں پوشیدہ رہا۔ آخر میں ۲۹/جولائی ۱۹۸۱ء کو مجاہدین خلق (۞) کے لیڈر مسعود رجوی کے ہمراہ پیرس فرار ہو گیا۔ امام خمینی اور اسلامی

۞ مجاہدین خلق مفہوم کے لحاظ سے "لوگوں کیلئے لڑنے والے" ہیں لیکن حقیقت میں ایرانی عوام کی سیاسی تاریخ میں "مجاہدین خلق" ایک چھاپہ مار گروہ کا نام ہے جو ۱۳۴۴ش بمطابق ۱۹۶۵ء میں شہنشاہ ایران سے مقابلے کیلئے قائم ہوا۔ اس تنظیم نے اس کے لیڈروں کی مکتب اسلام کے تمام اصولوں اور تعلیمات سے عدم واقفیت کی وجہ سے اقتباسی آئیڈیالوجی کا انتخاب کیا اور یہ اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ایک مختصر سی مدت میں انقلاب اور اس کی قوتوں کے مقابلے میں قرار پائی اور اس نے لوگوں خدمت گزاروں، علماء، ہمدرد افراد اور جوانوں کی ایک بھاری تعداد کو قتل کر دیا۔ اس نے پورے ملک میں دسیوں بم دھماکوں، مکانوں اور لوگوں سے بھری بسوں کو آگ لگا کر خون کی ندی بہا دی۔

پارلیمنٹ کا بنی صدر کو کمانڈر انچیف اور صدارت کے عہدے سے معزول کرنے کا اقدام نہ صرف قانونی اقدام تھا بلکہ اس اقدام کو ایرانی عوام کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔ چنانچہ بنی صدر کے معزول ہونے پر عوام نے اس طرح خوشی کا اظہار کیا جس طرح شاہ کے فرار ہونے پر خوشیاں منائی تھیں۔ عوام کے خیال میں بنی صدر حق اور اسلامی انقلاب کا لبادہ اوڑھ کر ایران کو دوبارہ امریکہ کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ امریکی ایجنٹوں کی کاروائیوں کے باوجود ۲۴ر جولائی ۱۹۸۱ء کو سابقہ انتخابات کے مقابلہ کہیں زیادہ جوش وخروش کے ساتھ صدر جمہوریہ کے چناؤ کے لئے لوگوں نے ووٹ ڈالے اور محمد علی رجائی کو ایک کروڑ تیس لاکھ سے زیادہ ووٹ دیکر صدر جمہوریہ منتخب کیا جبکہ بنی صدر کو ایک کروڑ پانچ لاکھ ووٹ ملے تھے۔ بنی صدر کی قیادت میں جو دستہ اور گروہ اسلامی انقلاب کے خلاف کاروائی میں مصروف تھا اس کے متعلق یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایران میں اس کی اصلی محرک ''مجاہدین خلق'' نامی تنظیم تھی اور ایران سے باہر اس کا ہدایت کار امریکہ تھا۔ ان کے درمیان بنی صدر صرف ایک کار آلہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بنی صدر کی معزولی سے خود بنی صدر اور امریکہ کے مفاد کو جو نقصان پہنچا اس سے کہیں زیادہ مجاہدین خلق اور دوسری اس سے وابستہ سیاسی پارٹیوں کو پہنچا۔ بنی صدر کی معزولی سے ان کا ایسا مضبوط اور بنیادی سہارا جاتا رہا جس کے ذریعہ وہ قانون کے دائرے میں رہ کر انقلاب کو خاطر خواہ نقصان پہنچا سکتی تھیں۔ چنانچہ وہ بنی صدر کی معزولی کی تاب نہ لا کر حکومت کے ذمہ داروں کو موت کے گھاٹ اتارا اور حکومت اسلامی کے پرچم کو سرنگوں کرنے جیسے گھناؤنے عمل کی مرتکب ہوئیں۔ ان سیاسی جماعتوں نے صدر کی تائید سے حکومت کے ذمہ داروں کو ختم کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا وہ درحقیقت ایک ایسی بغاوت تھی جو امریکی مفاد کی صورت میں ظاہر ہونے والی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان امریکی ایجنٹوں نے اسلامی انقلاب کی پہلی کابینہ کی میٹنگ میں دھماکہ کیا۔ دھماکہ کرنے والوں نے یہ سوچا تھا کہ حزب جمہوری اسلامی کی میٹنگ میں چیف جسٹس آیت اللہ بہشتی کے علاوہ وزیر اعظم محمد علی رجائی، اسلامی پارلیمنٹ کے اسپیکر ہاشمی رفسنجانی اور پارلیمنٹ کے دوسرے ممبران بھی کثیر تعداد میں شریک ہونگے جن کے قتل کے بعد پارلیمنٹ سے ان کی اکثریت ختم ہو جائے گی جس کے نتیجہ میں ملک کے اہم اور بنیادی ادارے مفلوج ہو جائیں گے اور بغاوت کرنے والے ملک کے حالات پر آسانی کے ساتھ قابو پا سکیں گے۔ اس سازش کے علاوہ باغیوں نے ۲۹ر جون ملک کے اہم اداروں اور انقلابی عدالتوں اعلیٰ عہدیداروں کو قتل کرنے اور سپاہ پاسداران کے مرکزوں پر حملہ کرنے کا بھی منصوبہ بنایا تھا مگر اس بار حزب جمہوری اسلامی کی میٹنگ میں وزیر اعظم شریک نہ ہو سکے اور پارلیمنٹ کے اسپیکر نیز بہت سے ممبران بھی اس میٹنگ میں شریک نہ ہو سکے اور اس طرح پارلیمنٹ کی اکثریت ان کی سازش سے محفوظ رہی۔ ۲۸ر جون کے دھماکے میں آیت اللہ بہشتی جیسی مفکر شخصیت کے علاوہ اسلامی انقلاب کے ۷۲ افراد

قتل ہوگئے۔اس واقعے نے ایران کو احساس دلایا کہ انہیں اسلامی انقلاب کے دشمنوں کے مقابلہ میں پہلے سے زیادہ متحد اور ثابت قدم رہنے کی ضرورت ہے۔

مسلسل ناکامیوں کے بعد امریکی ایجنٹوں نے اسلامی انقلاب کی شیدائی قوم کو منحرف کرنے کیلئے ایک تیسری کوشش شروع کردی۔اس سلسلے میں سازش کے تحت یہ الزام لگایا کہ ایران اسرائیل سے اسلحہ حاصل کر کے عراق کے خلاف استعمال کر رہا ہے یہ الزام ایسے حالات میں لگایا گیا جب ایران نے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے ساتھ ہی اسرائیل کو تیل دینا بند کر دیا تھا۔ایران میں اسرائیل سفارتخانے کو فلسطینی سفارتخانہ میں تبدیل کر دیا تھا فلسطینیوں اور لبنانیوں کی حمایت میں اسرائیل کی حکومت کے خلاف نعرۂ جنگ بلند کر کے ہر سال جمعۃ الوداع کو ''یوم القدس'' قرار دیا تھا تا کہ دنیا کے کونے کونے کے مسلمان اس دن مظاہرے کریں، جلوس نکالیں اور اس طرح متحد ہو کر اسرائیل کے خلاف ایسی جنگ کے لئے زمین ہموار کریں جو اسلامی ممالک کے پیکر سے ہمیشہ کے لئے اسرائیل کو جڑ سے ختم کر دے۔امریکہ اور اس کے ایجنٹوں کا ایسے وقت میں مذکورہ بالا الزام لگانا اور اس کے علاوہ یہ کہنا کہ عراق کے صدر صدام اسرائیل سے مدد کی بھیک مانگ رہا ہے اور اسرائیلی طیارے عراق کے ایٹمی اداروں پر صدام کی ساز باز سے بمباری بھی کر رہے تھے تا کہ صدام اسرائیل کی حمایت کی تہمت سے محفوظ رہے اور زیادہ مضحکہ خیز ہے۔بہرحال یہ ایسی سازشیں تھیں جن کے ذریعے وہ اسلامی انقلاب کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہتے تھے۔(۳۷) بنی صدر کے معزول کے بعد ۱۹۸۰ء کو ایران میں دوبارہ صدارتی انتخابات ہوئے۔بالآخر ۳۰ راگست ۱۹۸۰ء کو محمد علی رجائی صدر منتخب ہوئے۔صدر رجائی، وزیر اعظم ڈاکٹر محمد جواد باہنر کے ہمراہ اپنے دفتر میں رکھے ہوئے بم دھماکے میں جاں بحق ہوئے۔

تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات اور ان کی روک تھام:

سیا''CIA'' و''موساد'' جیسی جاسوسی تنظیموں نے تجزیہ و تحلیل کے وقت ہمیشہ فراموش کیا ہے کہ یہ اسلامی انقلاب خود ایرانی عوام ہی کا لایا ہوا ہے اور یہ اسلامی حکومت انہیں کی بنائی ہوئی ہے بہرحال اگست ۱۹۸۱ء کے تیسرے ہفتے میں وائس آف امریکہ نے اعلان کیا کہ تہران میں فلسطینی سفارت خانہ کی عمارت، جو شاہی حکومت کے زمانے میں فلسطینیوں کے ہاتھوں میں تھی جمہوری اسلامی ایران نے فلسطین کی تنظیم آزادی سے واپس لے لی ہے۔چنانچہ اس خبر کے شائع ہوتے ہی فلسطینی سفارت خانہ اور جمہوری اسلامی ایران کی طرف سے اس کی سخت تردید کی گئی اور لیبیا، شام اور فلسطین کی تنظیم آزادی کے سفیروں نے تہران میں جدا جدا انٹرویو دیا اور صاف الفاظ میں کہا کہ ایسے پروپیگنڈوں سے دشمن کا مقصد صرف اسلامی انقلاب کے چہرے کو بدنما کرنا ہے۔اسی زمانہ میں بنی

صدر نے بھی ایک انٹرویو میں کہا کہ ایران نے عراق سے لڑنے کے لئے اسرائیل سے اسلحہ خریدا ہے۔ بنی صدر نے یہ انٹرویو پیرس میں دیا جہاں وہ امریکہ کی ایجنٹ تنظیم ''مجاہدین خلق'' کے سربراہ مسعودی رجوی کے ساتھ پناہ گزین تھے۔ دلچسپ بات ہے کہ بنی صدر یہ فراموش کربیٹھا کہ اگر اسرائیل سے ایسا کوئی معاملہ ہوتا تو جس وقت عراق نے ایران پر حملہ کیا تھا تو اس وقت اور اس کے ۹ ماہ بعد تک کمانڈر انچیف کا عہدہ اسی کے ہاتھ میں تھا اس کی تائید کے بغیر تو یہ معاملہ نہیں ہوسکتا تھا۔ اس دور میں جمہوری اسلامی ایران کے خلاف بنی صدر کے انٹرویوں کا اتنا زور تھا کہ ان کے لئے امریکہ نے ٹی وی پر ایک گھنٹے کا پروگرام ہی مخصوص کر دیا تھا کہ امریکی عوام کو یہ اچھی طرح یقین ہوجائے کہ ایران نے اسرائیل سے اسلحہ خریدا ہے۔

امریکی ایجنٹوں نے ۳۰ / اگست ۱۹۸۱ء کو وزارت عظمیٰ کی عمارت کے ایک ایک کمرے میں دھماکہ خیز اور آتش گیر بم رکھ کر نئی سازش کا ایک اور حربہ استعمال کیا۔ اس حادثہ میں محمد علی رجائی صدر جمہوریہ، وزیر اعظم محمد جواد باہنر اور دو کارکن بری طرح جل گئے اور ان کی روحیں عالم بالا کی طرف پرواز کرگئیں۔ نیز فوج اور انتظامیہ کے کئی عہدیدار مجروح ہوئے۔ امریکہ کا خیال تھا کہ وہ صدر جمہوریہ، وزیر اعظم اور ملک کے چند ذمہ داروں کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ بغاوت کرانے میں کامیاب ہوجائے گا۔ چنانچہ ۲۸ / جون ۱۹۸۱ء میں وقوع پذیر ہونے والے حادثہ کے نتیجے میں آیت اللہ بہشتی اور ان کے ۷۲ رفقاء کے قتل پر عوام نے جس جوش وخروش کے ساتھ مظاہرہ کیا تھا اس دفعہ بھی بڑھ چڑھ کر مظاہرے ہوئے اور عوام نے رہبر اسلامی انقلاب امام خمینی اور اسلامی انقلاب کے ذمہ دار افراد کو اپنی بھرپور حمایت کا یقین دلایا۔ نیز ''امریکہ مردہ باد'' کے فلک شگاف نعروں کے ذریعہ اپنے انقلابی شعور کو ثابت کر دیا۔ غرض ۳۰ / اگست کی امریکی بغاوت ناکام ہوگئی۔ ۳۰ / اگست ۱۹۸۱ء کے حادثہ کے بعد مخالفین اسلامی انقلاب کے سرغنہ جو ایران سے دوسرے ملکوں میں فرار کر چکے تھے اس امید میں تھے کہ وہ دوبارہ ایران پلٹ کر اپنی پسند کی حکومت قائم کر لیں گے بنی صدر نے تو فوجیوں کے نام ایک پیغام بھی بھیجا تھا اور ان سے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ شاہی حکومت کے فراری افسروں سے وابستہ ہوجائیں جو ملک کے باہر اسلامی انقلاب کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ مگر بنی صدر، بختیار اور مسعود رجوی جیسے دوسرے فراری ایران سے دور ہو کر ایران سے فکری جدائی اختیار کر چکے تھے۔ اب وہ اسلامی انقلاب کو ناکام بنانے میں ناامید ہو گئے۔ اور انقلابیوں کے بقول ''صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم کی شہادت یقیناً ملک، قوم اور اسلامی انقلاب کے لئے ایک عظیم سانحہ تھا مگر دشمنان اسلام کی امیدوں کے خلاف ان کے ایک ایک قطرہ خون نے اسلامی انقلاب کو نئی زندگی اور تابندگی بخشی اور الٰہی تحریک کو کامیابی کی آخری منزلوں تک پہنچانے کا سامان فراہم کر دیا۔ (۳۸)

آج ایران میں اسلامی حکومت کے وجود میں آئے ہوئے تین عشرے سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے۔ یہ ہزاروں انسانوں کے خون اور ان کی فداکاریوں سے حاصل ہوئی ہے۔ اس کے وجود میں آنے کا سبب عوام تھے۔ لیکن ان سب کا محور دین اسلام سے محبت تھی۔ لہٰذا اس کی بقاء اسی وقت ممکن ہے جب عوام کے اندر مذہبی بیداری پائی جائے۔ اگر اس معاشرے کے لوگ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی عقائد کو بھلا دیں یا اس سے منحرف ہو جائیں یا اسلام کے بنیادی اصولوں کو بھول جائیں اور دین سے منحرف ہو جائیں تو ایسی صورت میں اسلامی حکومت کے ستون کمزور پڑ جائیں گے اور اس کی بقاء کی کوئی ضمانت نہیں رہ جائے گی۔

انقلابی ادارے:

شہنشاہی حکومت کے زیرنگیں رہتے ہوئے ایرانی معاشرہ جن بحرانوں سے پنجہ آزما تھا ان میں سے ایک فوجی، ادارتی اور انتظامی ڈھانچہ تھا جو کسی طرح بھی اسلامی انقلاب کی خدمت نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی اپنے کو انقلاب سے ہم آہنگ کر سکتا تھا۔ اس لئے انقلاب کے بعد امام خمینی نے مختلف میدانوں میں عوامی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے انقلابی اداروں کی تشکیل کی طرف توجہ دی ان اداروں میں انقلابی کمیٹیاں، انقلابی عدالتیں، سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی، جہاد سازندگی (تعمیری جہاد)، سازمان بسیج (رضاکار)، بنیاد مستضعفان، بنیاد شہید نہضت سوادآموزی جیسے ادارے شامل تھے۔ ذیل میں ہم ان اداروں کی تفصیلی وضاحت پیش کرتے ہیں:

ا۔ انقلابی کمیٹیاں: ایرانی پارلیمنٹ نے ۲۵ مئی ۱۹۸۶ء میں اسلامی انقلاب کی کمیٹی کا منشور پاس کیا۔ اس منشور کے تحت اسلامی انقلاب کی سب سے بڑی ذمہ داری ملک میں امن وامان کو باقی رکھنا، غلط اور برے عناصر کی پاکسازی کرنا ہے، ساتھ ہی یہ بھی مقرر کیا گیا کہ یہ کمیٹیاں وزیر داخلہ کے زیرنظر ڈیوٹی انجام دیتے رہیں اور اس وزارت پر لازم ہے کہ وہ ایک منشور تیار کرے اور بعد ازاں منظوری کیلئے پارلیمنٹ میں پیش کرے۔ اس کمیٹی کے پہلے سربراہ آیت اللہ مہدوی تھے ان کے استعفیٰ دینے کے بعد امام خمینی نے علی اکبر ناطق نوری کو اسلامی انقلاب کی کمیٹیوں کا سربراہ مقرر کیا۔ (۳۹)

۲۔ انقلابی عدالتیں: پہلوی دورِ حکومت میں ایران کا عدالتی محکمہ جو صرف شاہی منشاء کے مطابق کام کرتا تھا جسے عدالتی آزادی بالکل نہ تھی، حقوق دانوں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو ''جمعیت حقوق بشر'' کے ماتحت زیادہ تر شرق وغرب کے سرمایہ داروں کی حمایت اور ان کے دفاع کے لئے کام کرتا تھا۔ اسی ادارے کا ایک اہم رکن حسن نزیہ بھی تھا۔ یہ شخص ''نہضت آزادی ایران'' کی مرکزی کمیٹی کا بھی رکن تھا۔ عارضی حکومت میں یہ شخص ''ایران آئیل کمپنی'' کا ڈائریکٹر مقرر کر دیا گیا۔ اس نے کمپنی میں کام کرنے والے ان امریکیوں کی تنخواہیں برابر جاری رکھیں جو انقلاب

کی کامیابی سے پہلے ہی امریکہ بھاگ گئے تھے۔ جب حسن نزیہ جیسے لوگ جو بظاہر پہلوی حکومت کے مخالفین میں انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد اور ایران سے امریکہ کے چلے جانے کے بعد امریکی مفادات کا زبردست حامی تھا تو اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں دوسرے حقوق دانوں کا کیا حال رہا ہوگا۔ لہٰذا یہ عدالتیں قطعی طور پر شاہی حکومت کے بڑے بڑے مجرموں کو کٹہرے میں کھڑا نہیں کر سکتی تھیں اور انقلابی حالت میں ملک کی عدالتی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ عدلیہ میں کام کرنے والے شاہی دور کے بہت سے ایسے افراد بھی تھے جن کو اصولی طور پر عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرنا ضروری تھا اور انہیں سزا بھی لازمی تھی کیونکہ انہیں لوگوں کی خاموشی سے مظالم کے لئے شاہی حکومت کے ہاتھ کھلے ہوئے تھے انہیں وجوہات کی وجہ سے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ہی انقلابی کمیٹیوں کے ساتھ ساتھ انقلابی عدالتوں کا قیام بھی عمل میں آیا۔

ان عدالتوں نے اسلامی احکام کی بنیاد پر انقلابی طریقے سے پہلوی حکومت کے فوجی افسروں کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا اور جو لوگ جرائم میں ملوث پائے انہیں تختہ دار پر چڑھانے کے لئے اقدام کیا۔ امیر عباس ہویدا جو شاہ کے تشدد آمیز دور میں ۱۳ سال تک وزیر اعظم رہا ساواک کا ڈائریکٹر جنرل نصیری اور دوسرے چند فوجی افسر جن میں سے ہر ایک ہزاروں عوام کے قتل کا سبب تھا اور اسی طرح چند بڑے سرمایہ دار جو امریکہ سے ایران کی وابستگی کا باعث تھے، ایسے جرائم پیشہ لوگوں کو بروقت سزائیں دی گئیں۔ یہاں اس نکتے کی طرف اشارہ کر دینا مناسب ہوگا کہ موجودہ عدالتی صورت حال یہ ہے کہ آج ایران میں قیدیوں کو سوائے راہ فرار اختیار کرنے کے ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔ بہت سے قیدی دن میں ایک مرتبہ اپنی شریک حیات سے ملاقات کر سکتے ہیں اور اپنی جنسی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ انقلاب کی کامیابی کے بعد رہبر انقلاب امام خمینی کے حکم سے انقلابی عدالتیں وجود میں آئیں اور انقلابی کونسل کی منظوری کے بعد اپنے فرائض انجام دینے لگیں۔ بعد میں اسلامی پارلیمنٹ نے ایک قانون کی حیثیت سے اس کی منظوری دیدی جس کی رو سے یہ (انقلابی عدالتیں) ملک کے عدالتی ادارے کے ایک شعبے کی حیثیت سے اپنے خاص اختیارات کے ساتھ قانونی طور پر انقلابی امور سے متعلق کام کرتی ہیں۔

۳۔ سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی: امام خمینی سمجھتے تھے کہ فوج کے محکمے میں بہت سے افسر موجود ہیں جن میں انقلابی جوش و ہمت نہیں پائی جاتی اور فوج میں بیوروکریسی سسٹم رائج تھا جب تک فوجی سسٹم اور فوجی افسروں کے نظریات میں مکمل تبدیلی نہ آجائے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ یہ فوج ایک انقلابی لشکر کا کردار ادا کر سکے گی اور انقلاب کے تقاضوں کو پورا کر سکے گی اس چیز کے پیش نظر مارچ ۱۹۷۹ء میں انقلاب کی کامیابی کے تھوڑے ہی دنوں بعد

سپاہ پاسداران کی تشکیل کی گئی۔ ان پاسداران نے فوجی جذبات اور انقلاب کے مخالفین کے ساتھ مقابلہ کرنے کے علاوہ انقلابی عدالتوں کے لئے قوت بازو کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ ملک کی آزادی اور بیرونی جارحیت پسندوں کے مقابلہ میں بھی فوج کی مدد کے لئے ثابت قدمی سے آگے بڑھے۔

انقلاب کی کامیابی کو ایک مہینے کا بھی عرصہ نہیں گزرا تھا کہ انقلاب مخالف گروہ نے امریکہ کی شہ پر صوبہ کردستان میں دہشت گردی اور خونریزی شروع کردی۔ اسی وقت پاسداران کے چند جوان جو اپنے فوجی بھائیوں ہمراہ لے کر کردستان پہنچے اور مخالفین انقلاب کی بڑی سازش کو ناکام بنایا۔

سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کی سرگرمیاں اتنی اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کے متعلق امام خمینی کا یہ مشہور جملہ ہے کہ "اگر سپاہ نبود کشور ہم نبود"

امام خمینی نے محسن رضائی کو سپاہ پاسداران اسلامی انقلاب کا سربراہ مقرر کرتے ہوئے کہا:

"میں آپ کو سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کا سربراہ مقرر کرتا ہوں تا کہ مکمل فرض شناسی اور ذمے داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیں اور دوسری مسلح افواج سے باہمی روابط رکھنے میں پوری توجہ دیں۔" (۴۰)

امام خمینی نے شیخ عبداللہ نوری کو سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کا نمائندہ مقرر کرتے وقت ان کے سپاہ میں موجود جوانوں کے فرائض کو یوں بیان کیا:

(الف) قانون میں جو فرائض آپ کے ذمہ قرار دیئے گئے ہیں ان کی پابندی کریں اور کسی بھی صورت میں ان سے چشم پوشی نہ کریں۔

(ب) سپاہ پاسداران میں آپ سول، عسکری اور وزارت سپاہ سب میرے نمائندے ہیں اس لئے تمام ثقافتی، عقیدتی، سیاسی اور فکری امور اور تبلیغاتی اور نشریاتی سرگرمیاں اور اطلاعات کی حفاظت اور قانونی مسائل آپ کے زیرِنظر ہیں۔ آپ ان تمام امور کے سلسلے میں رہنمائی کی ذمہ داری انجام دیں۔

(ج) سپاہ میں میرے تمام فرزند کمانڈر اور دوسرے افراد ہمارے محترم نمائندے کے ساتھ ضروری ہم آہنگی رکھتے تھے اور رکھتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کا نوٹس لیا جائے گا۔

(د) امدادی کمیٹیاں: شاہی دور میں ایرانی عوام فقر و افلاس اور محرومیت کی زندگی گزارتے تھے حالانکہ ایرانی سرزمین معدنیات اور قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ امام خمینی نے سابقہ صورت حال کو مدنظر رکھ کر ذمہ داران کو ہدایات جاری کردیں کہ غربت سے تنگ افراد کی خوشحالی کیلئے ہنگامی بنیادوں پر اقدامات کئے جائیں۔ اس سلسلے

میں معاشی کمیٹیوں کا قیام عمل میں آیا۔ ان کمیٹیوں کی ذمہ داری تھی کہ وہ عوام کو بلا سود قرضوں کی فراہمی کیلئے حکمت عملی وضع کریں۔ چنانچہ تہران میں ایک ادارہ ''کمیتہ امداد امام خمینی'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ بعد از اں بتدریج اس ادارے کی مختلف شاخیں بھی وجود میں آگئیں اب یہ امدادی کمیٹیاں محروم ترین افراد کو قرضہ دیتی ہیں۔ اولین قدم کے طور پر ان کمیٹیوں نے ۱۱۳۹۱۹ افراد کو ۴۴۱۸۴۰۰۰ ریال قرضہ بلا سود فراہم کیا۔

۵۔ جہاد سازندگی: پہلوی دور حکومت کی بھرپور کوشش فقط شہروں کو بارونق بنانے کی تھی خصوصاً ایسے شہر جہاں لوگ سیر و سیاحت کے لئے آتے تھے یا ایسی شاہراہوں پر آباد تھے جہاں سے سیاحوں کا گزر رہتا تھا۔ تاکہ دنیا کے سامنے ان کی ترقی کا پہلو سامنے آسکے۔ جبکہ دیہی علاقوں کے رہنے والے محرومیت اور فقر و افلاس کی زندگی بسر کر رہے تھے حتیٰ کہ علاج و معالجہ کے لئے بھی کوئی انتظام نہ تھا خود تہران کے جنوبی علاقے میں رہنے والے بہت سے ایسے خاندان تھے جو بجلی، پانی اور زندگی کی دیگر ضروریات سے محروم تھے۔ دیہاتوں کی آباد کاری اور تعمیر و ترقی نیز پس ماندہ علاقوں کی خدمت کے لئے امام خمینی کے حکم سے ''جہاد سازندگی'' کے نام سے ایک جدید ادارہ (۱۹۷۹ء) قائم ہوا۔ اس ادارے کی سرگرمیوں میں آباد کاری کے منصوبے تیار کرنا، لوگوں کے استعمال رہائش اور عام فائدے کیلئے ضروری جگہ تعمیر کرنا مثلاً حمام، ڈسپنسریاں اور مساجد بنانا ان کی مرمت کرنا، دیہی رابطہ سڑکیں بنانا، آب نوشی کے پائپ لائن بچھانا اور آب رسانی کے کام کرنا، دیہاتوں میں بجلی پہنچانا، پانی کیلئے کنویں کھودنا، ڈیم بنانا، کاشت کاری کے وسائل مہیا کرنا، بیج، کھاد اور کیڑے مار دوائیاں، حیوانات کیلئے چارہ اور دواؤں کی تقسیم، حفظان صحت پر عمل کروانا اور دیہاتی ماحول کو بہتر بنانا، اسی طرح علاج و معالجے کی سہولتیں مہیا کرنا شامل ہیں۔ (۴۱)

اس ادارہ نے عوامی ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ اور آسودہ حال طبقے کو بھی اپنے اندر جذب کرنے میں کامیاب رول ادا کیا۔ تعلیم یافتہ جوان اور امور کے ماہرین اس ادارہ میں کم تنخواہ پر بڑے ایثار کے ساتھ کام کرنے لگے۔ ''جہاد سازندگی'' کی جو ابتدائی دو سالہ رپورٹ آئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ادارہ بھی انقلاب اسلامی کا ایک قوی ترین بازو ہے توقع کی جاتی ہے۔ یہ ادارہ دیہاتوں میں زندگی بسر کرنے والے ایرانیوں کو بہت جلد پریشانیوں سے نجات دلادے گا۔ جو اب تک عمرانی، طبی اور ثقافتی سہولتوں سے محروم رہے ہیں۔

۶۔ سازمان بسیج (رضا کار): رہبر اسلامی انقلاب کو خدشہ تھا کہ انقلاب کے دشمن بیرون ملک سے ایران پر حملہ کریں گے یا اندرون ملک ان بڑی طاقتوں کے جو ایجنٹ کام کر رہے ہیں ان کی طرف سے بھی ملک میں بدامنی پھیلاتے رہیں گے اسی چیز کے پیش نظر امام خمینی نے سازمانِ بسیج کا ادارہ قائم کرنے کا حکم دیا تاکہ ہر شہر اور ہر گاؤں کے لوگ نیز مختلف محکموں میں کام کرنے والے افراد کو فوجی ٹریننگ دی جاسکے اور ضرورت پڑنے پر ان کے

ذریعہ منظم طور پر لازمی اقدامات کئے جاسکیں۔

ابتداء میں سازمان بسیج خود ایک مستقل ادارہ تھا مگر ۱۹۸۰ء کے اواخر میں پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد یہ ادارہ سپاہ پاسداران انقلاب سے ملحق کر دیا گیا۔ بسیج کی چھوٹی چھوٹی شاخیں ہر شہر میں موجود ہیں۔ سازمانِ بسیج نے اب تک ہزاروں افراد کو جنگی تربیت فراہم کی ہے۔ حساس اور نازک وقت میں اس ادارے کا وجود ''انقلاب اسلامی'' کے لئے ایک پشت پناہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی حیثیت کے پیش نظر امام خمینی کہتے ہیں:

''رضا کار فورس اس پاک وطاہر اور پھل دار درخت کا نام ہے جس کی گنی شاخیں اتحاد، یقین اور عشق کے پھل دیتی ہیں۔ رضا کار فورس اس مدرسہ کا نام ہے جس کے ایسے شہید ہیں کہ جن کے ناموں تک کا پتہ نہیں چلتا۔ اپنے پیروکاروں کے گلدستہ شہادت کو سنبھالنے کی دعوت دے کر جاتے ہیں، رضا کار فورس معراج کی اس بلندی کا نام ہے کہ جہاں کے تربیت حاصل کئے جوانوں نے نام ونشان بے نام ونشانی میں پایا ہے۔ رضا کار فورس خدا کا مخلص لشکر ہے کہ جس میں اولین سے لے کر آخرین تک کے سارے مجاہد شامل ہیں۔ (۴۲)

امام خمینی یونیورسٹی اور مدرسوں کے طالب علموں کی رضا کار فورس کی ضرورت کو اس طرح دیکھتے ہیں:

> ''یونیورسٹی اور مدرسوں کے طلاب کو چاہئے کہ اپنی پوری طاقت سے انقلاب اور اسلام کا دفاع کریں اور ان مراکز کے ہمارے رضا کار فورس بچے اس اصول کی حفاظت کے سلسلے میں کہ (نہ مشرق نہ ہی مغرب) دوسری جگہوں سے زیادہ اتحاد اور یکجہتی کے محتاج ہیں۔ ہمارے انقلابی بچے امریکہ اور اس کے حامیوں کے ان حساس جگہوں میں گھسنے کی روک تھام کریں اور یہ صرف رضا کار فورس کی طاقت ہے جو اسے روک سکتی ہے اور رضا کار فورس کے اعتقادی مسائل کی ذمہ داری ان دونوں مراکز پر عائد ہوتی ہے یونیورسٹی اور حوزہ (مدرسہ) رضا کار فورس کے لئے حقیقی اور خالص اسلام پیش کریں۔'' (۴۳)

۷۔ بنیادِ مسکن: شاہی حکومت کے دور میں ایرانی عوام کے لئے ایک بڑی مشکل رہائشی مکان کی تھی خصوصاً محمد رضا شاہ کی حکومت کے آخری سالوں میں شاہی ایجنٹوں نے مغرب کی تقلید میں اور وہ بھی بیرونی کمپنیوں کے ذریعہ مکانات تعمیر کئے جو جغرافیائی حالات اور تہذیبی اعتبار سے ایرانی عوام کی ضروریات کیلئے مناسب نہیں تھے۔ دوسری طرف دیہاتی عوام کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ روز بروز محروم و بے بس ہوتے گئے یہاں تک کہ ''مکان سے بھی محروم ہو گئے جو ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ متوسط اور غریب طبقہ بے گھر تھا اور روز بروز اس کے فقر وافلاس میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔ انقلاب کی کامیابی کے ابتدائی زمانے میں ہی امام خمینی نے

ایک طرف مزدوروں اور غریبوں کے لئے پانی اور بجلی کے ٹیکس کو معاف کیا اور دوسری طرف عوام سے خواہش ظاہر کی وہ غریبوں کے لئے مکان کی تعمیر کے لئے جو فنڈ قائم کیا گیا ہے اس میں رقم جمع کریں۔ ان اقدامات کے ساتھ اسی زمانہ میں بنیاد مسکن کے نام سے ایک ادارہ امام خمینی کے حکم سے قائم ہوا۔ اس مقصد کے لئے جو فنڈ قائم کیا گیا تھا اس میں بڑی بڑی رقوم جمع کیں اور بنیاد مسکن نے دو سال کے اندر سے شہروں اور دیہاتوں کی ان زمینوں پر مکانات تعمیر کئے جو بیت المال سے تعلق رکھتی تھیں اور ان مکانوں کو ایسے لوگوں کو دیا جو مستحق تھے۔

۸۔ بنیادِ مستضعفان: شاہ ایران اور اس کے ساتھیوں نے عوام کی کمائی سے اپنے لئے محل بنائے۔ بڑی بڑی کمپنیاں کھولیں اور کارخانے ایجاد کئے نیز سیر و تفریح اور تجارت و زراعت کے مختلف مراکز قائم کئے جن سے ہونے والی آمدنی کا کچھ حصہ اپنی عیاشیوں میں صرف کرتے تھے اور زیادہ حصہ یورپ اور امریکہ کے بینکوں میں جمع کردیتے تھے تاکہ برے وقت میں ان کے کام آسکے۔ اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد یہ لوگ ملک سے فرار ہو گئے اصولی طور پر ان کی دولت بیت المال کے عنوان سے ملت ایران کے اختیار میں آ گئی۔ یہ دولت اتنی زیادہ تھی کہ ان کی وصولیابی کیلئے ایک جداگانہ ادارے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسی مقصد کے پیش نظر بنیاد مستضعفان کی تشکیل عمل میں آئی تاکہ اس دولت و ثروت کی سرپرستی کرسکے جو محل سے لے کر ہوٹل، باغ، کھیتی باڑی، کمپنی، کارخانہ اور اخبار تک پھیلی ہوئی تھی ''بنیاد مستضعفان'' ان املاک اور اداروں کے تحفظ کی ذمہ داری اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کو سماج کے کمزور اور محروم طبقہ کی فلاح و بہبود پر صرف کرتا ہے اس ادارہ کا شمار بھی انہیں اداروں میں ہوتا ہے جو معاشرے کے محروم لوگوں کی مدد کر رہے ہیں۔

۹۔ بنیادِ شہید: شہدا اور مجروحین کے خاندانوں کی دیکھ بال کے لئے امام خمینی کے حکم سے ایک ادارہ ''بنیاد شہید'' کے نام سے قائم کیا گیا ہے اس ادارے نے شہداء اور مجروحین کے خاندانوں کو اپنی سرپرستی میں لے لیا ہے یہ ادارہ ماہانہ رسالے ''شاہد'' کے نام سے شائع کرتا ہے جو شہداء اور مجروحین کے پسماندگان سے ثقافتی رابطہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ شہداء کے گھرانوں کو ''بنیاد شہید'' سے مالی امداد بھی دی جاتی ہے۔

۱۰۔ نہضت سواد آموزی: شاہی حکومت کے دور میں ایران کے اکثر عوام تعلیم کی نعمت سے محروم تھے ایسے حالات میں تمام درباریوں اور شاہی حکومت سے وابستہ لوگوں کے بچوں کے لئے ایران کے اسکول اور یونیورسٹیاں اس قابل نہ تھیں کہ وہ ان میں تعلیم حاصل کرتے۔ وہ یورپی اور امریکی ممالک میں تحصیل علم کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ جب ان کے لڑکے تعلیم ختم کرلیتے تھے تو بڑی طاقتیں جاسوسی کیلئے واپس ایران بھیج دیتی تھی۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد عوام کے ہر طبقے کے لئے تعلیم و تربیت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہو

ئے امام خمینی نے ۲۸ر دسمبر ۱۹۸۰ء کو ایک ادارہ بنام نہضت سواد آموزی کی تشکیل کا حکم دیا۔ اس ادارہ کے قیام کے بہت کم مدت میں تعلیم و تدریس کے میدان میں بڑی گرانقدر خدمات پائیں۔ (۴۴)

ان تمام اداروں نے بہت مختصر عرصے میں ایران کی سماجی، تعلیم، ثقافتی، تعمیری اور اقتصادی زندگی کا کایا پلٹ دیا اور اسلامی انقلاب کے ثمرات سے ایرانی عوام کو بہرہ ور ہونے کا موقع دیا۔ اسی طرح رہبر اسلامی انقلاب کی سوچ نے نہ صرف ایران بلکہ دنیا کے محروم اور افلاس زدہ عوام کو بھی ایک نیا حوصلہ اور ولولہ مہیا کر کے انہیں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا پیغام دیا۔

تعلیمی ادارے:

ایران میں دینی درسگاہوں کے ساتھ ساتھ ابتدائی تعلیم کیلئے ہر جگہ مکتب قائم تھے۔ لیکن مروجہ جدید تعلیمی اداروں کی بنیاد قاچاری دور کے وزیر اعظم میرزا محمد تقی خان امیر کبیر نے رکھی۔ انہوں نے تہران میں دارالفنون کے نام سے ایک اسکول قائم کیا جس کو بعد میں کالج کا درجہ دیا گیا۔ پھر اس صدی کے ابتدائی نصف صدی میں تہران یونیورسٹی قائم ہوئی جو آج بھی ایران کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے۔ اس کے بعد دیگر یونیورسٹیاں اور کالج قائم ہوئے۔ اسلامی انقلاب کے بعد تعلیم و تربیت میں اصلاح اور علم کے فروغ کو اولیت دی گئی اس سلسلے میں کئی انقلابی اصلاحات نافذ کئے گئے۔ ان میں سے ایک ناخواندگی کے خلاف مہم ہے۔ اس مہم کا حکم دیتے ہوئے امام خمینی نے کہا: ''آیئے ایران کو ایک اسکول میں تبدیل کریں۔''

۱۹۸۱ء میں امام خمینی کے حکم سے ثقافتی انقلاب کی کمیٹی تشکیل دی گئی اور تا حکم ثانی تعلیمی اداروں کو بند کر دیا گیا۔ ڈیڑھ سال تعطیل کے بعد ۱۹۸۳ء میں یونیورسٹیاں اور دیگر تعلیمی ادارے دوبارہ کھول دیئے گئے۔ ثقافتی انقلاب کی کمیٹی نے ملکی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض غیر ضروری شعبوں میں کمی کر کے زراعت، صنعت اور تجارت جیسے بنیادی شعبوں کے فروغ کے خاطر نئے مراکز کے قیام کا اعلان کیا۔ ذیل میں ایران کی یونیورسٹیوں اور اعلیٰ تعلیمی و فنی مراکز کی فہرست کا ایک جائزہ لیتے ہیں:

یونیورسٹیاں:

۱۔ ارومیہ یونیورسٹی، صوبہ مغربی آذربائجان
۲۔ اصفہان یونیورسٹی، اصفہان
۳۔ اصفہان ٹیکنالوجی یونیورسٹی، اصفہان
۴۔ الزہراء یونیورسٹی (برائے خواتین) تہران
۵۔ امیر کبیر انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی یونیورسٹی، تہران
۶۔ تبریز یونیورسٹی، تبریز

۷۔ ٹیچر ٹرینگ یونیورسٹی، تہران

۸۔ تہران یونیورسٹی، تہران

۹۔ شریف ٹیکنالوجی اینڈ انڈسٹریکل یونیورسٹی، تہران

۱۰۔ شہید چمران یونیورسٹی، اہواز

۱۱۔ رازی یونیورسٹی، باختران

۱۲۔ سیستان بلوچستان یونیورسٹی، زاہدان

۱۳۔ شہید باہنر یونیورسٹی کرمان

۱۴۔ شہید بہشتی یونیورسٹی، تہران

۱۵۔ شیراز یونیورسٹی، شیراز

۱۶۔ گیلان یونیورسٹی، رشت

۱۷۔ مازندران یونیورسٹی جس کے شعبے بابلسر، ساری اور گرگان میں قائم ہیں

۱۸۔ فردوسی یونیوسٹی، مشہد مقدس

۱۹۔ اسلامک اوپن یونیورسٹی جس کا مرکز تہران ہے اور بعض صوبوں میں اس کی شاخیں ہیں

۲۰۔ انٹرنیشنل امام خمینی یونیورسٹی، قزوین (القدس)

۲۱۔ نور (رسول اعظم) یونیورسٹی، سمنان

۲۲۔ ٹیچر ٹرینگ یونیورسٹی، کاشان

۲۳۔ بوعلی سینا یونیورسٹی، ہمدان

۲۴۔ شہید بہشتی میڈیکل سائنسز یونیورسٹی

۲۵۔ امام جعفر الصادق یونیورسٹی، تہران

۲۶۔ دانشگاہ علوم اسلامی، ملحقہ (روضہ امام رضا) مشہد مقدس

ہائی ایجوکیشنل انسٹیٹیوٹ اور ایجوکیشنل کمپلیکس:

۱۔ ہائی ایجوکیشنل کمپلیکس، بیرجند

۲۔ یونیورسٹی کمپلیکس فار آرٹس، تہران

۳۔ یونیورسٹی کمپلیکس فار ایڈمنسٹریشن اینڈ کامرس (علامہ طباطبائی یونیورسٹی) تہران

۴۔ یونیورسٹی کمپلیکس آف انجینئرنگ، تہران

۵۔ یونیورسٹی کمپلیکس فار ٹیکنیکل ایجوکیشن، تہران

۶۔ ہائی انسٹیٹیوٹ آف سوشل سروسز تہران

۷۔ فیملی اینڈ سوشل ویلفیئر کالج، تہران

۸۔ لیکچرز ٹرینگ کالج، تہران

۹۔ ہائی ٹیکنالوجی کالج، سمنان

۱۰۔ ورکرز ہیلتھ اینڈ ویلفیئر کالج، تہران

۱۱۔ ہائی ایجوکیشنل انسٹیٹیوٹ فار سائنس کاشان

۱۲۔ مدرسہ عالی شہید مطہری (برائے اسلامی علوم)، تہران

۱۳۔ ایرائین میڈیکل سینٹر، تہران ۱۴۔ ہائی ایجوکیشن انسٹیٹیوٹ برائے معدنیات، شاہرو

۱۵۔ میڈیکل انفارمیشن اینڈ ایڈمنسٹریشن کالج، تہران ۱۶۔ ریڈیو ٹیلی ویژن کالج، تہران

۱۷۔ ایگریکلچر سینٹر (اصفہان یونیورسٹی سے ملحقہ) ۱۹۔ ہائی انسٹیٹیوٹ یزد (ٹیچر ٹریننگ یونیورسٹی)

۲۰۔ ہائی انسٹیٹیوٹ فار نرسنگ (ملحقہ تہران یونیورسٹی) ۲۱۔ ایگریکلچر انسٹیٹیوٹ (ملحقہ تہران یونیورسٹی)

۲۲۔ اینمل ہزبنڈری انسٹیٹیوٹ اہواز (ملحقہ مشہد چمران یونیورسٹی) ۲۳۔ ایگریکلچر انسٹیٹیوٹ اہواز ملحقہ چمران یونیورسٹی

۲۴۔ الیکٹرانک انسٹیٹیوٹ (ملحقہ شیراز یونیورسٹی) ۲۵۔ نرسنگ ٹریننگ سینٹر شہر کرد (ملحقہ اصفہان یونیورسٹی)

۲۶۔ ایگریکلچر انسٹیٹیوٹ ملحقہ اصفہان ٹیکنالوجی یونیورسٹی ۲۷۔ کیمیکل انسٹیٹیوٹ، بابلسر ملحقہ مازندران یونیورسٹی

۲۸۔ دہخدا انسٹیٹیوٹ فار ہائی ایجوکیشن، قزوین ۲۹۔ رستان ہائی ایجوکیشنل انسٹیٹیوٹ، خرم آباد

۳۰۔ زرعی کالج، زنجان ۳۱۔ ہائی کمپلیکس زنجان

۳۲۔ ایرانین سینٹر فار کیمیکل انجینئرنگ ریسرچ ۳۳۔ پیٹرولیم کالج آبادان

۸۰-۱۹۷۹ء کے تجزیہ کے مطابق امریکی یونیورسٹیوں میں ایرانی طلبہ کی تعداد ۴۵،۰۰۰ سے ۶۶،۰۰۰ ہزار تک تھی جبکہ ایران کے اندر یونیورسٹی طلبہ کی کل تعداد ایک لاکھ ۵۷ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ بیرونی یونیورسٹی میں ایرانی طلبہ کا اتنی بڑی تعداد میں تعلیم حاصل کرنا سابقہ حکومت اپنے لئے فائدہ مند سمجھتی تھی۔ نظریاتی طور پر نئی نسل کی سخت تربیت کی وجہ سے جدیدیت پسندوں کو اپنے ترقیاتی مقاصد حاصل کرنے کیلئے بڑی تعداد میں فنی ماہرین حاصل ہو جاتے تھے۔

علمی و تحقیقی مراکز:

۱۔ ادارہ آثار قدیمہ، ملحقہ تہران یونیورسٹی ۲۔ ادارہ جغرافیہ، ملحقہ تہران یونیورسٹی

۳۔ ادارہ لغت نامہ دہخدا، ملحقہ تہران یونیورسٹی ۴۔ ادارہ تحقیقات معاشیات، ملحقہ یونیورسٹی

۵۔ ایٹمی مراکز برائے طب، ملحقہ تہران یونیورسٹی
۶۔ ادارہ سرطان، ملحقہ تہران یونیورسٹی
۷۔ ایرانی ادارہ برائے مطالعہ، طبی نباتات، ملحقہ تہران یونیورسٹی
۸۔ ادارہ مطالعات قانون اسلامی، ملحقہ تہران یونیورسٹی
۹۔ ادارہ مطالعات کیمیائے زندگی، ملحقہ تہران یونیورسٹی
۱۰۔ انٹرنیشنل ریسرچ سینٹر فار سائنس، ملحقہ تہران یونیورسٹی
۱۱۔ ادارہ مطالعات علم نفسیات، ملحقہ تہران یونیورسٹی
۱۲۔ ادارہ برائے جیالوجیکل فزکس، ملحقہ تہران یونیورسٹی
۱۳۔ ابوریحان بیرونی فلکیاتی مرکز، شیراز یونیورسٹی
۱۴۔ شمسی توانائی سینٹر، شیراز یونیورسٹی
۱۵۔ جیالوجیکل سروے آف ایران، شیراز یونیورسٹی
۱۶۔ سوشیالوجی سینٹر، شیراز یونیورسٹی
۱۷۔ اٹامک انفارمیشن سینٹر، وزارت توانائی
۱۸۔ اٹامک ریسرچ سینٹر، وزارت توانائی
۱۹۔ اٹامک ٹیکنالوجی سینٹر، وزارت توانائی
۲۰۔ پیسٹر میڈیکل سینٹر، وزارت صحت
۲۱ یونیورسٹی پبلی کیشنز سینٹر، زیرنگرانی ثقافتی انقلاب کمیٹی (۴۵)

حوالہ جات

(۱) انصاری، حمید، سخن بیداری، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۹۹۶ء، ص: ۵۹، ۶۰

(۲) خمینی، روح اللہ، کوثر، ج ۱، خطبات امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۹۹۶ء، ص: ۱۴۹

(۳) ایضاً، ص: ۱۷۲، ۱۷۳

(۴) گروہ مصنفین، نہضت امام خمینی، (مترجم: افق اجمیری)، نظارۃ المعارف، کراچی، س ن، ص: ۲۳۲

(۵) کوثر، ج ۴، خطبات امام خمینی، ص: ۳۹۱

(۶) نہضت امام خمینی، رفقائے امام خمینی، ص: ۲۳۲

(۷) ایضاً، ص: ۲۳۲

(۸) سبحانی، آیت اللہ جعفر، مبانی حکومت اسلامی، مترجم: جاوید اقبال قزلباش، مصباح الہدیٰ پبلی کیشنز، ۱۴۱۴ھ، ص: ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸

(۹) ایضاً، ص: ۲۴۸

(۱۰) ایضاً، ۳۱۸

(۱۱) مشمولہ: وحدت اسلامی، دفتر قونصل اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد، شمارہ ۹۱، ستمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۲۵

(۱۲) عاملی، شیخ حر، وسائل الشیع، ج ۷، کتاب القضاء، باب ۳، حدیث ۳، موسسہ اہل البیت الاحیاء التراث، بیروت، س ن، ص: ۱۷

(۱۳) خمینی، آیت اللہ روح اللہ، ولایت فقیہ، موسسہ نشر و آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۱ش، بمطابق ۲۰۲۰ء، ص: ۷۸

(۱۴) شیخ صدوق، کمال الدین و تمام النعمہ، ج ۲، انتشارات مسجد جمکران، ۱۳۸۲ش، بمطابق ۲۰۰۳ء، ص: ۲۳۷

(۱۵) صحیفہ نور، ج ۱۴، ص: ۲۷۴

(۱۶) انصاری، حمید، سخن بیداری، موسسہ تنظیم نشر و آثار بین الاقوامی امور، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۷۷

(۱۷) نجفی، شیخ محسن علی، اسلامی جمہوریہ ایران کا آئین، مرکز تحقیقات ایران و پاکستان، ۱۵/ اکتوبر ۱۹۸۰ء، ص: ۵۹

(۱۸) ایضاً،ص:۴۸

(۱۹) ایضاً،ص:۸۴،۸۵

(۲۰) خمینی، روح اللہ، وصیت نامہ سیاسی الٰہی، (چھاپ دوئم)، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸ء، ص:۷۳

(۲۱) مسیح مہاجری، اسلامی انقلاب اور اقوام عالم کا مستقبل، مترجم: مولانا شیخ سرور حسن، سازمان تبلیغات اسلامی، روابط بین الملل، تہران، رمضان المبارک، ۱۴۰۵ھ، ص:۱۳۹، ۱۴۰

(۲۲) اسلامی جمہوریہ ایران کا آئین، ص:۶۰، ۶۱

(۲۳) مسیح مہاجری، اسلامی انقلاب اور اقوام عالم کا مستقبل، ص:۱۴۱

(۲۴) اسلامی جمہوریہ ایران کا آئین، ص:۴۷

(۲۵) ایضاً، ص:۱۶۱

(۲۶) انصاری، حمید، سخن بیداری، ص:۱۵۶

(۲۷) نہضت امام خمینی، ص:۲۳۱

(۲۸) ایضاً

(۲۹) کوثر، ج۴، خطبات امام خمینی، ص:۱۱۴

(۳۰) ایضاً، ص:۴۱۲

(۳۱) ایضاً، ص:۱۱۲

(۳۲) قادری، اخلاق احمد، انقلابات ایران، ص:۳۲۶

(۳۳) مسیح مہاجری، اسلامی انقلاب اور اقوام عالم کا مستقبل، ص:۱۴۳، ۱۴۴

(۳۴) قادری، اخلاق احمد، تاریخ انقلابات ایران، دارالشعور، مزنگ روڈ بک اسٹریٹ لاہور، ۲۰۱۱ء، ص:۳۲۹، ۳۳۰

(۳۵) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۱، اگست، ۱۹۹۲ء،، ص:۱۲

(۳۶) قادری، اخلاق احمد، تاریخ انقلابات ایران،، ص: ۳۳۰

(۳۷) مسیح مہاجری، اسلامی انقلاب اور اقوام عالم کا مستقبل، ص:۲۲

(۳۸) ایضاً، ص:۲۳۵

(۳۹) سلیم علوی، اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ امام خمینی کی نظر میں، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸، ص:۳۰۶

(۴۰) ایضاً، ص:۳۰۱

(۴۱) مشمولہ: وحدت اسلامی، شمارہ ۹۱، ستمبر، ۱۹۹۲ء، ص:۳۰

(۴۲) مسیح مہاجری، اسلامی انقلاب اور اقوام عالم کا مستقبل، ص:۱۷۵

(۴۳) ایضاً

(۴۴) مسیح مہاجری، اسلامی انقلاب اور اقوام عالم کا مستقبل، ص:۱۷۵

(۴۵) مشمولہ: وحدت اسلامی، اکتوبر، نومبر، ۱۹۹۱ء، ص:۴۲، ۴۳

باب ششم:

امام خمینی کے مشن کی تکمیل، بقول امام مستضعفین

مستضعفین اور مستکبرین کے بارے میں قرآن کریم اور معصومین کے کلام میں ان طبقوں کی صورتحال، فکر اور رجحان کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ." (۱)

اور ہم چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو کمزور بنا دیا گیا ہے ان پر احسان کریں اور انہیں لوگوں کا پیشوا بنائیں اور زمین کا وارث قرار دیں۔

کلمہ "مستضعف" مادہ "ضعف" سے مشتق ہے۔ یہ کلمہ باب استفعال سے ہونے کی وجہ سے اس کا معنی ہے وہ شخص جس سے کمزور کر دیا گیا ہو اور اسے بیڑیاں پہنا کر قید کر دیا گیا ہو۔ (۲)

مستضعف کی کئی اقسام ہیں جیسے مستضعفِ فکری، علمی و ادبی، مستضعفِ اقتصادی، مستضعفِ اخلاقی اور مستضعفِ سیاسی، قرآن مجید میں یہ کلمہ عام طور پر سیاسی و اخلاقی صورت حال کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب امر طبع ظالم مسلط ہوتے ہیں تو وہ سب سے اپنی تسلط پسندانہ سیاست کو مستحکم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنے محکوموں کے علوم و تہذیب کو تباہ اور ان کی فکر کو ضعیف کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان اقتصادی حالت کو کمزور کر دیتے ہیں تا کہ ان میں یہ قوت و توانائی باقی نہ رہے کہ وہ کبھی یہ سوچ سکیں کہ بغاوت کر کے مستکبر و ظالم، امر کے ہاتھ سے حکومت کا باگ دوڑ چھین لیں۔ قرآن کی ایک اور آیت میں اللہ کی راہ میں مستضعفین کی نجات کیلئے کام کرنے والوں مثین بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ" (۳)

اور تم لوگ اللہ کی راہ میں ستائے ہوئے لوگوں کے نجات کیلئے جہاد کیوں نہیں کرتے؟

اسی طرح اسی سورہ کی آیت ۹۷ میں صرف ایک جگہ پر ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ظالم ہیں اور کافروں سے میل جول رکھتے ہیں اور ریاکاری سے خود کو "مستضعف" کہتے ہیں تاہم قرآن کریم میں ہر مقام پر "مستضعف" کی حمایت کی گئی ہے۔

مستکبرین:

تاریخی شواہد کی بناء پر تمام جابروں کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے محکوموں کی عملی قوتوں کو ختم کرتے رہیں۔ صرف یہ فرعون کی خصوصیت نہ تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو اسیر رکھنے کیلئے ان کے مردوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی عورتیں کو اپنی خدمت کیلئے زندہ رکھتا تھا۔ ان میں سے جو ظالم حکمران مردوں کو قتل نہ کر سکتے تھے وہ ان کی مردانگی کی صلاحیت کو قتل کر دیتے تھے۔ وہ لوگ برائی کے ساز و سامان کے ذریعے یعنی جنسی لذائز کو بے لگام کر کے، شراب اور جوئے بازی کو جائز کر کے اور ہر طرح کے غیر صحت مندانہ مشاغل کو ترغیب دلا کر اپنی قوم کی غیرت و حمیت اور قوت ایمانی کا خاتمہ کر دیتے تھے تا کہ اپنی استحصالی حکومت کو باقی رکھ سکیں۔ لیکن امام خمینی ان طبقات (مستضعفین و مستکبرین) کے متعلق بحث ایرانی تاریخ کے جدید دور اور دیگر اسلامی ممالک جن میں سامراج نے اثر ورسوخ حاصل کیا ہے۔ شروع کرتے ہیں اور قرآنی و تاریخی قرائن کو جدید صورت حال کے تجزیے کے لئے پیش کرتے ہیں اور انہی تجزیو ں کے ساتھ ان کے مصادیق، خصوصیات، بصیرت، رجحان، اعمال اور روش کو اکثر مسلمانوں اور مستضعفین کے سا منے ان کی شناخت کرانے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ایرانی سماج کے اندر موجود طبقات کی ایک تصویر پیش کی جائے پھر اس سے متعلق امام خمینی کے نظریہ کا تجزیہ کیا جائے۔ کیونکہ امام خمینی کی تقاریر کا بیشتر حصہ مستضعفین، محرومین اور حریت پسندوں سے متعلق ہے، واضح ہو جائے۔

ایرانی معاشرے میں لمبے عرصہ کے لئے خاندانی ''ثروت'' دفتری عہدوں کو خریدنے کے امکان کو فراہم کرتی ہے جس کے ساتھ اقتدار رسائی اور ثروت کا حصول بھی ہوتا ہے۔ یہ چیزیں صاحبان قدرت اور ثروت کو ممتاز حیثیت عطا کر دیتی ہیں اور سماج کا نچلا طبقہ یعنی عوام نہ صرف اقتدار سے محروم تھے۔ سرکاری تعلیم و تربیت، فوجی منصب اور ثروت مند افراد تک ان کی رسائی بھی نہ تھی۔ صرف عوام میں معدودے چند افراد کے فریب کے ذریعہ اپنی خاص استعداد کو عروج بخشنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ پہلوی دور بالخصوص محمد رضا شاہ کے زمانہ میں تیل کی قیمت کے بڑھ جانے، بیرونی، سرمایہ دار، سرکاری ملازمین، تجار، حرفت جاننے والے اور پیشہ ور لوگ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور اس کے بعد کسانوں کی بڑی جماعت مزدور دیہاتی بادیہ نشین تیسرے طبقے کو تشکیل دیتے ہیں انہیں کسی قسم کا اثر ورسوخ حاصل نہیں تھا اور سرکار کی طرف سے ان کے ساتھ کوئی تعاون نہیں ہوتا تھا۔ یہ غیر متوازن طبقہ بندی جو سرمایہ کاری اور معاشی نظام کا نتیجہ تھی، معاشرہ کے اوپر تھوپ دی گئی تھی۔ امام خمینی انقلاب سے پہلے کے سماج کی تصویر پیش کرتے وقت اور ایرانی معاشرہ کے سامراج کے مقابل آنے اور طبقاتی اختلاف کے متعلق کہتے ہیں:

"سامراج اپنے سیاسی کارندوں کے ذریعے عوام پر مسلط ہو چکا ہے اور اس نے ظالمانہ معاشی نظام تھوپ رکھا ہے جس کی وجہ سے عوام دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ہیں ایک ظالم اور دوسرا مظلوم ،ایک طرف کروڑوں بھوکے اور محروم مسلمان اور دوسری طرف ثروتمند سیاسی طاقت رکھنے والے بیہودہ عیاش، آوارہ باش کی اقلیت پوری طرح قابض ہے۔ مظلوموں کی مستقل کوشش ہے کہ خود کو حاکم اقلیت کے تسلط سے نجات دیں لیکن ظالم حکومتی مشینری اس اکثریت کی رہائی سے مانع ہے۔" (۴)

آپ شاہ کے منصوبوں پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"شاہ نے ملک کو صنعتی بنانے کے بہانے سے بیرونی اور داخلی سرمایہ کاروں کے لئے صنعتی اداروں میں راہ ہموار کر دی اور ایران کے وہی بڑے جاگیردار آج بڑی بڑی فیکٹریوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ یہ سبھی حکام کے رشتہ دار، حکومت کے مطیع ہیں، جو ظاہر ہو گئے ہیں۔ (۵)

اسی طرح آپ داخلی اور بیرونی سرمایہ داروں کے متعلق کہتے ہیں:

"مزدوروں، محنت کرنے والوں، خانہ بدوشوں اور پہاڑیوں میں زندگی بسر کرنے والوں کا حق ضائع ہو رہا ہے۔" (۶)

درباریوں کے ہمراہ وابستہ سرمایہ داروں اور امریکی سرمایہ داروں کے علاوہ آپ دوسرے گروہوں کا ذکر بھی کرتے ہیں جو آپ کے خیال میں حاکم مشینری کے ظلم و ستم میں شریک ہیں۔ بے انصاف زمین ہڑپنے والے وہ سرمایہ دار جو کام نہیں کرتے۔ دولت مند اور صاحب ثروت جماعت، زور بازو اور قوت رکھنے، پارکوں کے مالک بڑے زمیندار (جن کے پاس سیاسی حاکمیت بھی ضمنی طور پر پائی جاتی ہے) خیانت کرنے والے ممتاز تجار، وزراء ،حکومتی کارندے اور فوجی، خواص اور امراء عیش و عشرت میں زندگی گزارنے والے، صاحب زور، وزراء، استحصال کرنے والے بالکل اسی طرح جو ایک ظالم اور فرعونی حاکمیت کی ماہیت ہوتی ہے یعنی وسائل اور دولت اکٹھا کرنا ،قیمتی ذخائر کا خاص اقلیت کے ہاتھ میں ہونا یہی غریب عوام کی بدبختی اور محرومی کا باعث ہیں۔ جیسا کہ امام خمینی نے اپنے الٰہی سیاسی وصیت نامہ میں مسلمانوں اور کمزوروں کو وصیت کی ہے:

"ان سو سالوں میں کہ جس میں عالمی استحصال کرنے والی بڑی قوتوں کے تمام اسلامی ممالک اور چھوٹے ملکوں میں قدم جم گئے ہیں اس کا ہم نے اور آپ سبھی نے مشاہدہ کیا یا سچی تاریخوں نے ہمارے لئے بیان کیا ہے کہ ان ممالک کی حکومتوں میں سے کوئی ایک بھی اپنے عوام کی خود

مختاری، آزادی اور بہبودی کی فکر میں نہیں رہی ہیں اور نہ ہی اس وقت ان میں فکر پائی جاتی بلکہ اکثریت نے خود اپنے عوام پر ستم اور پابندیاں لگائیں۔ اپنوں نے جو بھی کیا ان کے ذاتی یا ایک گروہ کے فائدے کے لئے تھا۔ عیش وعشرت میں زندگی گزارنے والے اونچے طبقوں کے لئے تھا۔ غربت میں زندگی گزارنے والا مظلوم طبقہ زندگی کی تمام سہولتوں حتی روٹی، پانی اور زندگی کی ضروریات سے محروم تھا اور ان بدنصیبوں کو عیاش اقلیت کے مفادات کے لئے ملازم رکھ لیا گیا تھا۔ (۷)

امام خمینی نے ۱۵ خرداد (۵ جون) کے قیام کہ جو ۱۳۵۷ ھ ش (۱۹۶۳ء) میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کا باعث بنا، کے تعارف کے دوران مستضعفین اور ان کے کردار کو واضح کر دیا۔

امام خمینی کی نگاہ میں ایرانی عوام (مستضعفین) کی ۵ جون کی تحریک ایران کے کمزور اور پسماندہ افراد کی بیداری میں نیا باب ہے۔ ۵ جون کو جو افراد میدان میں تھے ان کو مستضعف کہا جا سکتا ہے۔ امام خمینی کے بقول "پچھڑا طبقہ" "جھونپڑیوں میں رہنے والے بہادر" اور جنہوں نے انقلاب کو کامیاب کیا وہ پہاڑیوں میں بوریہ نشین اور تاریخ کے مظلوم تھے۔ گہرائی سے دیکھا جائے تو مستضعفین میں ہر طبقہ کے افراد شامل ہیں۔ اس لئے کہ امام خمینی کی نظر میں ہر طبقہ کے افراد مذکورہ حکومتوں کے ذریعہ کمزور ہوئے ہیں بلکہ "دنیا کی تمام ملتوں کو کمزور کیا گیا ہے" سابق حکومت ہر طبقہ کو مستضعف اور فرمانبردار سمجھتی تھی۔ ان طبقات میں علماء، دیہاتی لوگ اور ملک کے دیگر افراد شامل تھے۔

یہی وجہ ہے کہ امام خمینی تمام مسلمانوں کو وصیت کرتے ہیں:

"تمام مسلمانوں اور دنیا کے مستضعفین سے میری وصیت یہ ہے کہ آپ کو بیٹھ کر اس امر کا منتظر نہیں رہنا چاہیے کہ آپ کے ملک کے حکام اور صاحبان اختیار یا ملکی طاقتیں آئیں گی اور آپ کے لئے استقلال وآزادی کا تحفہ لائیں گی۔" (۸)

دوسری جگہوں پر امام خمینی نے مسلمین، مومنین، متوسط افراد، تیسرا طبقہ محروم طبقے، جھونپڑیوں میں رہنے والے، کسان، مزدور (بالخصوص صنعتی مزدور مثلاً آئل کمپنی میں کام کرنے والے) غریب علاقوں میں رہنے والے پابرہنہ، دینی علماء، یونیورسٹی کے جوانوں اور طالب علموں کو مستضعفین قرار دیا ہے۔

امام خمینی نے وضاحت کی ہے کہ بازار میں کام کرنے والوں میں بڑے تاجر اور سرمایہ دار شامل نہیں ہیں بلکہ چھوٹے تاجر اور سرمایہ دار شامل ہیں۔

اب ہم امام خمینی کے نظریات کی روشنی میں مستضعفین اور مستکبرین کی خصوصیات کے بارے میں تبصرہ کریں گے۔

امام خمینی کی نظر میں مستضعفین کے اندر درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں: انقلابی ہونا، مقابلہ میں استقامت، شجاعت، اسلام کی پابندی، مقام ومنصب پر توجہ نہ دینا، عمل میں اخلاص، معنوی قدرت، مطمئن پر امید، مجاہد اور اہل دفاع اور حقیقت پسند ہونا ہے۔ امام خمینی کی نظر میں اگر سماج کے یہ محروم (طبقے) نہ ہوتے جو دنیا سے اس طرح وابستگی نہیں رکھتے جس طرح مستکبرین رکھتے ہیں اگر محروموں کی یہ ہمت نہ ہوتی اور دیہاتوں میں رہنے والوں اور شہر کے غریب علاقہ میں رہنے والوں کی ہمت نہ ہوتی تو نہ سابق حکومت کا ظلم ختم ہوتا اور نہ ہی ہم مشکلات کے سامنے ٹھہر سکتے۔ امام خمینی کہتے ہیں:

''ہم نے شاہانہ طرز زندگی گزارنے والوں کی طرف سے مشروطیت (۞) کے دوران بہت سی مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ ہماری اسمبلیاں شاہانہ طرز زندگی گزارنے والوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ان اسمبلیوں میں غریبوں کی تعداد کم تھی۔ یہی وہ تعداد تھی جس نے انحرافات کو روکا۔''(۹)

اسی اہمیت کے پیش نظر امام خمینی حکومت اور اس کے عہدیداروں سے کہتے ہیں:

''پارلیمنٹ اور حکومت اور عہدیداروں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس ملت کی قدر کریں اور عوام بالخصوص مستضعفین، محرومین اور ستم رسیدہ لوگوں کی جو ہماری آنکھوں کے نور ہیں۔ اسلامی جمہوریہ ان ہی کی مساعی کا نتیجہ ہے اور انہی کی فداکاریوں سے وجود میں آئی ہے اس کی بقاء بھی ان ہی کی خدمات کی مرہون منت ہے، خدمت میں کوتاہی نہ کریں اور عوام کو اپنا سمجھیں۔''(۱۰)

امام خمینی اس مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ایک استکباری نظام میں مستضعفین کے مختلف طبقے ہیں جو یا تو مقابلہ کے میدان میں قدم نہیں رکھتے یا غفلت کی وجہ سے یا پھر مستکبرین کے فریب، ایمان کی کمی اور خوف کی بنا پر ظالموں کے کارندوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جیسے دنیا کے ممالک میں سوئے ہوئے بے خبر عوام اور حکومت

۞ مشروطیت: انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ایران کی حالت کی خرابی اور حکام کے جور وستم سے عوام کا تنگ آجانا، اس وقت کے بادشاہ مظفرالدین شاہ کی ملکی امور کے نظم ونسق میں کمزوری، عدم لیاقت، لوگوں کی روز افزوں بیداری اور آگاہی نیز دیگر علل واسباب نے ایک انقلاب کی زمین ہموار کی جو نہضت مشروطہ (آئینی حکومت کی تحریک) کے نام سے مشہور ہوئی اور طویل مقابلوں اور جد وجہد کے بعد آخر کار ۱۳۲۴ھ ش بمطابق ۱۹۰۶ء میں یہ تحریک کامیاب ہوئی۔ اس تحریک کی وجہ سے ایران کی اجتماعی تنظیم، طبقاتی امتیاز کا خاتمہ، درباریوں اور بڑے زمینداروں کے اقتدار کے محل کا مسمار ہونا اور قانون نیز انصاف کا برقرار کرنا ایک عظیم تبدیلی کی صورت میں نمودار ہوئی۔ البتہ اسلامی تعلیمات سے آئینی حکومت کے انحرافات نے اس تحریک کو مطلوبہ انجام تک پہنچنے نہیں دیا اور رضا خان کی بغاوت کے بعد موروثی سلطنتی نظام نے دوبارہ حاکمیت اختیار کر لی۔

کے ملازم وسپاہی۔

امام خمینی کی تالیفات وتصنیفات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اسلامی تعلیمات کی کی بنیاد پر سما ج کے اندر دونوں گروہوں کی نشاندہی کی ہے پہلا گروہ مستکبرین، مفاد پرستوں اوران سے وابستہ افراد کا ہے جو آپ کے خیال میں سب کے سب فرعونیت کا منصوبہ رکھتے ہیں اور دوسرا گروہ سماج کے متضعف افراد کا ہے۔ یہ محروم اکثریت کا گروہ ہے اگر چہ امام خمینی کی نگاہ میں مستکبرین کے اندر درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں:

تسلط، جارحیت کرنا، ظلم وستم، فتنہ انگیزی، تفرقہ اندازی، حقیقت کا انکار بزدلی، مفت خوری، حیلہ بازی ،مکاری، قوم پرستی اس کے علاوہ مستکبرین کی کوشش ہوتی ہے کہ مستضعفین میں خوداعتمادی، یقین، ایمان، عدم ،انحصار کی قوت پیدا نہ ہو یا پھران کوقدرت سے خائف کر کے علمی، ثقافتی، اجتماعی، معاشی، سیاسی پیشرفت سے روک دیں۔(۱۱)

امام خمینی ایسے ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی وصیت کرتے ہیں:

''مسلمان اقوام کو وصیت کرتا ہوں کہ اسلامی جمہوریہ حکومت اور ایران کی مجاہد قوم کو نمونہ عمل قرار دیں اور اپنی ظالم حکومتوں کو اگر وہ اقوام کی خواہش پر جو ملت ایران کی خواہش ہے سر نہ جھکائیں تو پوری قوت سے کیفر کردار تک پہنچا دیں۔''(۱۲)

استکبار کی جڑ نفس پر موجود ہے۔ آپ کی بصیرت میں جس کا سرچشمہ حب دنیا ہے اور ظلم سے نفرت آدمی کی سرشت میں داخل ہے۔ لیکن جب یہ اندرونی حالت معاشرے کی سطح پر آجائے اور سوشیالوجی کے اعتبار سے ظاہر ہو جائے تو یہ معین گروہوں کے وجود میں آنے کا باعث بنتی ہے۔ بالفاظ دیگر اگر چہ موسی اور فرعون ہر شخص کے اندر موجود ہیں لیکن اجتماعی نظام فرعون ایک مستکبر گروہ بناتے ہیں اور اس کے اندر موجود احتجاج کرنے والے گروہ کو تشکیل دیتے ہیں۔ سرمایہ دار، امراء، سلاطین، مستکبر طبقہ کا مصداق ہیں اور آپ کی نگاہ میں حقیقی علماء، چھوٹے تاجر اور غریب ونادار لوگ مستضعف طبقہ میں آتے ہیں۔

امام خمینی نے اس مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ (حب الدنیا راس کل خطیئة)''محبت دنیا ہر برائی کی جڑ ہے'' یہ ایک حقیقت ہے اور حب نفس کو حب دنیا تک مستکبرین نے حاکیت کا سسٹم یا نظام تیار کیا ہے عوام کی مکمل محرومی عمل میں نہیں آتی، معاشی، سامراجی، سیاسی اور استکباری ثقافتی نظام کے ذریعے ہی عوام کو محروم کیا جاتا ہے ایک سالم اور منصفانہ سماج کی تشکیل اس استکباری نظام کو نابود کرنے اور محروموں کی حامی حکومت کے قیام کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ امام خمینی کی نظر میں حکومتوں (خواہ مستضعفین کے ذریعہ کیوں نہ وجود میں آتی ہوں) کے

بھٹک جانے اور استکباری نظام میں تبدیل نہ ہونے کی کوضمانت نہیں دی جاسکتی ۔لہٰذا آپ مستضعفین میں شامل افراد بالخصوص علماء اور دینی طلاب کو تاکید کرتے ہیں کہ اپنے آپ سے اور نفس سے ہوشیار رہیں اور اپنے بنیادی فریضے کو جو کہ انبیاء کا فریضہ رہا ہے نہ بھولیں یعنی عوام کی معنویت کی سطح بلند کرنے میں کوشاں رہیں جو درحقیقت استکبار کی عادت کو وجود میں آنے سے روکے گی ۔دوسرا یہ کہ استکباری مشینری کا مقابلہ کریں اور مستضعفین کو ان کے تسلط وقبضہ سے باہر نکالیں ۔

آپ کہتے ہیں صدر جمہوریہ اور ممبران پارلیمنٹ کے چناؤ کے وقت تعلیم یافتہ ،مذہبی، حالات حاضرہ پر وسیع نظر رکھنے والے، سامراج سے بے تعلق، اسلامی جمہوریہ کے معتقد افراد، متقی اور اسلامی جمہوریہ کے پابند علماء اور مذہبی پیشواوں سے مشورہ کریں اور اس بات پر توجہ دیں کہ صدر جمہوریہ اور ممبران پارلیمنٹ اس طبقے سے رکھتے ہوں جنہوں نے معاشرے کے مستضعف ومحروم لوگوں کی محرومیت اوران کی مظلومیت کو محسوس کیا ہو اور وہ ان کی فلاح و بہبود کی فکر میں ہوں ۔ان کا تعلق سرمایہ داروں، غاصب زمینداروں، اہل ثروت نیز لذتوں اور شہوتوں میں غرق اونچے طبقے سے نہ ہو کیونکہ وہ محرومیت کی تلخی، بھوکوں اور غریبوں کی تکلیف کو نہیں سمجھ سکتے ۔لہٰذا مستضعفین کی حمایت کرنا اسلام کا طریقہ ہے ۔

درحقیقت امام خمینی کے ولایت فقیہ کا تصور یہی ہے یعنی ایسے شخص کی حاکمیت جس میں حب دنیا کی عادت نہ پائی جاتی ہو اور دوسروں کو بھی اس کی طرف راغب ہونے سے روکے ۔محروموں کا دوست اور مستکبروں کا سخت دشمن ہو ۔اگر ہم کہیں کہ دینی فکر کے زندہ کرنے کے متعلق بہترین بحث کے جس حصہ کو امام خمینی نے پیش کیا وہ انسانی معاشرے میں علماء کے بنیادی فرائض کی یاددہانی سے متعلق ہے تو یہ بے جا نہ ہوگا ۔بہت ہی کم ایسے سماج ہیں جن میں ذاتی عبادت یا ایمان کے متعلق عوام کی راہنمائی میں علماء کے کردار پر اعتراض ہوا ہو ۔جو چیز بھلا دی گئی وہ حق طلب کرنا، ظلم کا خاتمہ، محروموں کو ان کا حق دلانے کے لئے صف اول میں ہونا ہے ۔امام خمینی نے ۶ رمئی ۱۹۷۹ء میں خرم آباد کے عوام اور خانہ بدوشوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> ''تمام آسمانی مذاہب انسانوں میں ہی پروان چڑھے ہیں اور کمزیوں کی مدد سے ہی ظالموں پر حملہ آور ہوئے ہیں پوری تاریخ میں مستضعف لوگ ہی انبیاء کی حمایت کر کے مستکبروں کوشکست دیتے رہے ہیں پیغمبر اسلام مستضعف لوگوں کے ہی درمیان ظاہر ہوئے اور عوام کی مدد سے اپنے وقت کے ظالموں کی ہدایت کی یا ان کوشکست دی ۔مستضعفین کا تمام ادیان پر حق ہے ان کا اسلام پر حق ہے اس لئے کہ چودہ سو سال کی تاریخ میں اسی طبقہ نے اسلام کی نصرت اور اس

کی ترویج کی شہنشاہی حکومت اوراس سے وابستہ مستکبرین کا راستہ ہمیشہ غیر اسلامی رہا ہے۔ وہ اسلام پر ضرب لگا کر منحوس زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ یہ مستضعفین ہی تھے جو انبیاء اولیاء اور علماء کے شیدائی تھے۔ ہماری یہ تحریک بھی مستضعفین ہی کی بدولت آگے بڑھی۔ مستکبرین فرار کر گئے یا پھر اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔" (۱۳)

لیبیا کے ایک وفد سے ملاقات کے دوران امام خمینی نے مستضعفین اور مستکبرین کے بارے میں یوں اظہار خیال کیا:

"ہم نے قرآن کریم کی عظیم تعلیمات اور رسول اکرم ﷺ نیز ائمہ معصومین اور انبیاء کرام کی سیرت پاک سے یہی سبق سیکھا ہے کہ ہم سب مستضعفین متحد ہو کر مستکبروں کے خلاف انقلاب برپا کریں اور انہیں دوسروں کے حقوق ضائع کرنے کا موقع نہ دیں۔ ہم نے انہی تعلیمات کی روشنی میں پیشرفت کی۔ ہمارے عوام نے اس مقصد کے لئے شہادت کا استقبال کیا اور چونکہ ان کا مقصد شہادت تھا اس لئے وہ نہتے ہوتے ہوئے بھی توپ، ٹینک اور بندوقوں نیز شاہ کی پشت پناہی کرنے والی تمام شیطانی طاقتوں پر غالب آگئے۔" (۱۴)

امام خمینی اور عدل وانصاف کی برقراری:

انسانی معاشروں کے زوال اور انحطاط کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ اس معاشرہ اوراس کے افراد کے درمیان عدل وانصاف کی برقراری اور عدالت طلبی کی فکر مردہ ہو جائے۔ اس صورت میں معاشرہ ظلم وستم کو برداشت کرتا ہے اور برے لوگ معاشرے پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ جبکہ قرآن کریم کی رو سے انسان قابل احترام ہے اور زمین پر خلیفۃ اللہ ہے۔ اسکے علاوہ انسان کی عزت کے لئے فرشتوں سے سجدہ بھی کرایا گیا یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں ظلم اور ناانصافی سے پیش آنے کو منع کیا گیا ہے۔ عدل وانصاف کی برقراری کے لئے زور دیا گیا ہے حتی کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹ سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو دوسرے افراد کے ساتھ ناانصافی کی بات چھوڑ یئے اپنے آپ پر بھی ناانصافی کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ "**ولا تلقوا بایدیکم الی التهلكة....** اپنے آپ کو اپنے ہاتھ سے ہلاکت میں مت ڈالو" یعنی خود کو ہر خطرے سے محفوظ رکھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خودکشی کرنا عدل وانصاف کے تقاضے کے خلاف ہے جسے اللہ تعالی نے منع کیا ہے۔ (۱۵) حضرت علی فرماتے ہیں:

"خیر السیاسیات العدل" "بہترین سیاسیات عدل کرنا ہے۔ (۱۶)

امام خمینی عدل وانصاف کیلئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا ضروری معلوم

ہوتا ہے کہ آپ کا نظریہ عدل و انصاف کی برقراری سے پہلے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی وضاحت کی جائے۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ، واجبات کے برپا ہونے ، دین کی بقا اور ظالم سے مظلوم کا حق لینے کا موجب بنتا ہے۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حقائق کو روشن کر کے بدعتوں کو ختم کرتا ہے اور بدعت گزاروں کو رسوا کرتا ہے اور دینی حقائق میں تحریف کے مانع بنتا ہے۔

امام خمینی کے خیال میں عدل و انصاف کی برقراری کیلئے یہ دو امور با فضیلت ترین اور عظیم ترین واجبات میں سے ہیں اور ان کے ذریعے دوسرے واجبات قائم ہیں۔آپ ان دونوں کے واجب ہونے کو ضروریات دین میں سے قرار دیتے ہیں۔امام خمینی قرآنی آیات اور روایات سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۱۷)

"تم میں سے ایسے کچھ لوگ ضرور ہوں کہ جو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں اور یہ لوگ فلاح پائیں گے۔"

امام خمینی نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کو بیان کرنے کے لئے بہت سی روایات کا حوالہ دیا ہے ہم یہاں پر چند روایات کو بطور نمونہ بیان کریں گے۔

(الف) وسائل الشیعہ سے رسول اللہؐ کی یہ حدیث "جب تک میری امت کے افراد نیکی کا حکم دیں، برائی سے روکیں اور نیک کام کے انجام دینے میں ایک دوسرے کی مدد کریں اس وقت تک بھلائی کے راستے پر ہیں اور جب وہ یہ کام ترک کر دیں تو ان سے برکتیں چھین لی جائیں گی اور بعض افراد دوسرے افراد پر مسلط ہو جائیں گے اور زمین و آسمان میں کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔" (۱۸)

(ب) حضرت علیؑ کی یہ روایت: "تم سے پہلے کی اقوام فقط اس لئے ہلاک ہوئیں کہ وہ لوگ گناہ کے مرتکب ہوتے تھے اور ان کے مذہبی رہنما انہیں گناہ سے نہیں روکتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے گناہوں کی انتہا کر دی اور پھر بھی ان کے مذہبی رہنماؤں اور عقلاء نے انہیں نہیں روکا۔لہٰذا خدا کا عذاب ان پر نازل ہوا اس لئے تم لوگ نیکی کی دعوت دو اور برائیوں سے روکو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نہ کسی کی موت نزدیک ہوتی ہے اور نہ کسی کا رزق بند ہوتا ہے۔" (۱۹)

عدالت طلبی اور عدل و انصاف کی برقراری کی اس فکری موت کے درج ذیل اسباب تھے:

☆ جانی اور مالی خوف: لوگ اپنے مال و جان کے تحفظ کو عدالت کے قیام کے لئے اٹھ کھڑا ہونے سے زیادہ اہم سمجھتے تھے اور چونکہ جان و مال کو خطرہ میں سمجھتے تھے لہٰذا خاموش تھے اور ظلم کی حکومت باقی تھی۔

☆ دینی ایمان کی کمزوری: لوگ عقیدہ اور ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ظلم کے سامنے ڈٹ جانے کی قوت اور جذبے سے خالی ہو چکے تھے اسی وجہ سے وہ عدالت کی برقراری سے روگرداں تھے۔

☆ دنیاوی لالچ: دنیا پرستی انسان کے اندر سے عدالت کی برقراری کی فکر کو مار دیتی ہے۔ جب انسان اس طرح کے طمع کا شکار ہوتا ہے تو اس کے اندر ظلم کے مقابل اور ناجائز کاموں کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ امام خمینی اپنی کتاب سرالصلوٰۃ میں دنیا پرستی کو چھوڑ کر خدا کی عبادت کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پیغمبر اکرمؐ کی اس روایت کو نقل کرتے ہیں" اعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک، خدا کی عبادت کرو جیسا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو پس اگر تم اسے نہیں دیکھ رہا ہے وہ تجھے تو دیکھ رہا ہے۔" (۲۰)

امام خمینی کی سوچ میں قرآن و حدیث میں جو اس دنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ حقیقت میں اس دنیا کی مذمت نہیں ہے بلکہ اس دنیا سے محبت کرنے اور اس سے قلبی لگاؤ رکھنے کی مذمت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خیال میں انسان کے لئے دو دنیا ہے ایک ممدوح ہے اور دوسری مذموم ہے۔ جو چیز ممدوح ہے وہ یہ ہے کہ یہ دنیا تیاری کی جگہ ہے۔ اعلیٰ مقامات اور اکتساب کمالات اور ابدی سعادت حاصل کرنے کی جگہ ہے جب تک اس دنیا میں نہ آئے ان چیزوں کا حصول ناممکن ہے۔ پس امام خمینی کے نزدیک درج بالا حدیث میں دنیا سے لگاؤ اور اس سے قلبی محبت ہی مذموم ہے۔

☆ غیر موثر ہونے کا احتمال: لوگ سمجھتے تھے کہ ظلم و ناانصافی کے مقابلہ کو فوراً موثر ہونا چاہئے جبکہ عدالت کی برقراری کی کوشش میں نتیجہ و اثر کی توقع نہیں رکھنی چاہئے بلکہ ایک شرعی ذمہ داری کے طور پر اسے انجام دینا چاہئے۔ اس کے علاوہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ ظلم و ناانصافی کے خلاف ہمارے مقابلہ کا کیا فائدہ جب کوئی اسے قبول ہی نہیں کرتا، یوں وہ ذمہ داری سے اپنے آپ کو بری کر لیتے تھے۔

☆ اپنی عزت کا پاس: بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ جس معاشرہ میں ہر جگہ ظلم کا بول بالا ہو وہاں ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا نتیجہ سوائے اپنی بے عزتی کے اور کچھ نہیں۔ سرزنش و ملامت کے خوف سے وہ ظلم و ناانصافی کے مقابلے سے چشم پوشی کر لیتے تھے۔

امام خمینی کے خیال میں ایرانی قوم کو خواب غفلت سے جگانے اور دنیا کے مسلمانوں کو بیدار کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ عدالت طلبی کی فکر کو زندہ کیا جائے اور راہ حق میں جہاد کے تصور کو تقویت بخشی جائے۔

عدل وانصاف کی برقراری کے لئے امام خمینی کا پہلا قدم ۱۹۶۲ء میں اپنی کتاب ''کشف الاسرار'' کا لکھنا تھا۔ ایک مدت سے اسلامی معاشروں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فکر ختم ہو جانے کی وجہ سے اور مخالفوں کی طرف سے اسلامی اقدار کی نابودی کے لئے کی جانے والی کوششوں کے مقابلے میں کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی جا رہی تھی۔ اسی دور میں احمد کسری کے ایک شاگرد علی اکبر حکیمی زادہ کی طرف سے اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے ''اسرار ہزار سالہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی گئی اور یہ واقعہ ان چند سالوں کا ہے جو رضا خان کے جانے کے بعد اس کے بیٹے محمد رضا کے ابتدائی سال تھے۔ اس اقدام کے مقابلہ کے لئے سب سے پہلے جس نے قلم سے جہاد کا آغاز کیا وہ امام خمینی ہی تھے، امام خمینی نے ''کشف الاسرار'' لکھ کر مصنف کو منہ توڑ جواب دیا اور یوں اپنی تحریک کا آغاز کیا۔ (۲۱)

عدل وانصاف اور راہ خدا میں قیام کی ضرورت کے سلسلے میں امام خمینی کی تالیفات کے قیام اور مقابلہ ظلم کے احیاء کے سلسلے میں آپ کے نزدیک کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔

ایران میں امام خمینی کے فقہی نظریئے اور مجتہدانہ رائے کو انتہائی اہم اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ آپ اپنے متعدد ہم عصر مراجع اور فقہاء میں سے پہلے فرد تھے جنہوں نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو فقہی اور فتاوئ کی کتب میں اندازے سے زیادہ جگہ دے کر اس فکر کو زندہ کیا۔ امام خمینی نے اپنی کتاب ''تحریر الوسیلہ'' میں کہ جسے آپ نے ۱۹۶۴ میں اپنی جلاوطنی کے دوران ترکی میں تحریر کیا، میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں ایسے مسائل پر قلم اٹھایا ہے جن کو یقینی طور پر اسلامی انقلاب ایران کا محرک اور سبب قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپ نے اس کی دوسری جلد میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی چوتھی شرط کی بحث میں چھٹے مسئلے اور بعد کے چند مسائل میں فقہی فتوے کے طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں پہلی مرتبہ 'احتمال تاثیر' اور 'ضرر' کی بجائے اہمیت کا نظریہ پیش کیا، آپ چھٹے مسئلے میں کہتے ہیں:

> ''اگر معروف یا منکر ان امور میں سے ہو جو شارع مقدس (خدا اور رسول) کی نظر میں بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں مثلاً کسی مسلمان قبیلے کے افراد کی جان بچانا یا ان کی ناموس کی ہتک عزت کرنا، یا آثار اسلام کو نابود کرنا، اسلام کے بعض شعائر مثلاً خانہ کعبہ کو اس طرح نابود کرنا کہ اس کی نشانیوں اور اس کی جگہ کا پتہ نہ چلے تو اس قسم کے مسائل میں اہمیت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا کسی بھی قسم کے نقصان اگر چہ جان کا ہی کیوں نہ ہو یا مشقت کی وجہ سے تکلیف ساقط نہیں ہوگی، اگر اسلام کی دلیلوں کی حفاظت کسی ایک شخص یا بہت سے اشخاص کی جان دینے پر

موقوف ہوتو ظاہر یہ ہے کہ جان دینا واجب ہے۔'' (۲۲)

امام خمینی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ ظلم وستم اور ناانصافی کا مقابلہ کرنے کے لئے ''حرج و ضرر بلکہ ''احتمال تاثیر'' تک سے ''اہمیت'' کا مسئلہ زیادہ اہم ہے اور جہاں ''اہمیت'' ہو وہاں ظلم وستم کے مقابلے کے لئے جیل جانا، رسوائی مول لینا اور موثر ثابت نہ ہونے کا احتمال جیسے مسائل تو درکنار جان تک قربان کر دینا واجب ہے۔

اسی طرح آپ ساتویں مسئلے میں کہتے ہیں: ''اگر اسلام میں کوئی بدعت داخل تو اور مسلمانوں کے عقائد کے متزلزل ہونے کا سبب بنے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ہر ممکن طریقے سے منع کریں۔'' (۲۳)

اس بارے میں اہمیت کی حامل یہ بات ہے کہ امام خمینی کے نزدیک ''احتمال تاثیر'' کی کوئی وقعت نہیں ہے، کیونکہ ایک مسئلے کی اہمیت احتمال تاثیر اور ضرر وحرج جیسے مسائل سے بدرجہا زیادہ ہے دوسرا یہ کہ موثر واقع ہونے کے احتمال کی کوئی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اگر قلیل المیعاد تاثیر مقصود ہو تو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اہم طویل المیعاد تاثیر ہے جو کہ زیادہ جھڑپوں اور مقابلوں کے نتیجے میں آشکار ہوگی۔ تیسرا یہ کہ امام خمینی کے پیش نظر مقابلہ ظلم کا نہ تو عملی نتیجہ ہے اور نہ ہی اس کے علمی اثرات، بلکہ آپ نے اس کو ایک فرض کے طور پر پیش کیا ہے۔ آپ نے بعد میں بھی بارہا اس بات کو بیان کیا ہے کہ ہمارے نزدیک فرض کی ادائیگی اہمیت رکھتی ہے تاثیر وفتح وغیرہ نہیں۔

آپ آٹھویں مسئلے میں کہتے ہیں: ''اگر علماء دین اور مذہبی رہبروں کے خاموش رہنے کی صورت میں اس بات کا خوف ہو کہ برائیاں اچھی یا اچھائیاں بری بننے کا سبب بن جائے گا تو ان پر اپنے علم کو ظاہر کرنا واجب ہے چاہے یقین ہو کہ ان کا منع کرنا برائی کے انجام دینے والے پر کوئی اثر نہ ہو۔'' (۲۴)

اسی طرح امام خمینی نویں مسئلے میں رقمطراز ہیں: ''اگر علماء دین اور مذہبی رہبروں کا خاموش رہنا ظالم کی تقویت اور حمایت کا سبب بنے تو ان کا خاموش رہنا حرام ہے اور اپنے علم کو ظاہر کرنا واجب ہے چاہے ظلم کے برطرف ہونے میں موثر نہ ہی ہو۔''

غرض یہ ہے امام خمینی نے عدل وانصاف کے قیام، ظلم کے مقابلے کی فکر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو حیات نو دینے کے سلسلے میں جو نظریہ پیش کیا ہے وہ ''احتمال تاثیر'' اور ''ضرر'' کی بجائے ''اہمیت'' کی ترجیح پر استوار ہے۔ (۲۵)

امام خمینی نے دیگر مواقع اور مقامات پر بھی ظلم کے مقابلے اور معاشرے میں عدل وانصاف کی برقراری کی جانب بھرپور توجہ دی ہے۔ آپ نے یورپ میں مقیم طالب علموں کی اسلامی انجمنوں کی یونین کے خط کے جواب

میں تحریر کیا:

''آپ لوگوں کے مقاصد میں اسلام اور اس کی عدالت ایجاد کرنے والے احکام سرفہرست ہو نے چاہئے اور عدالت کی طلبگار اسلامی حکومت کے بغیر اس مقصد کا حصول ناممکن ہے۔ تولاّ اور تبرا اسلام کے دو بنیادی اصول ہیں۔ آپ لوگوں کو عدل کی حکومت کا حامی اور عادل حکمران کا گرویدہ ہونا چاہئے اور غیر اسلامی حکومت کہ جو پہلوی خاندان کے قبضے میں ہے سے بیزار ہونا چاہئے۔ دوٹوک الفاظ میں اپنی مخالفت کا اعلان اور اس کا تختہ الٹنے کی کوشش کرنی چاہئے ۔ وگرنہ تمہیں آزادی اور خودمختاری نصیب نہیں ہوگی۔'' (۲۶)

امام خمینی نے اس بات کو اجاگر کیا ہے کہ رسول خداؐ کے مبعوث ہونے کا مقصد ظلم کا مقابلہ اور عدل و انصاف کی برقراری سے عبارت ہے، آپ کہتے ہیں:

''رسول خدا کی بعثت اس واسطے تھی کہ آپ لوگوں کو ظلم کا قلع قمع کرنے کا راستہ سمجھا دیں۔ لو گوں کو بڑی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کا راستہ بتادیں۔ ظلم کی تاریکی کا خاتمہ کر کے اس کی جگہ عدالت قائم کریں اور آپ نے اس کا راستہ ہمیں سمجھا دیا ہے۔'' (۲۷)

امام خمینی کی نظر میں شیعہ ہونا مجاہد ہونے، ہمیشہ ظلم اور ناانصافی کے مقابلے پر تیار رہنے اور عدالت کی برقراری سے عبارت ہے۔ تشیع کی ذاتی اور حقیقی خصوصیت اس کا ظالم سے برسرِ پیکر رہنا ہی ہے۔ اس کا پتہ ائمہ اور ان کے پیروکاروں کی سیرت و کردار سے بھی پتہ چلتا ہے اور تاریخی واقعات بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک ائمہ اور ان کے حقیقی پیروکاروں کا لوگوں کی بیداری ان کی ہدایت و رہنمائی اور تمام پہلوؤں کے اعتبار سے ان کی دینی فکر کو زندہ کرنے کے سوا کوئی اور مقصد تھا ہی نہیں۔ اسی نظریے میں آپ کہتے ہیں:

''آغاز سے لے کر آج تک تشیع کی ایک ذاتی خصوصیت یہ رہی ہے کہ اس نے ہمیشہ ڈکٹیٹر شپ اور ظلم کے خلاف آواز اٹھائی ہے جو کہ پوری تاریخ شیعہ میں دکھا دیتی ہے گو کہ اس تحریک کو عروج بعض خاص زمانوں میں ہی حاصل ہوا۔'' (۲۸)

امام خمینی کے خیال میں اسلام کی بنیاد ظلم کے مقابلے مثبت فکر و کوشش پر رکھی گئی ہے۔ ملت اسلام اس مکتب کی پیرو ہے، جس مکتب کے دستور العمل کا خلاصہ دو کلموں میں ہوتا ہے۔ 'لا تظلمون و لا تظلمون '' نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ (۲۹)

امام خمینی کے نزدیک عدل و انصاف کی برقراری اور اس کی ترویج بنی نوع انسان کی انفرادی اور اجتماعی

مثالی زندگی کے لئے ازبس ضروری ہے اوراس سے روگردانی حق وحقیقت سے روگردانی کے مترادف ہے آپ کی نظر میں عدالت کی برقراری کی تگ ودوسب ہی کا فرض اور ذمہ داری ہے اور ایسی ذمہ داری ہے جس سے پہلوتہی نہیں کی جاسکتی۔

''اعتدال، عدالت طلبی اور صراط مستقیم سے الگ تھلگ ہونا غرق ہوجانے کے مترادف ہے جس سے اجتناب کرنا خدا تعالیٰ کی جانب سے فرض ہے۔''(۳۰)

آپ مزید کہتے ہیں:

''دنیا بھر کے لوگوں سے کہہ دو کہ حق کی راہ میں اور عدالت الٰہی کی برقراری کے لئے اور وقت کے مشرکین کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھنی چاہیے اور حق کو ابدیت سے ہمکنار کرنے کے لئے ہر شئے حتیٰ کہ اسماعیل ذبیح اللہ جیسے فرزند کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہئے۔''(۳۱)

امام خمینی کی سوچ میں اسلامی حکومت کی برقراری کا اپنا ایک بلندتر مقصد ہے یعنی ظلم کا صفایا اور معاشرے میں عدل وانصاف کے نفاذ کا سب سے بڑا اور قوی ترین ذریعہ ہے لیکن دوسری جانب یہ بھی جان لینا چاہئے کہ اسلامی حکومت کی اپنی بنیاد بھی عدالت پر استوار ہوتی ہے۔امام خمینی نے عدالت کی برقراری کی فکر کے احیاء اور تمام امور کی بنیاد عدالت کو قرار دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔آپ نے وصیت نامے میں تشکیل حکومت اور قوانین کے نفاذ کے حوالے سے ایک بنیادی اصول کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''عدل وانصاف کی بنیاد پر قوانین کا اجراء، ظالموں اور ظالم حکومتوں کے مقابلے میں مزاحمت کرنا اور انفرادی اور معاشرتی عدالت کی ترویج یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ جو انسانی تاریخ اور معاشرتی زندگی میں وقت گزرنے کے ساتھ پرانی ہوجاتی ہوں۔اس قسم کا دعویٰ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ موجودہ صدی میں عقلی اور ریاضی کے قواعد تبدیل اور ان کی جگہ نئے قواعد وضع کئے جانے چاہئیں۔''(۳۲)

امام خمینی اپنی وصیت نامہ میں رقمطراز ہیں: پیغمبر اسلامؐ تشکیل حکومت داد مثل سائر حکومتھای جھان لکن باانگیزۂ بسط عدالت اجتماعی (۳۳)''پیغمبر اکرمؐ نے دنیا بھر کی دیگر حکومتوں کی طرح ایک حکومت تشکیل دی لیکن آپ کا مقصد معاشرتی عدالت کا پھیلاؤ تھا۔''

امام خمینی نے نجف اشرف میں درس دیتے ہوئے اسلامی حکومت کی بحث میں معاشرتی عدالت کی

ضرورت پر زور دیا۔ آپ کے نزدیک اسلامی حکومت کا عظیم ترین مقصد عدالت کی برقراری اور عدالت پر مبنی قوانین کا نفاذ ہی ہے اور اسلام سوائے اس کے کچھ نہیں چاہتا۔ آپ کہتے ہیں:

''اسلام ایک ایسی عادل حکومت کا قیام عمل میں لانے کے لئے آیا ہے جس کے ٹیکس سے متعلق قوانین، بیت المال اور تمام طبقات سے ٹیکس کی وصولی یہ سب چیزیں عدل پر مبنی ہیں۔ نیز شریعت اسلام میں فیصلے اور قانون سے متعلق اصولوں کو عدل اور آسانی پر مبنی اسلوب کے مطابق وضع کیا گیا ہے۔'' (۳۴)

مزید برآں امام خمینی نے عدل وانصاف کی برقراری کے لئے انتظارِ ظہور امام مہدی کے مثبت مفہوم کو قبول کیا۔ جیسا کہ آپ بیان کرتے ہیں:

''ہم سب ظہور امام کا انتظار کر رہے ہیں، ہمیں اس انتظار میں خدمت کرنی چاہئے۔ ظہور امام کا انتظار در حقیقت اسلام کا انتظار ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ اسلام دنیا بھر میں طاقت حاصل کرے اور ظہور امام کا راستہ ہموار ہو جائے۔'' (۳۵)

واضح رہے کہ شہنشاہ پہلوی کے دور میں انتظار ظہور امام مہدی کا مثبت ساز رخ غلط فہمیوں اور تحریفات کی نذر ہو گیا تھا۔ اس دور میں امام خمینی کے نزدیک چند اہم غلط نظریات درج ذیل ہیں:

۱۔ تعجیل ظہور امام کی دعا ہی کافی ہے مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ انتظار ظہور کے معنی یہ ہیں کہ ہم پر کوئی ذمہ داری اور فرض عائد نہیں ہوتا ہے۔

۳۔ حضرت امام مہدی کا ظہور اس بات پر موقوف ہے کہ دنیا میں گناہ زیادہ ہوں اس لئے گناہوں کو دیکھ کر خاموش رہنا چاہئے۔

۴۔ گناہوں کو دیکھ کر خاموش رہنے کے علاوہ امام مہدی کے ظہور کے لئے گناہوں کا ارتکاب بھی جائز ہے۔

۵۔ غیبت امام مہدی کے زمانے میں حکومت تشکیل دینا صحیح نہیں ہے۔

امام خمینی نے ان تمام نظریات کو ٹھکرا دیا۔ انہیں اسلامی معاشرے کو زوال کا سبب قرار دیا اور ایسے نظریات کا مقابلہ کرنے کو ضروری اور ہر مسلمان کا فرض گردانا۔ ان نظریات کے مقابلے میں آپ کا نظریہ یوں تھا:

''اگر ظلم کی روک تھام کر سکیں تو ہمیں ایسا کرنا چاہئے، یہ ہمارا فرض ہے۔ یہ اسلام کے مسلمات میں سے ہے اور قرآن کریم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم خود سب کام انجام دیں لیکن ہم سب کچھ

انجام نہیں دے سکتے ہیں۔اس لئے امام زمانہ (امام مہدی) کو آنا ہے تا کہ وہ تمام کام انجام دیں۔لیکن ہمیں چاہئے کہ راستہ ہموار کریں۔اسباب و وسائل مہیا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کام کو قریب تر کردیں۔اس طرح کام انجام دیں کہ صاحب العصر کے ظہور کے لئے دنیا آمادہ ہو جائے۔"(۳۶)

امام خمینی نے عدل وانصاف کی برقراری کے حوالے سے جن دینی عقائد کو زندہ کیا ان میں "جہاد" کے مفہوم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔جہاد کا مفہوم امام خمینی کے نزدیک ایک بلند اوراہم مقام کا حامل ہے آپ معتقد تھے کہ عقیدہ جہاد کی موت ہی اسلامی معاشرے کی تمام مشکلات کا سبب ہے۔آپ کہتے ہیں:

"خودغرضی اور راہ خدا میں جہاد نہ کرنے کی وجہ سے آج ہمیں یہ برے دن دیکھنے پڑ رہے ہیں اسی وجہ سے دنیا کے لوگ ہم پر مسلط ہو چکے ہیں اور اسلامی مما لک پر دوسروں کا قبضہ ہو چکا ہے۔"(۳۷)

امام خمینی نے جہاد کو ایک قرآنی مسئلہ قرار دیا۔آپ کے نزدیک قرآن اور اسلام اٹھ کھڑے ہونے کی بیداری، جہاد، معاشرے میں عدل وانصاف کی برقراری، عظیم انسانی اقدار کو معرض وجود میں لانے والی سعی و کوشش کا حکم دینے والا مکتب ہے۔اس بارے میں آپ کا قول یوں ہے:

"اسلام حرکت وجنبش کا مکتب ہے۔قرآن کریم حرکت، طبیعیات سے غیب کی طرف مادیات سے معنویات کی جانب حرکت اور عادل حکومت کے قیام عمل میں لانے کے لئے حرکت میں لا نے کی کتاب ہے۔"(۳۸)

امام خمینی جہاد اور اٹھ کھڑے ہونے کو ایک جارحانہ نہیں بلکہ دفاعی الہی، مقدس، ضروری، ناگزیز وقتی اور عارضی نہیں بلکہ دائمی، ابدی، بلند پایہ اور مقدس فریضہ جانتے ہیں۔امام خمینی کے نظریات کی بنیاد جہاد فی سبیل اللہ پر استوار ہے آپ کے خیال میں ایک جہاد اپنے نفس کے ساتھ کیا جاتا ہے جو جہاد اکبر کہلاتا ہے دوسرا دوسروں کے ساتھ کیا جاتا ہے جو جہاد اصغر کہا جاتا ہے۔یہ ایسا جہاد ہے جس کی ماہیت اور حقیقت الہی اور خدائی ہونے سے بنتی ہے۔

عدل وانصاف کی برقراری کے حوالے سے امام خمینی کا اہم ترین کام یہ ہے کہ آپ نے شہادت کی طلب گاری اور خدا کاری کا جذبہ اسلامی معاشرے میں زندہ کردیا۔ایران اور دیگر اسلامی معاشروں میں مادیات کے تسلط نے لوگوں سے راہ خدا اور معنویات کے لئے فداکاری کرنے کا جذبہ ان سے چھین لیا تھا ایسے افراد بہت ہی کم

تھے جو دین اسلام کے مقاصد کے لئے راہ خدا میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ظلم وستم کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ تھے۔ امام خمینی نے ایک جانب اس مسئلے کا ادراک کیا اور دوسری جانب راہ خدا میں فداکاری، عدل وانصاف کی برقراری اور ظالموں وجابروں سے رہائی کی ضرورت اور اس بات کو محسوس کیا کہ اس نظریئے کو صرف عدالت کاری، ظلم کا مقابلہ کرنے اور اسکے راستے میں فداکاری کرنے جیسے عقیدے کے ذریعے ہی عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا آپ فداکاری اور شہادت کے جذبے کو زندہ کرنے کی خاطر معنوی اور اخلاقی عقائد کی بنیادوں کی ضرورت پر اس طرح زور دیتے ہیں:

''میں یہ باور نہیں کرسکتا کہ معنوی بنیادوں سے تہی داماں کوئی شخص لوگوں کیلئے کام کرسکتا ہو۔ جبکہ یہ بات عقل میں آنے والی ہے کہ جو لوگ معنوی بنیادوں کے حامل ہیں جو خدا کے قائل ہیں، جو جزاء کے معتقد ہیں۔ جو عطائے پروردگار کے قائل ہیں ان میں سے کوئی اپنی جان فدا کردے اور اس سے بہتر جان حاصل کرلیں۔ اپنا سب کچھ راہ خدا میں لٹادے اور اللہ تعالی سے اس سے کہیں زیادہ اس قدر زیادہ پالے کہ جس کو نہ کوئی آنکھ دیکھ سکنے کا ارادہ رکھتی ہو اور نہ ہی کوئی کان سن سکنے کی سکت۔'' (۳۹)

امام خمینی حق کے استحکام اور باطل کی نابودی کے لئے شہادت اور فداکاری کو ضروری جانتے ہیں یعنی اگر حکومت اپنے باطل راستے پر اڑی رہے تو پھر اس کے مقابلے میں قتل ہو جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے ایک انٹرویو کے دوران پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں کہا:

''ہمارے حامی گولیوں کا نشانہ بننا نہیں چاہتے ہیں۔ وہ اپنا حق حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ شاہ ہے جو ان کے قتل کا حکم صادر کرتا ہے۔ البتہ حق کے حصول کے لئے گولیوں کا سامنا کرنا ضروری ہے۔'' (۴۰)

اب ہم امام خمینی کے بیانات وپیغامات کی روشنی میں عدالت اجتماعی کی تعریف اور اس کی بنیادوں کے بارے میں تبصرہ کریں گے، بعد میں اس کے مختلف پہلو کا مرحلہ آئے گا۔

امام خمینی اور عدالت اجتماعی:

امام خمینی کی نگاہ میں اسلامی نظام کی تشکیل کا اولین ہدف عدالت اجتماعی اور انصاف کا قیام ہے تا کہ عدل وانصاف کے سائے میں زندگی گزار سکیں اور اس عادلانہ نظام کے پرچم تلے انسانی کمالات پاسکیں۔ امام خمینی کی نظر میں عدالت اجتماعی کا معنی یہ ہے کہ انسانی طبقات کے درمیان عمیق فاصلے، ناانصافی اور محرومیتوں کا خاتمہ ہو

۔معاشرے کے مستضعفین اور فقراء جو سب سے زیادہ مطمئن اور انقلاب کے سب زیادہ وفادار ہیں وہ اس بات کا احساس کریں اور مشاہدہ کریں کہ نظام میں محرومیتوں کو ختم کرنے کیلئے واقعی اور صادقانہ کوشش کی جارہی ہیں۔اسی بنیاد پر طویل جہاد کا اصلی ہدف اور ایران کے انقلابی مسلمانوں کی کوششوں اور اسلامی انقلاب کی ذمہ دار شخصیتوں کا مقصد معاشرے میں عدل کا قیام اور اسلامی قسط (عدالت) کے مقدمات کو لوگوں کے لئے فراہم کرنا ہے۔امام خمینی کی نگاہ میں عدالت اجتماعی کی بنیاد تین چیزوں ہر ہے اور اجتماعی نظام کے تمام معماروں، مدیروں اور سیاست دانوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ اداروں اور دفاتر کی تشکیل کے وقت ان چیزوں کو مدنظر رکھیں۔

(۱)عادلانہ قوانین:

پہلی بنیاد عادلانہ قوانین ہیں جو اسلام پر اعتقاد رکھنے والوں کی نظر میں صرف اسلامی قوانین ہی ہیں۔کیو نکہ اسلام کے قوانین کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے۔خدائے حکیم جو تمام عالم کے اسرار ورموز سے آگاہ ہے وہ اسلامی معاشرے کے تمام قوانین کو دنیا کی طبیعت اور فطرت کے مطابق قرار دیتا ہے۔اگر الٰہی قوانین معاشرے میں نافذ کردیئے جائیں تو پھر عدل اپنے واقعی معنی میں قائم ہوجائیگا۔

(۲)عادلانہ قوانین کو اجرا کرنے والے عادل اور باتقویٰ افراد:

دوسری بنیاد ان عادلانہ قوانین کو نافذ کرنے والے افراد ہیں۔اگر قوانین عادلانہ ہوں لیکن ان کو اجراء کر نے والے افراد عادل نہ ہوں تو پھر معاشرے میں عدل اجتماعی قائم نہیں ہوسکتا۔اگر قوانین کے نافذ کرنے والے اچھے افراد نہ ہوں تو بہترین قوانین تعطل کا شکار ہوجاتے ہیں جیسا کہ گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں کے معاشرے میں اسلامی قوانین کا اجراء نہ ہوسکا۔اسی وجہ سے اسلام کی نظر میں قوانین کو اجرا کرنے والے افراد یعنی اجرائی ادارے کی ذمہ دار شخصیت کو عادل ہونا چاہئے اور وہ باتقوی ہو اور قوانین واجرائے قوانین پر کڑی نظر رکھتی ہو۔

(۳)عوام کی آگاہی اور نگرانی:

امام خمینی کے خیال میں تیسری بنیاد کے بارے میں سب سے اہم نکتہ عدالت کے اجراء کے سلسلہ میں خود عوام ہیں۔اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اجتماع میں حقیقی عدالت کا اجرا ہو تو پھر لوگوں کو اجتماع میں کامل طور پر ہر حاضر ہو کر اپنا کردار کو ادا کرنا ہوگا۔لوگوں کو اپنے حقوق کو سمجھنا چاہئے اور عدالت کا اجراء عادلانہ حقوق کی ضمانت ہے۔آپ کی سوچ میں اسی وجہ سے اسلام نے لوگوں کو فہم وادراک کی طرف بہت توجہ دلائی ہے۔اسلام یہ نہیں کہتا کہ قوانین کا نافذ کرنے ہوں یا نہیں بس عدالت ان کے درمیان نافذ ہونی چاہئے ایسا نہیں ہے۔بلکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ لوگوں کو اپنے حقوق کے بارے میں واقفیت ہونی چاہئے۔اگر لوگ اپنے حقوق کے بارے میں واقف ہوں

اور اپنے حقوق طلب کریں تو عدالت کا اجراء یقینی طور پر ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے امیر المومنین کی عادلانہ حکومت کے زمانے میں معاشرے میں اسلامی قوانین حاکم تھے۔ اسلامی حکومت کی سربراہی حضرت علی ابن ابی طالب جیسے شخص کے ہاتھ میں تھی جو مجسمہ عدل تھے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت علی کی پوری کوشش یہ تھی کہ لوگ اپنے حقوق کے بارے میں آگاہی رکھیں تاکہ حکومت میں موجود مختلف گورنر اور عہدیدار عدل کے راستے سے انحراف نہ کرسکیں۔

معاشرے میں عدالت کا اجرا:

امام خمینی کے نزدیک اسلامی معاشرے میں حسب ذیل تینوں نکات ایک ساتھ انجام پانے چاہئیں

۱۔ مجلس شوریٰ اسلامی کے توسط سے عادلانہ اسلامی قوانین کی تصویب ہونی چاہئے جو قوانین پورے طور پر اسلامی احکام پر مبنی ہوں۔

۲۔ حکومت اور قوانین کو اجراء کرنے والے ادارے خصوصا ملک کی عدالت سو فیصد اسلامی قوانین کے مطابق لوگوں کے حقوق کی رعایت کرے اور اسلامی قوانین کے اجراء میں کوتاہی نہ کرے۔

۳۔ لوگوں کو ان کے حقوق کے بارے میں آگاہ کرے۔ مفکرین، مقررین، مؤلفین اور عوام کو اپنے حقوق کے بارے میں آگاہ ہونا چاہئے اور انہیں اپنے حقوق طلب کرنے چاہیے۔

امام خمینی کی نظر میں عدالت اجتماعی کے مختلف پہلو:

۱۔ مستضعفین، محروموں، غرباء اور مظلوموں کی حمایت اور ان پر خاص توجہ دینے کا اصول:

امام خمینی کا بنیادی نظریہ کمزوروں اور مظلوموں کے دفاع اور ظالموں اور جابروں کے خلاف اعلان جہاد سے عبارت ہے۔ یہ مسئلہ آپ کی تحریک کے حرف اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک مقام پر آپ نے تیسری دنیا کے عوام پر سامراج کے مسلط ہونے کے طریقہ کار پر گفتگو کی اور غیروں کے ہاتھوں طبقاتی اختلاف پیدا کرنے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:

> ''ہمارا فرض ہے کہ ہم مظلوموں کی پشت پناہی کریں اور ظالموں کے خلاف نبرد آزما ہو جائیں۔'' (۴۱)

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے موقع پر آپ نے اسلامی معاشرے میں پائی جانے والی غربت اور ناانصافی کے خاتمے کے سلسلے میں کہا:

> ''غرباء اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہیں۔ ان کی ضروریات پوری ہونی چاہئے۔ اللہ تعالی کا حکم ہے کہ ہم ان کی دستگیری کریں۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ ثروتمند لوگ ان سے لاتعلق رہیں اور یہ بے چارے

کسمپرسی کی زندگی بسر کریں۔اب طاغوت کے زمانے کی پالیسیوں پر عملدرآمد نہیں کیا جائے گا یہ لوگوں کے لئے خطرہ ہیں۔'' (۴۲)

محروم اور آفت زدہ طبقے پر خاص توجہ دینے کے سلسلے میں آپ نے کہا:

''اسلامی نظام میں محروم طبقے اور آفت زدہ افراد کو حکومت کی جانب سے خاص توجہ کا مرکز ہونا چاہئے ان کی محرومیوں کا دور کرنا اور معاشرے کے قدرت مند افراد کے مقابل میں ان کا دفاع کرنا یہ اسلامی حکومت اور ملکی عدلیہ کی ذمہ داری ہے۔ پارلیمنٹ کے ممبر حضرات قانون کی تصویب میں محروم افراد کی مدد کو اپنی اہم ذمہ داری قرار دیں۔ ملک کے پروگراموں میں شاہ کے دور کے مستضعف و محروم افراد کی نجات پر زیادہ توجہ دینی چاہئے اور منتخب نمائندوں کو چاہئے کہ منظور شدہ قوانین کے تحت محروموں اور پسماندگان کی مدد کو اپنی سرفہرست ذمہ داریوں میں قرار دیں۔ ملک کے ترقیاتی منصوبوں کی تربیت میں سب سے بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ان محتاجوں پسماندگان اور کمزوروں کو فقر و غربت سے نجات دلائی جائے جو شاہی استبداد اور غیروں کے تسلط کے ستائے ہوئے ہیں۔'' (۴۳)

(۲) بے درد آزمائش پسندوں اور ذخیرہ اندوزوں کو راہ راست پر لانے کا اصول:

امام خمینی کی سوچ میں اسلامی معاشرے میں عدالت اجتماعی کی برقراری جیسے نظریئے کو عملی جامہ پہنانے کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ بے درد آسائش پسندوں، ذخیرہ اندوزوں اور ان لوگوں کو راہ راست پر لایا جائے جو ذخیرہ اندوزی کے ذریعے معاشرے میں طبقاتی اختلاف، غربت اور ناانصافی کا باعث بنتے ہیں۔آپ کی نظر میں یہ اسلام کا بنیادی اصول ہے اور اسلام نے بے درد آسائش پسندوں، سرمایہ داروں اور عالمی لیٹروں کو لگام دینے کو اپنی پالیسیوں میں سرفہرست رکھا ہے اور اسلامی حکومت فقہاء، دانشوروں اور اسلامی معاشرے کے ہر فرد کا فرض ہے کہ اس جہاد میں حصہ لے۔آپ اس سلسلے میں کہتے ہیں:

''وہ تمام لوگ جن کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے اگر وہ لوگ غور نہیں کریں گے تو پھر ہم خود سوچیں گے ایسا نہیں ہے کہ ہم غور کریں، جن کے پاس ثروت کی بہتات ہے ہم خود ان کا حساب کتاب کا جائزہ لیں گے۔'' (۴۴)

(۳) طبقاتی (اقتصادی) خلیج کی نفی کا اصول:

طبقاتی خلیج اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ معاشرے میں بسنے والے امیر اور غریب کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ پایا جاتا ہے۔اس فاصلے کے ہوتے ہوئے غریب کو اپنی غربت کا احساس ہوتا رہتا ہے اور امیر یہ سمجھتا ہے کہ

مال ودولت کے بل بوتے پر وہ دوسروں سے برتر ہے۔ طبقاتی خلیج اس بات کی عکاس ہوتی ہے کہ معاشرے میں غر بت پائی جاتی ہے اور ایک خاص طبقہ حد سے زیادہ مال ودولت کا مالک ہے۔ امام خمینی اس بارے میں کہتے ہیں:

''اب یہ نہیں ہونے دیا جائے گا کہ ایک طبقہ بہت بلندی پر ہو اور ان کی کار، پارک وغیرہ جیسی ہر خواہش بطریق احسن پوری ہو جبکہ دوسرا طبقہ جھونپڑیوں میں زندگی بسر کرے جیسا کہ تہران کے گردونواح کی صورت حال ہے اس کی کوئی اسلامی منطق ہے اور نہ یہ بات انصاف کے تقاضوں پر پوری اترتی ہے۔ اس طبقاتی اختلاف کو دور کرنے کے لئے چارہ جوئی کیجئے۔ اعتدال ہونا چاہئے۔ اسلام چاہتا ہے کہ اعتدال ہو۔'' (۴۵)

(۴) حکومت کی نگرانی میں آزاد اقتصاد:

امام خمینی ذخیرہ اندوزی، طبقاتی فاصلے اور غربت کے خاتمہ کی بات کرتے ہیں۔ بلکہ آپ معاشرے میں اجتماعی عدالت کی برقراری اور اقتصاد کی دائرہ اعتدال میں رکھنے کے حوالے سے حکومت کی نگرانی کے بھی قائل تھے آپ کے خیال میں اسلامی حکومت کے دو بنیادی فرائض ہیں: ایک یہ کہ حکومت محرموں اور کمزوروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے پالیسیاں وضع کرے۔ دوسرے یہ کہ معاشرے میں روزگار کے مواقع فراہم کرنا تا کہ اقتصادی خلیج کم کی جا سکے اور لوگ درمیانے درجہ کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں تا کہ ایسا نہ ہو کہ ایک طبقہ بے حساب مال و دولت سمیٹ لے اور دوسرے لوگ غربت اور فاقہ کشی میں مبتلا ہو جائیں۔ اس سلسلے میں آپ کا نکتہ نظر یوں ہے:

''اس بات کی وضاحت کہ اسلامی اقتصاد کا مقصد:

الف۔ محروموں کے مفادات کا تحفظ اور ان سب کے شریک ہونے کی ترویج۔

ب۔ اسلام کا ذخیرہ اندوزوں کے خلاف اقدام جو کہ انسان کے لئے غربت اور ناداری سے نجات پانے کی خوشخبری اور تحفہ شمار ہوتا ہے اور اس حقیقت کا بیان کہ دولت مند افراد کو دولت کی بنیاد پر اسلامی حکومت میں غریبوں پر کسی طرح کی برتری حاصل نہیں ہوگی اور انہیں ہرگز ترجیح نہیں دی جائے گی۔ یقیناً معاشرے کے مفلس افراد کی خوابیدہ اور پائمال کی گئی صلاحیتوں کے نکھار اور ان کے پروان چڑھنے کا راستہ ہموار کرے گا۔'' (۴۶)

(۵) قانون میں مساوات:

امام خمینی کے نزدیک اسلامی نظام میں تمام افراد چاہے کسی طبقے سے ہوں، کسی بھی منصب پر فائز ہوں، قانون کے سامنے سب برابر ہیں، جیسا کہ آپ کہتے ہیں:

''اسلامی نظام میں معاشرے کے تمام افراد قانون کی نظر میں یکساں ہیں، اسی طرح اسلامی ملک کے خداداد امکانات سے استفادہ کے لحاظ سے تمام افراد مساوی ہیں اور ملکی وسائل سے

بہرہ مندی کے سلسلے میں سب ایک جیسے ہیں کوئی بھی طاقت نا انصافی اور ظلم نہ کرے، اور کوئی بھی شخص خلاف قانون اپنے ارادے اور نظریہ کو دوسروں پر نہ تھوپے۔'' (۴۷)

(۶) یکساں طور پر حدود الٰہی کا اجراء:

امام خمینی کی نگاہ میں حدادالٰہی کے اجراء میں تمام افراد برابر ہیں لہٰذا آپ اسلامی نظام کے عہدیداروں اور ذمہ داروں کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اسلامی قوانین اور حدود الٰہی کا اجراء بلاتفریق مساوی طور پر کریں۔ آپ کہتے ہیں:

''عدالت کے اجراء کے لئے حدود الٰہی اور انسانی واجتماعی حقوق کو یکساں طور پر لوگوں کے درمیان رائج ہونا چاہئے اور وہ افراد جو فریب کے ذریعے یا غلط طریقوں سے ایسی چیز حاصل کر چکے ہوں جو ان کا حق نہیں انہیں اس طریقے پر چلنے کی مزید فرصت نہیں دینی چاہئے اور نظام کا طریقہ اور تشکیلات اسی انداز سے ہونی چاہئے۔'' (۴۸)

اب ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ عدالت اجتماعی کے حوالے سے ان نکات کو بیان کیا جائے جو امام خمینی نے ایرانی صدر کے نام ایک خط میں تاکید کے ساتھ بیان کئے جو کہ حسب ذیل ہیں:

(الف) منابع عمومی اور امکانات کی بہترین طریقے سے صحیح تقسیم۔

(ب) آمدنی کے لحاظ سے ٹیکس دریافت کرنا۔

(ج) عدلیہ اور حکومت کی خدمات کے حوالے سے معاشرے کے مستضعف طبقے کی واقعی اور قانونی حمایت۔

(د) مختلف شعبوں میں دیہاتوں اور محروم علاقوں کی طرف زیادہ توجہ کرنا اور ان کی زیادہ مدد کرنا جیسے روزگار ذرائع فراہم کرنا، حفظان صحت پر توجہ، اور تعلیمی وثقافتی سرگرمیوں میں وسعت دینا۔

(ھ) ناجائز اور نادرست آمدنی کے طریقوں کی روک تھام کے لئے مناسب تدابیر کا عمل میں لانا۔

(و) صلاحیتوں کی برتری کے لحاظ سے مختلف روزگار کے مواقع فراہم کرنا اور علاقوں کی ضرورت پوری کرنا۔

(ز) اجتماعی نظام کی بہتری اور وسعت۔ (۴۹)

حوالہ جات

(۱) سورہ قصص، آیت: ۵

(۲) شیرازی، ناصر مکارم، تفسیر نمونہ، (مترجم: صفدر حسین نجفی)، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور، ۱۴۱۷ھ
ج۹، ص: ۳۷، ۳۸

(۳) سورہ نساء، آیت: ۷۵

(۴) خمینی، روح اللہ، الحکومۃ الاسلامیہ، کتاب خانہ بزرگ اسلامی، ایران، تہران، خیابان شہید احمد احمدی،
بلاک ۲۲۱، س ن، ص: ۳۶

(۵) مقدس، ڈاکٹر اصغر، امام خمینی اور احیائے فکرِ دینی، ج ۲، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، طبع دوئم، ۲۰۰۹،
ص: ۴۱۵

(۶) ایضاً، ص: ۱۶

(۷) خمینی، روح اللہ، صحیفہ نور، ج ۲۱، انتشارات شرکت سہامی چاپ خانہ، وزارت ارشاد اسلامی، ایران،
۱۳۶۱ش، بمطابق ۱۹۸۲ء، ص: ۲۰۲، ۲۰۳

خمینی، روح اللہ، وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران،
۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸ء، ص: ۸۷

(۸) خمینی، روح اللہ، صحیفہ نور، ج ۲۱، انتشارات شرکت سہامی چاپ خانہ، وزارت ارشاد اسلامی، ایران،
۱۳۶۱ش، بمطابق ۱۹۸۲ء، ص: ۲۰۲

خمینی، روح اللہ، وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران،
۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸ء، ص: ۸۶

(۹) خمینی، روح اللہ، کلمات قصار، پندھا وحکمت ھا، موسسہ تنظیم ونشر آثار، امام خمینی، چاپ ہفتم زمستان،
۱۳۷۸ش (موسم سرما ۱۹۹۹ء)، ص: ۲۲۱

(۱۰) امام خمینی کا الٰہی سیاسی وصیت نامہ، ص: ۳۲

(۱۱) امام خمینی کا اور احیائے فکرِ دینی، ج ۲، ص: ۴۱۷

(۱۲) امام خمینی کا الٰہی سیاسی وصیت نامہ، ص: ۳۳

(۱۳) خمینی، روح اللہ، آئین انقلاب اسلامی، امام خمینی کے افکار و نظریات کا منتخب مجموعہ، موسسہ تنظیم و نشر آثار، بین الاقوامی امور، ۱۹۹۶ء، ص: ۴۱۶

(۱۴) ایضاً، ص: ۴۱۷

(۱۵) سورہ بقرہ، آیت: ۱۹۵

(۱۶) ذاکری، علی اکبر، اخلاق مسئولان نظامی اسلامی، موسسہ چاپ و نشر عروج، تہران، س ن ص: ۳۵

(۱۷) سورۃ آل عمران، آیت: ۱۰۴

(۱۸) خمینی، روح اللہ، امر بالمعروف و نہی المنکر امام خمینی کی نگاہ، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، طبع اول، ۲۰۰۶ء، ص: ۱۸

(۱۹) کلینی، شیخ محمد یعقوب، فروع کافی، ج ۵، ظفر شمیم پبلی کیشنز ٹرسٹ، ۱۹۶۶ء ص: ۵۸

(۲۰) خمینی، روح اللہ، سر الصلوٰۃ (معراج السالکین و صلوٰۃ العارفین)، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، چھاپ ہشتم، ۱۳۸۱ش، بمطابق ۲۰۰۳ء، ص: ۸

(۲۰) جمشیدی، محمد حسین، ''امام خمینی کے سیاسی نظریئے میں مقابلہ ظلم اور اسلام کی عدالت طلبی کی فکر کا احیاء''، امام خمینی اور احیائے فکرِ دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)، ج ۲، ص: ۸۷

(۲۱) خمینی، روح اللہ، تحریر الوسیلہ، ج ۲، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۹۹۷ء، ص: ۳۰۵

(۲۲) ایضاً

(۲۳) ایضاً

(۲۴) ایضاً

(۲۵) جمشیدی، محمد حسین، ''امام خمینی کے سیاسی نظریئے میں مقابلہ ظلم اور اسلام کی عدالت طلبی کی فکر کا احیاء'' امام خمینی اور احیائے فکرِ دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)، ج ۲، ص: ۸۱

(۲۶) صحیفہ نور، ج ۲، ص: ۱۷، ۱۸

(۲۷) صحیفہ نور، ج ۱۷، ص: ۲۵۲، ۲۵۳

(۲۸) جمشیدی، محمد حسین، ''امام خمینی کے سیاسی نظریئے میں مقابلہ ظلم اور اسلام کی عدالت طلبی کی فکر کا احیاء'' امام خمینی اور احیائے فکرِ دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)، ج ۲، ص: ۸۳

(۲۹) سورہ بقرہ، آیت:۲۷۹
(۳۰) کلمات قصار، پندھا وحکمت ھا، امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، چاپ پنجم، ۱۳۷۸ش بمطابق ۱۹۹۹ء، ص:۲۱۹
(۳۱) ایضاً
(۳۲) صحیفہ نور، ج ۲۱، ص:۱۷۷
(۳۳) خمینی، روح اللہ، وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸ء، ص:۲۳
(۳۴) جمشیدی، محمد حسین، ''امام خمینی کے سیاسی نظریے میں مقابلہ ظلم اور اسلام کی عدالت طلبی کی فکر کا احیاء'' امام خمینی اور احیائے فکرِ دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)، ج ۲، ص:۸۹
(۳۵) صحیفہ نور، ج ۷، ص:۲۵۵
(۳۶) صحیفہ نور، ج ۲۰، ص:۱۹۸، ۱۹۹
(۳۷) جمشیدی، محمد حسین، ''امام خمینی کے سیاسی نظریے میں مقابلہ ظلم اور اسلام کی عدالت طلبی کی فکر کا احیاء'' امام خمینی اور احیائے فکرِ دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)، ج ۲، ص:۹۴
(۳۸) صحیفہ نور، ج ۴، ص:۵۳
(۳۹) جمشیدی، محمد حسین، ''امام خمینی کے سیاسی نظریے میں مقابلہ ظلم اور اسلام کی عدالت طلبی کی فکر کا احیاء'' امام خمینی اور احیائے فکرِ دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)، ج ۲، ص:۹۶
(۴۰) ایضاً، ص:۹۸
(۴۱) خمینی، روح اللہ، ولایت فقیہ، ص:۲۸
(۴۲) خمینی، روح اللہ، نسل کوثر، تحقیق اسلامی ثقافتی مرکز، مترجم: معارف اسلام پبلشرز، نور مطاف، ایران، چھاپ سوئم، ۱۳۸۳ش بمطابق ۲۰۰۴ء، ص:۹۹
(۴۳) ایضاً، ص:۱۸۱
(۴۴) صحیفہ نور، ج ۱۰، ص:۵۰
(۴۵) صحیفہ نور، ج ۸، ص:۳۶
(۴۶) صحیفہ نور، ج ۲۰، ص:۱۲۸

(۴۷) خمینی، روح اللہ، نسل کوثر، تحقیق اسلامی ثقافتی مرکز، ص:۱۸۱

(۴۸) ایضاً، ص:۷

(۴۹) ایضاً، ۱۸۰

باب ہفتم:

اسلامی جمہوریہ ایران کی خارجہ پالیسی

شاہ کے دور میں ایران کی خارجہ پالیسی امریکی وفرانسیسی اور ساواک کے بڑے طے کرتے ہیں۔ البتہ چندافراد ایسے تھے جوصرف ایرانی ہونے کی حیثیت سے کام کرتے تھے یعنی وہ ایرانی مفادات کو سامنے رکھ کر خارجہ پالیسی کے اصولوں پر عمل کرتے ہیں۔ اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ملی گر(قوم پرست)اور لیبرل قسم کے لوگ جن کا جھکاؤ مغرب کی طرف تھا اور اسلامی انقلاب کی ماہیت ان کے موافق نہ تھی، انہوں نے وزارت پر قبضہ جمانے کی کوشش کی۔ انقلاب اسلام کے دوسال تک ایرانی وزارت خارجہ چار ایسے افراد کے ہاتھوں میں رہی جن میں سے ہرایک یا تو ملی گر(قوم پرست) نظریئے کا حامل تھا یا مغرب کی طرف جھکاؤ رکھنے والا فرد۔ جبکہ وزارت کارجہ سے وابستہ کئی افسران جنھوں نے بیرونِ ملک جا کر انقلاب کے خلاف ریشہ دوانیاں بھی کیں اور حتی المقدور کوشش کی کہ کسی طرح سے انقلاب ناکام ہوجائے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ دوسرے تمام عناصر کی طرح وزارت خارجہ سے وابستہ کئی افراد جانے انجانے میں انقلاب کے مخالف کے طور پر سامنے آئے۔ امام خمینی نے خارجہ پالیسی کو برمحل اور درست انداز میں وضع کرنے کیلئے فعال اور جدت پر مبنی حکمت عملی کو ترتیب دے دیا۔ تبدیلی کے عمل میں اولین طور پر ان لوگوں کو برطرف کیا گیا جو انقلاب کے حامی نہیں تھے اور ایسے لوگوں کو رکھا گیا جو انقلاب کے اصلی موقف کی حمایت کرتے تھے۔ اب تک بہت سے موثر اقدامات ایران کی خارجہ پالیسی کے سلسلہ میں کئے گئے ہیں۔ ہم ان اقدامات سے تبصرہ ضرور کریں گے۔ مگر اس سے پہلے ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ ایران کی خارجہ پالیسی کے اصول پر مختصر بحث کریں۔

اسلامی جمہوریہ ایران کی خارجہ پالیسی کے اصول:

۱۔ اسلامی جمہوریہ ایران کی خارجہ پالیسی کی بنیاد ہر قسم کی بالادستی قائم نہ کرنے یا بالادستی کو قبول نہ کرنے اور ہرمیدان میں اپنے استقلال کو قائم رکھنے، ملکی استحکام برقرار رکھنے، تمام مسلمانوں کے حقوق سے دفاع کرنے، بالادستی قائم کرنے والی حکومتوں سے کوئی معاہدہ نہ کرنے اوران متعدل حکومتوں کے ساتھ اچھے روابط رکھنے پر استوار ہے۔(۱)

۲۔ ہرقسم کے معاہدے جو ملک کے قدرتی، اقتصادی، تعلیمی اورفوجی یا دوسرے وسائل پر غیروں کا تسلط قائم ہو نے کا موجب بنتے ہوں بالکل منع ہے۔(۲)

اسی اصول کے پیش نظر امام خمینی نے ایک سوال کے جواب میں کہا:

''ہر ملک جو ہمارے احترام کا خیال رکھتا ہے ہم بھی ان کا احترام کرتے ہیں۔ اگر دوسرے ممالک ہم پر بالادستی اور تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں تو ہم یہ ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ ہم دوسروں پر ظلم نہ کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ ہمارا موقف بالکل ظاہر ہے کہ ہم ظلم کے تحت زندگی بسر نہیں کرسکتے۔''(۳)

۳۔ اسلامی جمہوریہ ایران ہر انسانی معاشرے میں انسان کی خوشحالی کو اپنا اولین مقصد سمجھتا ہے نیز استقلال، آزادی اور حق وعدالت کی حکومت قائم کرنے کو دنیا کے تمام لوگوں کا حق سمجھتا ہے۔(۴)

۴۔ اسلامی جمہوریہ ایران سیاسی پناہ طلب کرنے والوں کو پناہ دے گا، بشرطیکہ ایرانی قوانین کی رو سے خائن اور تخریب کار نہ ہو۔(۵)

مذکورہ اصولوں پر عمل کرتے ہوئے ایران نے اپنی خارجہ پالیسی میں درج ذیل اہم ترین کامیابیاں حاصل کیں ہیں۔

۱۔ ۲۶ مارچ ۱۹۷۹ء کو ایران نے سینٹو معاہدے سے کنارہ کشی اختیار کرلی جس سے یہ معاہدہ ختم ہوگیا۔

۲۔ ۲۹ اپریل ۱۹۷۹ء کو جمہوری اسلامی ایران نے مصر کی انوار السادات حکومت کی جانب سے صہیونی حکومت کے ساتھ تعلقات برقرار رکھنے اور اس سے معاہدہ کرنے پر مصر کے ساتھ تعلقات منقطع کردیئے۔

۳۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۹ء کو جمہوری اسلامی ایران نے امریکہ کی حمایت کرنے والی مراکشی حکومت سے ''قانونی طور پر قائم'' تعلقات ختم کرلئے۔

۴۔ ۲۵ جون ۱۹۸۰ء کو روسی سفارتخانہ کے ہیڈ کلرک کو جاسوسی کے الزام میں ایران سے نکال دیا گیا۔

۵۔ ۲۰ جولائی ۱۹۸۰ء کو یرغمالیوں کے مسئلہ میں امریکہ کی پیہم دھمکیوں کے جواب میں ایران نے امریکہ سے قانونی طور پر قائم تعلقات ختم کرلئے۔(۶)

۶۔ ۱۱ اگست ۱۹۸۰ء کو جمہوری اسلامی ایران نے اعلان کیا کہ ہر وہ ملک جو صہیونیوں کے مقاصد کو تسلیم کرتے ہوئے اپنا سفارتخانہ بیت المقدس کی مقبوضہ سرزمین پر منتقل کرے گا، ایران اس ملک سے اپنے تعلقات ختم کرے گا۔

۷۔ اسلامی جمہوریہ ایران نے کیمیائی اسلحہ پر پابندی کے بین الاقوامی معاہدے پر دستخط کیا اور اس معاہدے کی منظوری مجلس شوریٰ اسلامی نے دی۔ اس معاہدے پر دستخط کرنے کا مقصد بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی کو

ثابت کرتا تھا۔

۸۔ تہران میں اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی کے سربراہ ممالک کے آٹھویں اجلاس کا کامیاب انعقاد۔ جس کا افتتاح جانشین امام خمینی اور صدر مملکت آیت اللہ خامنہ کی اہم تقاریر سے ہوا۔ اس کانفرنس میں بڑے بڑے اسلامی ممالک کی اعلیٰ سطح کی قیادتوں کی موجودگی نے یہ موقع فراہم کیا کہ اسلامی ممالک کے جملہ مسائل خاص طور پر مسئلہ فلسطین عالم اسلام کی توجہ کا محور بن جائے۔ اس عظیم اجتماع کے کامیاب انعقاد سے ایران کی عزت، وقار اور شان میں مزید اضافہ ہوا۔ تہران کانفرنس نے عالمی سطح پر ایران کو یکہ وتنہا کرنے اور اسلامی انقلاب کے پیام کو ختم کرنے کی ان تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا جو بڑی طاقتوں نے گزشتہ سالوں میں انجام دیں تھیں۔

۹۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۲۰۰۱ء کو تمدنوں کی گفتگو کا سال قرار دینے کی ایرانی تجویز کو متفقہ رائے سے منظور کیا۔ ایران نے ایسے حالات میں تہذیبوں کی گفتگو کی تجویز پیش کی کہ خود بھی جنگ کا تلخ ذائقہ چکھنے کے بعد امن کے شیرین شہد کا تجربہ بھی کر چکا تھا۔ جنگ اور خونریزی کے سلسلے میں گفتگو اور تبادلہ خیال ایران کی خارجہ پالیسی کا بنیادی اصول شمار کیا جا سکتا ہے۔ (۷)

ان اقدامات کے علاوہ اسلامی انقلاب ایران نے لبنان وافغانستان میں صہیونزم اور ایمپریلزم کے خلاف نبرد آزمائی کرنے والے مسلمانوں کی کئی مرتبہ بھاری تعداد میں فوجی اور مالی امداد کی ہے جبکہ مسلمان دشمن قوتوں اور سازشوں میں ملوث ممالک سے بھی ایران نے کئی مرتبہ دوٹوک الفاظ میں بات کی ہے جبکہ کئی ایک ممالک جیسے اسرائیل، جنوبی افریقہ، فلپائن اور امریکہ کو تیل دینا بند کر دیا۔ روس کو تیل دینا بھی بند کر دیا، اس لئے کہ وہ گیس کی مناسب قیمت دینے پر تیار نہ تھا۔

اسلامی انقلاب اور عالمی بیداری کی لہر:

''بیداری'' یا ''احیاء'' سے مراد عام طور پر فراموشی اور غفلت کے شکار ہونے والے پہلوؤں کی طرف توجہ دینا ہے مثلاً کسی مکتب فکر کے بعض نکات کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے جبکہ اس کے کچھ حصے مکمل طور پر طاق نسیان میں رکھ دیئے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں کلی طور پر اس مکتب فکر کا ایک دھندلا سا خاکہ نظر آنے لگتا ہے۔ بیداری اور احیاء کا علمبردار شخص غفلت کا شکار ہونے والے انہی پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے اور مکتب فکر کے فراموشی کئے جانے والے اقدار کی تعمیر نو کر کے انہیں ایک نئی شکل وہیئت دیتے ہوئے اپنے مردہ معاشرے کے جسم میں جان پھونک دیتا ہے۔ اسلامی انقلاب ایران کی کامیابی کے ساتھ ہی انسانی وفطری افکار نے مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے انقلاب ایران کے مفاہیم اور اسکی کارکردگی کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ یہ بات عالم اسلام میں بنیادی تبدیلیوں کا با

عث بنی۔تحریکوں کی قیادت، عملی وحدت واتحاد، حقیقی اسلام کے مظاہر ومفاہیم کو اہمیت دینا اور لاشرقیہ ولاغربیہ جیسے اصولوں کو قبول کرنا انہی اثرات میں سے ہیں۔

اسلامی انقلاب کی عالمی بیداری کی لہر کے بارے میں تجزیہ وتحقیق کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایران کے اندر اسلامی بیداری کا جائزہ لیا جائے۔اس کے اگلے مرحلے میں اسلامی انقلابی کی عالمی بیداری کی لہر متعلق بحث کریں گے۔

ایران میں قانونی طور پر نماز جمعہ کا قیام: امام خمینی کو مسلمانوں کو بیداری کرنے کی غرض سے سب سے پہلے ایران اور پھر پوری دنیا میں مختلف زنجیروں کو توڑنا تھا جب آپ نجف میں تھے تو اس وقت وہاں کے شیعوں کے درمیان دین وسیاست کی جدائی کے بھرم کو توڑنے پر مجبور ہوئے۔اس طرح آپ نے ان علماء کو بھی شکست دی جو اسلام کو مسجد اور نماز میں محدود کرتے تھے۔جس کے بارے میں بحث ہم نے باب سوئم میں تفصیل کے ساتھ کی ہے۔امام خمینی کے خیال میں اگر مسلمان نماز ودعا ومناجات کے علاوہ اور کوئی کام نہ کریں تو پھر سامراجی طاقتوں کو کوئی خوف نہیں ہوگا وہ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت سے خوفزدہ ہیں۔واضح رہے کہ عراق پر قبضے کے زمانہ میں ایک انگریز افسر نے سوال کیا: یہ اذان کی آواز جو مسجد سے اس وقت سن رہا ہوں، کیا انگلینڈ کی سیاست کے لئے خطرناک ہے؟ جب اسے جواب دیا گیا کہ کوئی خطرہ نہیں ہے تو کہنے لگا پھر جتنی اذانیں دینا چاہتے ہو دینے دو ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

امام خمینی کی سوچ میں اگر امپریالسٹوں کی سیاست پر توجہ نہ کریں اور اسلام کو ہمیشہ کی طرح صرف چند ابواب میں محدود کردیں تو امپریالسٹ مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا نہ کریں گے یعنی جتنی چاہے نماز پڑھے ان کی نظر مسلمانوں کے پیٹرول پر ہے۔وہ مسلمان ممالک کو اپنی مصنوعات کی منڈی بنانا چاہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ امام خمینی نے اپنی مشہور فقہی کتاب تحریرالوسیلہ میں نماز جمعہ کے سلسلے میں ایک مسئلہ جو اس زمانہ کی بہ نسبت بالکل نیا بتایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے نماز جمعہ کو سیاسی لحاظ سے غیر معمولی اہمیت دی ہے آپ کہتے ہیں:

> ''افسوس کہ مسلمان نماز جمعہ میں موجود سیاسی فرائض اور اس کے علاوہ دوسرے اسلامی سیاسی مواقف میں موجود اپنے فرائض سے غافل ہوگئے ہیں پس اسلام تمام امور کے لحاظ سے ایک سیاسی دین ہے۔''(۸)

اسلامی انقلاب کی کامیابی سے پہلے ایران کے بعض شہروں من جملہ قم واصفہان میں انقلابی علماء اور عوام کی طرف سے نماز جمعہ قائم ہوئی جس کے خطبوں میں موجودہ مسائل، قابل نفرت حکومت سے وابستگی اور صہیونی و

امریکی مظالم بیان کیا جاتا۔لیکن قانونی طور پر نماز جمعہ کا قیام اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد پہلے موسم گرما میں ہوا۔سب سے پہلے امام جمعہ جو امام خمینی کی طرف سے معین ہوئے وہ آیت اللہ طالقانی تھے۔امام خمینی نے اپنے ایک بیان میں کہا:

> ''نماز جمعہ کے خطبوں میں مملکت کے موقف بیان کئے جائیں،ملک کے سیاسی مسائل صحیح راہ پائیں،ملک میں اجتماعی مسائل کی بہتر صورت نکالی جائے۔مسلمانوں کے اختلاف اور مشکلات خطبوں کے ذریعہ حل ہوں۔نماز جمعہ میں کہا جائے کہ نماز جمعہ عبادت ہے لیکن ایسی عبادت ہے جو سیاست کے ساتھ آمیختہ ہے۔''(۹)

۲۷ جولائی ۱۹۷۹ء کو آیت اللہ طالقانی نے امام خمینی کے حکم سے نماز جمعہ قائم کیا جس میں اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی کہ اسلامی انقلاب صرف ایران کی سرزمین تک محدود نہیں ہے اور ایرانی انقلاب صرف ایک سرزمین تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔

ایران کے اسلامی انقلاب کے دوران ایک مضبوط سیاسی لہر نے تمام حکومتی اداروں کو مسترد کر کے حکومت کے خلاف ایک طاقت ور جدوجہد کا آغاز کیا۔یہ سیاسی لہر چونکہ اپنی انقلابی قوت حقیقت دین سے حاصل کر رہی تھی اور اس کا مقصد طبقاتی مفادات کا حصول نہیں تھا اس لئے یہ تحریک عوامی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی اس سیاسی تحریک نے رائج نظام کو شدت کے ساتھ مسترد کرنے کے ساتھ ہی حقیقت دین سے ماخوذ ایک نئے نظام کے خطوط وضع کئے اور سپاہ بسیج ، جہادِ سازندگی جیسے مخصوص اداروں کو تشکیل دیا۔اس طرح عملی طور پر مروجہ نظام کے حامیوں کی وحشت و رعب کو توڑ کر رکھ دیا۔یہی وجہ ہے کہ دیگر مسلمان اور اسلامی تحریکیں اس بات کی طرف شدت کے ساتھ متوجہ ہوئیں کہ یہ نیا سیاسی نظام کتنی کامیابی اور قوت سے نافذ العمل ہوا ہے اس اثر پذیری کی واضح علامات تھوڑے عرصے میں مصر سمیت ایران کے ہمسایہ ممالک میں نظر آنے لگی۔بہت سے اسلامی ممالک نے ایران کے اسلامی انقلاب پر مسرت کا اظہار کیا۔جنوبی ایشیاء میں مولانا مودودی آیت اللہ امام خمینی کے زبردست حامی تھے، چنانچہ جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد اپنے ساتھ حسب ذیل افراد لے کر امام خمینی سے ملاقات کرنے اور انہیں اس کامیابی پر مبارک باد دینے کی غرض سے ایران گئے:

۱۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن تیجانی سوڈانی اخوان المسلمین

۲۔ غالب ہمت شامی، جرمنی میں اسلامی تبلیغات کے سربراہ

۳۔ احمد القاضی، امریکہ و کینیڈا میں مبلغ

۴۔ عاشور شامس، لندن اسلامک سینٹر کے رکن خاص

۵۔ فہیم اوق، ترکیہ سے

۶۔ انوار ابراہیم انڈونیشیا، ملائیشیا اور جاپان کے مبلغ

۷۔ خلیل حامدی، جماعت اسلامی لاہور پاکستان

۲۴ فروری کو طیارہ کراچی سے روانہ ہو کر تہران پہنچا۔ ۲۵ فروری کو ان کی ملاقات امام خمینی سے ہوئی۔ میاں طفیل محمد امام خمینی سے ملاقات کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں:

"تھوڑی دیر بعد ہم کو اس عظیم المرتبت شخصیت سے ملنے کا شرف حاصل ہو گیا جس نے شہنشاہیت کے طلسم پندار کو پارہ پارہ کر کے ایران سے سامراجیت اور صیہونیت کا نام و نشان مٹا دیا اور اب اس سرزمین پر حکومت الٰہیہ کی بنیادوں کو مستحکم بنانے میں مصروف تھے۔"(۱۰)

میاں طفیل محمد امام خمینی سے ملاقات کے بعد امام خمینی کا وہ پیغام جس میں انہوں نے دنیائے اسلام کو متنبہ کیا تھا، اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اسلام کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایسا افیون ہے جو انسان کو بیکار بنا دیتا ہے اور ان کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ افسوس ہے کہ خود مسلمان کا ایک طبقہ بھی اس سے متاثر ہے۔ ان مسلمانوں نے اس کا جواب دینے کے بجائے اس لغو نظریئے کو خود بھی اپنا لیا ہے اور یہ تصور ایک ملت سے دوسری ملت اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف منتقل ہوتا جا رہا ہے۔"(۱۱)

واضح رہے کہ جمہوری اور جمہوری اسلامی نظام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جمہوری حکومتوں کا نظام اور ڈھانچہ خود عوام بناتے ہیں اور اسلامی جمہوری حکومتوں کا ڈھانچہ اور نظام خدا کے احکام سے بنایا جاتا ہے اور عوام کا کام صرف حکومت کی تشکیل دینا اور عہدہ داروں کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ اسلامی جمہوریہ ایران کا حکومتی نظام ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے اگرچہ دنیا کی دوسری جمہوری حکومتوں کے نظام سے کسی حد تک مشابہت رکھتا ہے کیونکہ یہاں پارلیمانی سسٹم ہے اور حکومت چلانے کے لئے ذمہ داریوں کو تین شعبوں مقننہ، مجریہ اور عدلیہ میں تقسیم کیا گیا ہے اس حیثیت سے یہ ایک عوامی حکومت ہے۔(۱۲) البتہ ایک اسلامی ریاست ہونے کے ناطے اس کے تمام قوانین احکام الٰہی سے ماخوذ ہیں۔

واضح رہے کہ مجلس شوریٰ اسلامی (پارلیمنٹ) کے نمائندے اور صدر کا انتخاب براہ راست ووٹوں سے

ہوتا ہے۔ صدر کی مدت صدارت چار سال ہوتی ہے اور مسلسل دو مرتبہ منتخب ہوسکتا ہے جبکہ تیسری دفعہ انتخاب کیلئے وقفہ ہونا ضروری ہے یعنی لگاتار تیسری مرتبہ ایک شخص صدر منتخب نہیں ہوسکتا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ نئے انتخابات کی رو سے وزیر اعظم کا عہدہ ختم کر دیا گیا۔ ہے اب صدارتی نظام قائم کر دیا گیا ہے لیکن اختیارات علی خامنہ ای جانشینِ امام خمینی کے پاس ہیں۔ ایرانی صدر کے اختیارات دوسرے ملکوں کے صدور کی طرح عمومیت کے حامل نہیں ہوتے۔ رہبر معظم کسی بھی وقت صدر کو برطرف کر سکتے ہیں۔ (۱۳) ایران کے سیاسی نظام کی تنظیم نوع اور اس کے نتیجے میں قائم ہونے والا صدارتی نظام اس بات کی نشاندہی تھی کہ اب ایران اپنی حقیقی سرنوشت کی طرف ایک طویل سفر پر روانہ ہو چکا ہے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کا طاغوت مخالف کردار، مصر کی جماعت اسلامی کے لئے ایک نمونہ عمل کے عنوان سے ہرگز قابل انکار نہ تھا۔ لیکن بعد میں یہی جماعت انقلاب کی حمایتی نظر آئی اور انقلاب ایران سے کئی نظریات مستعار لئے، یہی وجہ ہے کہ ''عبودالزمر'' نے جو انورالسادات کے قتل کی انقلابی کاروائی کا مرکزی کردار تھا، بعد میں ایران کے انقلاب سے متاثر ہونے کی تاکید کی۔'' (۱۴)

ایران میں اسلامی انقلاب کے ظہور نے اسلامی تحریکوں کو نیا حوصلہ عطاء کیا۔ وہ قوم پرست تنظیمیں جو صرف قومیت کے نام پر جدوجہد کر رہی تھیں اب وہ اپنی قیادت سے مطالبہ کرتی نظر آئیں کہ تنظیم کی قیادت کو باکردار اور باحیاء ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا ترکی ہو یا ہندوستان، عراق ہو یا کویت، سعودی عرب ہو یا خلیج فارس کے ملک یا لبنان ہر جگہ جن شیعوں نے صدیوں تک دباؤ اور تشدد کے تحت زندگی گزاری، تہمتوں کا نشانہ بنے اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی محتاجی کا شکار رہے، ان کے اندر حرکت کے آثار پیدا ہوئے۔ خصوصاً عراق اور لبنان کی شیعہ تنظیموں جو تاریخی اور ثقافتی اعتبار سے ایران کے ساتھ گہری وابستگی رکھتی تھیں کے اندر انقلابی نظریات پنپنے لگے۔ بعدازاں انہی انقلابی نظریات کی روشنی میں حزب اللہ جیسی مزاحمتی تحریک وجود میں آئی۔ عجب نہیں کہ ان تحریکوں کے پس پردہ علمائے دین کا مضبوط کردار ہی کارفرما تھا۔ اس کے علاوہ دوسری مسلم تنظیموں نے بھی ایک عوامی انقلاب کی ہدایت کرنے میں قیادت کی اہمیت کا تجزیہ کر کے اس بات کی کوشش کی کہ ایران کی اسلامی حکومت کو بہترین نمونہ عمل قرار دیا جائے۔ شاید مصر کی جماعت اسلامی وہ پہلی اسلامی تحریک ہے جس نے انقلاب کی قیادت میں ایک عالم دین کے کردار پر تاکید کی۔

ایران کے انقلابیوں کی کامیابی کے فوراً بعد ہی مصر کے انقلابیوں کی اچانک بیداری نے دوسری اسلامی تحریکوں کے مفکرین کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ علماء عوام کی ہدایت وقیادت میں عظیم کردار ادا کر سکتے ہیں۔
تیونس میں حکومت کے خلاف قیام میں اسلامی تحریک ''النهضه'' کے رہبر ''راشد الغنوشی'' نے امام خمینی اور

ان کی تحریک اور انقلاب کی کامیابی کے انداز کے سلسلے میں واضح طور پر لکھا۔ ''انقلاب کے بارے میں گہرے غور و فکر سے میں نے کچھ خصوصیات کا ادراک کیا ہے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی کوشش میں ہوں'' بالخصوص اسلامی انقلاب کی قیادت کے بارے میں کہتے ہیں:

''ایران کے انقلاب کی قیادت میں علماء کا کردار اس کی نمایاں خصوصیات میں سے ہے۔ اس انقلاب کے برخلاف حالیہ سالوں کی تمام اسلامی تحریکوں میں یہ بات نظر آتی ہے کہ ان تحریکوں کے تمام کلیدی عہدے روشن خیالوں کے ہاتھ میں تھے۔ مثال کے طور پر تیونس میں اہل سنت کے دینی نظم و نسق کی کمزوری کی وجہ سے اسلامی تحریک ناکام ہوئی۔ اس تحریک کے لیڈروں میں مذہبی روشن خیالوں کی موجودگی سے عوامی اعتماد کما حقہ حاصل نہ ہو سکا جس کی وجہ سے لوگ آہستہ آہستہ علماء کے گرد جمع ہوتے گئے اور ان کی پیروی کرنے لگے، کیونکہ عوام ایک طرف تو علما کو خداوند متعال کی طرف متوجہ کرنے والے حقیقی رہنما سمجھتے ہیں اور دوسری طرف علماء قرآن کریم کی تعلیمات کو بخوبی سمجھتے اور ان کی تشریح کرتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ عوام کی زبان میں ان سے گفتگو کرتے ہیں۔'' (۱۵)

شیعہ عوام تاریخ کے ہر دور میں ہمیشہ علماء کے فرمانبردار رہے ہیں خصوصاً اس وقت جب انہیں یقین ہو جائے کہ مذکورہ عالم دین اسلام کے دشمنوں کے مقابلے میں ایک مضبوط مستحکم موقف رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے شیعہ دنیا میں مذہبی ادارے حکومتوں کے دائرہ اثر سے بالاتر رہ کر مکمل خودمختاری کے ساتھ پھلتے پھولتے رہے ہیں۔ امام زمانہ کے فلسفہ ظہور کے ذریعے شیعہ علماء خصوصاً آیت اللہ خمینی جن کو ایرانی عوام امام زمانہ کا نائب خاص اور امام کی طرف سے خمس و زکاۃ کی وصولی کا نمائندہ قرار دیتے ہیں، نے شیعوں کو خصوصاً ایرانی عوام کو جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ اس لئے امام خمینی کی اسلامی تحریک کی کامیابی کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس تحریک کے دو بنیادی عناصر یعنی قیادت اور معاشرتی تنظیموں کی نشوونما کے آثار تمام ممالک میں نظر آنے لگے۔ چنانچہ سعودی عرب جیسے ملک میں بھی انقلاب اسلامی کے عناصر کو تقویت حاصل ہو رہی تھی۔ اسلامی انقلاب کو عالمی سطح پر وسعت دینے کے لئے امام خمینی نے عملی طور پر تیسرا قدم شیعہ سنی اتحاد کا اعلان کر کے اٹھایا۔

ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد امام خمینی نے یہ اعلان کیا کہ اہل سنت کے چاروں فقہی مذاہب کی تعلیمات حوزہ علمیہ قم کے نصاب میں رکھی جائیں۔ ۱۹۸۰ء میں امام خمینی نے یہ فتوی دیا کہ ایک شیعہ مسلمان سنی پیش امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

۱۹۸۰ء کے بعد دنیا بھر میں اسلامی بیداری کی لہر کے ساتھ ہی ترکی کے عوام اپنی حکومت اور سیاست کو اسلام کی محافظ ہونے کے اعتبار سے اہمیت دینے لگے اور اسی وجہ سے اسلامی حکومت قائم کرنے کے خواہاں نظر آتے ہیں۔اس کی دلیل مختلف شہروں مثلاً بورسا، ارزوم، قیصریہ، استنبول، ازمیر، چوروم اور قونیہ میں دینی مدارس کا قیام ہے۔(۱۶)

ڈاکٹر مصطفےٰ چمران کہتے ہیں: لبنان میں ایک عمر رسیدہ خاتون کا شوہر شہید ہو چکا تھا اس کا بیٹا بھی شہید ہو گیا تھا اور اس کا گھر کھنڈر بن چکا تھا جب اس سے پوچھا گیا کہ آپ کیا چاہتی ہیں تو کہنے لگی "میں خدا سے دعا کرتی ہوں کہ ایران کا نقلاب کامیاب ہو جائے چونکہ میں جانتی ہوں کہ اگر ایران کا انقلاب کامیاب ہو گیا تو ہماری نجات کی صورت بھی پیدا ہو جائے گی اگر ایران کا انقلاب کامیاب نہ ہوا تو ہم سب نسیت و نابود ہو جائیں گے نہ لبنانیوں کو کچھ ہاتھ آئے گا نہ فلسطینیوں کو۔ڈاکٹر مصطفےٰ چمران کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب بہت سے جوان مجھ سے ملتے ہیں اور اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ لبنان جا کر لڑیں تو میں ان سے بڑی صراحت سے یہ کہتا ہوں اگر چاہتے ہو کہ لبنان اور فلسطین کامیاب ہوں تو تمہارا فرض ہے کہ ایران کے انقلاب کی حفاظت کرو۔(۱۷)

۱۹۸۰ء کا سال یورپ کے تمام مسلمانوں کے لئے نہایت ہی اہم سال تھا کیونکہ ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد مسلمانوں کے درمیان ایک نئی روح پھونک دی گئی تھی۔چنانچہ فرانس جیسے ملک میں مسلمانوں نے قوانین کی اصلاح یا ان کی تبدیلی اور ایران کے اسلامی انقلاب کو روشناس کرانے اور اس کی حمایت میں بہت سارے اقدامات کیے۔فرانس جہاں امام خمینی جلاوطن کے دوارن قیام پذیر رہے اور وہاں کے لوگوں نے امام خمینی کی شخصیت کا اچھی طرح ادراک کیا جہاں انقلاب ایران کے اثرات مرتب ہوئے اور اسلامی سرگرمیوں کا دائرہ تیزی سے وسیع ہوتا رہا۔

فرانس میں ساڑھے چار ملین سے زیادہ مسلمان رہتے ہیں۔اس تعداد میں تقریباً چالیس ہزار افراد کا نام لیا جا سکتا ہے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔اس وقت فرانس میں اسلام دوسرا بڑا مذہب سمجھا جاتا ہے۔تبلیغی پروگرموں میں اضافہ اور اسلامی کے فروغ نے خاص طور پر پیرس میں لاکھوں روشن خیال افراد کو متاثر کیا ہے۔اسلام کی طرف مائل ہونے اور امام خمینی کی تحریک سے متاثر ہونے والوں میں "راجر گارڈی" اور "موریس بیّار" جیسے فرانسیسی دانشور اور محققین کے نام بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔شائع شدہ اعداد و شمار کے مطابق فرانس میں ۱۴۱۰ اسلامی مراکز پائے جاتے ہیں۔ان میں ۱۲۰ مراکز پیرس اور اس کے مضافاتی علاقوں میں فعال ہیں۔اس وقت پیرس میں ۵۱ مساجد ہیں۔ہر سال مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور لوگ قرآن کریم کا بغور

مطالعہ کرتے ہیں۔ بلجئیم، جرمنی اور یوگوسلاویہ کے مصنفوں کی تحقیقات اور تحریروں میں جا بجا اس بات کے اثرات نظر آتے ہیں۔ اسلام شناس ماہرین کے علاوہ عام مسلمانوں میں بھی اسلامی رجحانات کے آثار و علائم نظر آتے ہیں ۱۹۸۰ء کے عشرے کے اواخر میں اس کی مثال اسلامی پردے کا استعمال اور مساجد میں علماء کے ذریعے اسلامی تعلیمات کے دروس ہیں۔ اس طرح اکثر مساجد نے اسکول کے مسلمان طالب علموں کو اسلامی تعلیمات کا درس دینے کا اقدام کیا ہے۔ اس سلسلے میں شمالی افریقہ کے مسلمانوں کے لئے عربی زبان، قرآن کریم اور فقہ کے دروس شامل ہیں۔ (۱۸)

مجموعی طور پر اسلامی انقلاب ایران کا اثر نہ صرف مسلمان ممالک بلکہ مغرب پر بھی پڑا۔ ذیل میں ہم مختلف عناوین جن کا تعلق براہِ راست انقلابِ ایران سے ہے، کو بحث کی صورت میں بیان کرتے ہیں:

(۱) تمام مذاہب اور مغرب کی مذہبی زندگی پر اسلامی انقلاب کے اثرات:

اسلامی انقلاب ایران نے نہ صرف یورپ میں اسلام کی ایک نئی تصویر پیش کی بلکہ غیر مسلموں کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ آج یورپ میں بھی مذہبی ہونے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایران کے انقلاب نے کلیساؤں پر بھی گہرا اثر چھوڑا ہے۔ اس اثر نے کلیسا کو سنبھلنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ کلیسا کے ذمہ دار افراد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جدت پسندی کی ٹھوکر کھانے والے کیتھولک عیسائی اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اس دور کے پوپ جان پال کے وسطی یورپ بالخصوص تیسری دنیا کے ممالک کے دورے اسلامی انقلاب کا ایک ردعمل تھا۔

(۲) مختلف افراد جوانوں اور گروہوں پر اسلامی انقلاب کے اثرات:

اسلامی انقلاب کی کامیابی سے پہلے نوجوانوں کی انجمنیں خاص طور پر یونیورسٹی کی سطح پر بائیں بازو (کمیونزم) سے فکری طور پر متاثر تھی تاہم ایسے افراد بھی موجود تھے جو مشرق و مغرب کو مسترد کرتے تھے۔ لیکن نیا طرز فکر پیش کرنے سے قاصر تھے۔ اسلامی انقلاب ایران نے روس کے دست شفقت کے بغیر امریکہ مخالف عظیم تحریک کی قیادت کی۔ ''لا شرقیه و لا غربیه'' کا نعرہ بہت سارے مفکروں اور نو جوانوں کی انجمنوں کی مذہبی و سیاسی ساکھ کے لئے ایک نئی بنیاد قرار پایا۔ انقلاب کے رہبر امام خمینی نے دین سے سیاست کی جدائی کے استعماری فلسفے کی بنیاد پر تیار کی گئیں سازشوں کو ناکام بنا دیا۔

(۳) اہل مغرب کے اسلامی تصور پر اثرات:

انقلاب ایران کے بعد اسلام اور مسلمان سنجیدہ سیاسی و مذہبی طاقت بن کے ابھرے اور بڑی طاقتوں کے

سیاسی افکار میں ایک طاقتور مقام حاصل کیا۔ اب مغربی دنیا اسلام اور ایران کو انقلاب سے پہلے والی نظر سے نہیں دیکھ سکتی۔ اب مغربی دنیا کے نزدیک اسلام ایک ایسا دین نہیں تھا کہ جو مردہ ہو، جس کی عظمت قصہ پارینہ بن چکی ہو جس کا ماضی درخشاں اور مستقبل تاریک ہو۔ چنانچہ اس وقت عالمی سامراج کے مفکرین نے شیعہ اصول وعقائد کے بارے میں تحقیق شروع کی ہے اور مجبوراً قبول کر چکے ہیں کہ اسلامی تحریک کی قوت محرکہ مکتبِ تشیع ہے۔

ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد جنوب مشرقی ایشیا کے بہت سے عمائدین نے ایران کا دورہ کیا امام خمینی اور دیگر ایرانی شخصیات سے ملاقات کے بعد واپسی پر انقلاب اسلامی ایران کی حمایت کا اعلان کیا۔ انقلاب اسلامی ایران نے اس خطے کے مسلمانوں کی معاشرتی، فکری اور مصنوعی زندگی پر وسیع اور گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے بارے میں تحقیق کریں۔

(الف) معاشرتی نمونے:

اسلامی انقلاب ایران اپنے ابتدائی سالوں کے بعد جنوب مشرقی ایشیاء کے مسلمانوں کے لئے ایک ساجی اور قابل تکرار مثال سے زیادہ ایک الہام بخش مرکز سمجھا جانے لگا اور ان معاشروں میں اسلامی تحریک کی تجدید کا باعث بنا۔ اس تحریک کے معاشرتی مثالیں بطور خاص انڈونیشیاء اور ملائیشیاء میں نظر آتی ہیں۔

(ب) مذہب پر عمل:

اکثر خواتین کا اسلامی پردے کی طرف مائل ہونا، عام لوگوں کا فرائض جیسے نماز باجماعت، نماز جمعہ، ماہ رمضان کے روزے، حج، زکاۃ، قربانی اور قرآن سنٹرز کے قیام جیسے مذہبی فرائض میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا بھی شامل ہے۔

اسلامی ناموں کی مراعات: لوگوں اور اداروں کے اسلامی نام رکھنے کی طرف رغبت، حلال غذاؤں کی نمائشوں کا انعقاد اور غذاؤں پر لفظ 'حلال' کے اسٹیکرز وغیرہ کا رواج، آبادی پر کنٹرول کے لئے اسلامی تعلیمات پر عمل، ذرائع ابلاغ میں اسلامی میل جول کی اصطلاحات کے استعمال کو رواج وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔

دینی غیرت وحمیت: سلمان رشدی کے خلاف امام خمینی کے فتوئی کی حمایت اور ملک میں اسلامی مقدسات کی توہین کے واقعات کی شدت سے مذمت کی گئی۔ مثلاً انڈونیشین زبان کے جرائد "Monitor" اور "Senang" کے خلاف احتجاج ہوا جو ان کے بند ہونے اور ذمہ دار افراد کے خلاف عدالتی کاروائی پر منتج ہوا۔ ۱۹۹۴ء میں شینڈلر کی فہرست نامی ایک فلم کے ریلیز کئے جانے کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ اس فلم میں یہودیوں کی مظلومیت کے تحریف شدہ مناظر دکھائے گئے تھے۔

(ج) سیاسی مطالبات:

معاشرہ کے مختلف شعبوں اور قوانین کو اسلام سے قریب تر کرنے کے مطالبات میں اضافہ اور اس سلسلے میں حکومت کو مثبت اور تسلی بخش اقدامات کرنے مجبور کرنا۔ مثلاً ۱۹۹۰ء میں انڈونیشیاء کی حکومت کی جانب سے روشن خیال مسلمانوں کی کونسل کی تشکیل، ''معاملات بینک'' کے نام سے اسلامی بینک کا قیام، اسلامی عدالتوں کی تشکیل درسگاہوں میں پردے کی آزادی، کابینہ میں غیر مسلم ارکان کی کمی اور اچھی شہرت رکھنے والے مسلمان افراد کی شمولیت بطور مثال انڈونیشیاء مارچ ۱۹۹۸ء کی کابینہ میں جینی (مشیر صدر) قریشی شہاب (وزیر امور مذہبی) اور محت طوطی علویہ (وزیر امور خواتین) جیسے افرادا کا نام لیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے مذہبی پروگراموں میں اضافہ، ملائیشیاء میں مہاتیر محمد کی اسلامی پالیسیوں اور صوبہ کلانتا میں اسلامی تنظیم ''پاس'' کی اسلامی حکومت کے قیام کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

(د) بین الاقوامی امور میں تعاون:

امت اسلامی سے تعلق کے احساس کی تقویت اور عالم اسلام کے حالات کے بارے میں جذبات کا اظہا راور عراق کے خلاف اتحادی فوجیوں کی جنگ ۱۹۹۱ء جیسے مسائل میں اپنی حکومت پر مناسب موقف اپنانے کے لئے دباؤ ڈالنا، بوسنیا اور فلسطین کے حالات، نیز مذکورہ حالات سے متاثر ہونے والوں کے ساتھ ہمدردی کے اظہار کے لئے مظاہروں اور ان کی مالی امداد کی خاطر عوامی گروپوں کی تشکیل۔

مذہبی ادارے: مساجد، مدارس اور اسلامی ہسپتالوں کی تعداد میں اضافہ، انڈونیشیاء اور ملائیشیاء میں اسلامی بیمہ، اسلامی انقلاب ایران نے جنوب مشرقی ایشیا کے مسلمانوں کی فکری زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں ان کی بعض مثالیں اس طرح سے ہیں:

اسلامی انقلاب ایران کی کامیابی نے اس خطہ کے مسلمانوں کی توجہ کو خاص طور پر اپنی طرف مبذول کیا۔ مقامی ذرائع ابلاغ میں انقلاب کی خبروں کو بڑی توجہ سے سنا، نیز ایرانی مفکرین اور دانشوروں کی کتابوں کے تراجم نے بتدریج گہرے اثرات مرتب کئے۔

امام خمینی اوڈاکٹر علی شریعتی جیسے ایرانی مفکرین کی کتابوں کے تراجم اور اشاعت اس خطہ میں رائج اسلامی فکر کی تبدیلی کا باعث بنی۔ ان کتابوں میں اٹھائے گئے موضوعات کو مذہبی جرائد میں زیر بحث لایا گیا۔ مثال کے طور پر انڈونیشیاء میں اسلام کی تحقیق'' (مارچ ۱۹۹۵ء) میں انڈونیشین اسلامی تحریک کے مختلف پہلوؤں کی تحقیق اور بارہا اسلامی انقلاب ایران اور اس کی مشہور شخصیات (امام خمینی، شریعتی اور مطہری وغیرہ) کی طرف اشارہ کیا

گیا ہے۔اس کے علاوہ اس خطے کے اسلامی ادب میں نئی اصطلاحات والفاظ کے رواج کا باعث بنیں۔ ایک تحقیقاتی ادارہ بھی انڈونیشیاء کے شہر باندونگ میں مشہد مطہری کے نام سے قائم ہوا ہے اور اسی شہر میں میزان پبلشرز نامی ادارہ شیعہ کتب چھاپنے کا کام انجام دے رہا ہے۔ اس کے باوجود جو چیز اس خطے کے مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بنی ہے وہ انقلاب کے ایرانی اور شیعی پہلو نہ تھے۔ بلکہ سامراج کے خلاف قیام اور عدالت جیسے اسلامی مفاہیم تھے جن سے یہ لوگ سید قطب اور ابوالاعلی مودودی جیسے مفکرین کی کتابوں کے ذریعے پہلے سے ہی آشنا ہو چکے تھے اور اب ان کو ایک نئے اور خوبصورت انداز میں ڈاکٹر شریعتی جیسے مفکرین کی کتابوں میں مل رہے تھے۔

(ذ) اسلامی نقطہ نگاہ کی تبدیلی:

۱۹۷۰ء کے عشرے میں تیسری دنیا اور سیکولر مکاتب فکر کی ٹوٹ پھوٹ کے ساتھ ساتھ مذہبی وخالص اقدار کی طرف بازگشت مشرقی ایشیاء کے مسلمانوں کا روایتی زاویہ نگاہ بھی تبدیل ہوگیا۔ مسلمان مفکرین نے اسلامی آئیڈیالوجی کو مغربی مکاتب (مارکسزم اور لیبرل ازم) کے مقابل خوشی سے قبول کیا۔ انہوں نے اسلامی مفاہیم کی نئی تشریح کے ذریعہ اقتصادی وسیاسی مسائل کے لئے راہِ حل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں عالم اسلام کے دوسرے مفکرین کے ساتھ ساتھ ایرانی مفکرین کے حصے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ انڈونیشیاء کے ایک محقق کے بقول "مکتب قم" (یعنی امام خمینی، شریعتی، مطہری اور باقر الصدر وغیرہ کے افکار) نے ایک نئے اور الہام بخش مرکز کے طور پر اسلامی اقدار پر مبنی معاشرتی اہداف مثلاً آزادی، عدالت، مستضعفین وغیرہ کی نئی تعریف پیش کی ہے۔ اسی وجہ سے اسلام، تشیع اور انقلاب اسلامی کے بارے میں علمی تحقیقات میں اضافہ ہوا ہے۔ ان ممالک کی پڑھی لکھی نوجوان نسل اس سیاسی اسلام سے آگاہ ہونا چاہتی ہے جس کی ان ممالک میں ترویج نہیں ہوئی تھی۔ (۱۹)

اسلامی انقلاب ایران نے مثالی حیثیت کے طور پر جنوب مشرقی ایشیاء کے اسلامی معاشروں کے حالات پر جو اثرات مرتب کئے ہیں وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ واضح طور پر سامنے آ رہے ہیں اس سلسلے کے دو رخ حسب ذیل ہیں:

اسلامی تشخص کا استحکام:

اسلامی انقلاب ایران کی کامیابی نے ان معاشروں کے کمزور اور تاریخ میں حقارت کی نظروں سے دیکھے جانے والے مسلمانوں میں اسلامی تشخص کے احساس کو مستحکم کیا۔

افکار کی نشاءۃ ثانیہ:

اسلامی دنیا میں دیگر مفکرین کے ساتھ ساتھ ایرانی مفکرین کی تالیفات کا ترجمہ اور اشاعت، سنجیدہ فکری مباحثوں اور رائج اسلامی ابحاث کے استفتاء کا باعث بنی اور اس طرح اسلام کے سیاسی و معاشرتی نظریات کی ایک غیر محسوس نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہوا۔(۲۰)

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد پورے عالم اسلام میں مسلم امہ اس حقیقت سے آشنا ہونے لگی کہ پوری طاقت کے ساتھ افغانستان میں سامراج کے تسلط کی سازش، کشمیر میں بھارت کے گٹھ جوڑ، چیچنیا میں روسی یلغار، سامراج کی طرف سے عراقی عوام کا استحصال، الجزائر میں سرمایہ داروں کی کاروائیوں میں اسرائیل اور امریکہ کے کارندوں اور دیگر غیر اسلامی اقدامات کی بھرپور مخالفت اس سلسلے کی عملی مثالیں ہیں۔

جہاد اسلامی فلسطین کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر فتحی شقاقی کے مطابق اسلامی انقلاب ایران کی کامیابی نے پوری دنیا کے مسلمانوں کی آئیڈیالوجی اور دین پر اعتماد کو دوبارہ بحال کر دیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ اسلام نا قابل شکست چٹان ہے۔ اسلام نے قیام کی طاقت اور تحرک کو فلسطین کے عوام میں زندہ کیا ہے۔(۲۱)

اسلامی انقلاب کے آنے سے نہ صرف ہمسایہ ملکوں میں اسلامی اور آزاد خود مختاری کی تحریکیں بیدار ہوئیں بلکہ افریقہ کے دور افتادہ علاقوں سے لے کر ایشیاء، یورپ کے آخری کناروں تک کے علاقوں میں جہاں مسلمان آباد ہیں، یہ جان چکے ہیں کہ اسلام ایک لگن اور دینی تحریک کی صورت میں متحد ہو کر سامراجی طاقتوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں اسلامی انقلاب ایران کے آنے سے نہ صرف تنظیم آزادی فلسطین میں آزادی کی نئی لہر دوڑ گئی بلکہ اس انقلاب کے اثرات کی وجہ سے وسط ایشیاء اور فلپائن میں ایک نئی اسلامی تحریک سامنے آئی۔ اسلامی انقلاب ایران کے اوائل میں الجزائر میں اسلامی بیداری کی لہر کا ایک نمونہ ۱۹۷۹ء کے منعقد ہونے والی تحریک آزادی فلسطین کے اجلاس میں دیکھنے میں آئی۔ اسی طرح دوسرا نمونہ افغانستان کے عوام کی روسی طاقت کے خلاف تحریک ہے۔ اسلامی بیداری کی ایک اور مثال لوگوں کی حقائق سے وسیع آگاہی اور سامراج کے افسانوں اور پروپیگنڈوں کی تکذیب کرنا بھی ہے۔

امام خمینی اور بڑی طاقتوں کی محاذ آرائی:

امام خمینی کے وعدوں کی تکمیل اور اسلامی انقلاب کی کامیابی کسی ملک کے سیاسی نظام کی تبدیلی کیلئے رونما ہونے والا واقعہ نہیں تھا بلکہ امریکی، یورپی اور اسرائیلی حکام کے تجزیوں کے مطابق یہ انقلاب مغربی دنیا کو تہ و بالا کرنے والا ایک زلزلہ تھا۔ امام خمینی نے اس تھیوری کو کہ تمام حکومتیں اس بات پر مجبور رہیں کہ وہ یا کمیونسٹ نظام

میں ضم ہو جائیں یا پھر امریکا کی گود میں اتر آئیں، مکمل طور پر رد کیا ہے۔ آپ کے خیال میں کسی مسلمان اور کسی اسلامی ملک کو نہ تو مغرب، یورپ اور امریکہ سے وابستگی رکھنی چاہئے اور نہ مشرق اور روس سے کہ یہ انشاء اللہ خدا، رسول اور امام زمانہ سے وابستہ ہیں۔

امام خمینی نے نہ مشرق اور نہ مغرب کا نعرہ لگا کر ہر قسم کے بیرونی تسلط اور مشرق اور مغرب کی لوٹ مار کی نفی کی ہے اور کہا کہ ہمارا (نہ مشرق اور مغرب کا) نعرہ مظلوم اور روٹی سے محروم دنیا کا نعرہ ہے اور اسلامی ممالک کی وابستگی سے متعلق ایک حقیقی سیاست کو پیش کرتا ہے۔ آپ اس سلسلے میں کہتے ہیں:

> ''ہم اس کے درپے نہیں ہیں کہ امریکہ ہمارے لئے کام کرے ہم امریکہ کو پیروں تلے کچلتے ہیں ہم خدائے تبارک وتعالی کے سوا کسی طاقت کی حمایت کے زیر اثر نہیں۔ بڑی طاقتوں نے ہم سے ہماری شخصیت چھیننے کی کوشش کی ہے۔ ان طاقتوں کے شر سے اسلام کو بچانے کے لئے ہم سب کو چاہئے کہ ہر ممکن کوشش کریں، وہ دن بڑا مبارک ہے جب مظلوم قوموں سے سامراجی ٹولوں کا تسلط ختم ہو جائے۔'' (۲۲)

اسلامی انقلاب ایران نے نہ صرف یہ کہ بڑی طاقتوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا بلکہ وہ بڑی طاقتوں کی جارحیت اور سازشوں کو عصر حاضر کی سب سے بڑی برائی کے طور پر پیش کرتا رہا۔ اس سلسلے میں امریکہ بطور خاص بقول امام خمینی بڑا شیطان اور اس صدی کا ''ام الفساد'' جانتا ہے۔ اس لئے اس سے ٹکر بھی رکھی ہے۔ امام خمینی کہتے ہیں:

> ''مسلمانوں کی تمام مشکلات بڑی طاقتوں کی پیداوار ہیں، قوم کو امریکہ کی چالوں سے بے خبر نہیں ہونا چاہئے، آج امریکہ ہمارے لئے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور قابل نفرت حکومت ہے، امریکہ چاہتا ہے کہ پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرے، کونسا ایسا عقلمند آدمی ہے کہ جس نے جدید اور ماڈرن بت پرستی کے مکر وحیلہ کو نہ سمجھا ہو جو اس نے اسلامی ممالک، تیسری دنیا اور مسلمانوں کے خون اور ان کی ناموس پر قائم کر رکھا ہے۔'' (۲۳)

امام خمینی نے بیت اللہ الحرام کے حجاج سے اپنے پیغام میں کہا:

''اے دنیا کے مسلمانو: آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ صدر اسلام میں قلیل تعداد میں ہوتے ہوئے بھی آپ ﷺ نے عظیم طاقتوں کو شکست دی اور عظیم اسلامی انسانی امت ظہور میں آئی اب جبکہ آپ کی آبادی ایک ارب کے قریب ہے اور بڑے ذخائر بھی آپ کے پاس موجود ہیں جو بہت بڑا

حربہ ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی تمام بدبختی آپ کے ملکوں کے سربراہوں کے مابین اختلاف کا نتیجہ ہے اوران کا اختلاف عام عوام میں اختلاف کا باعث بنتا ہے۔'' (۲۴)

آپ مزید کہتے ہیں:

'' کیا دنیا کے مسلمانوں کے لئے باعث ننگ نہیں ہے کہ ان کے پاس اتنے انسانی، مادی اور روحانی وسائل ہونے کے باوجود اور ایسے ترقی یافتہ مکتب اور الٰہی پشت پناہی کے باوجود مستکبر طاقتوروں اور بحری، بری ڈاکوؤں کے تسلط پر چپ رہیں۔'' (۲۵)

کیا وہ وقت نہیں آیا کہ فلسطین کے نام پر اسرائیل کے خلاف جہاد کا دعویٰ کرنے والوں کی سیاسی چالوں کی شدید مذمت کریں اور خودکار اسلحہ سے اسلام و مسلمین کے سخت دشمن اسرائیل کا سینہ چاک کردیں۔ مسلمان خداوند عالم کو کیا جواب دیں گے جو خدا کی رسی پکڑنے کی طرف دعوت دیتا ہے اور تفرقہ واختلاف سے پرہیز کرنے کا حکم دیتا ہے۔

امام خمینی کے بیٹے سید احمد خمینی سپر طاقتوں کے سلسلے میں کہتے ہیں:

'' ہم جس قدر سپر طاقتوں خصوصاً امریکہ کے سامنے نرمی کریں گے اتنی ہی میدانوں میں ہماری حالت بدتر ہوجائے گی اور یہ تجزیہ بالکل غلط ہے کہ اگر ہم اپنے ہر قسم کے مسائل مغربی ممالک اور مشرقی طاقتوں کے توسط سے حل کریں تو ہمارے لئے کوئی مشکل نہ رہے گی۔'' (۲۶)

امام خمینی کی فکر میں عالمی سامراج سے جنگ میں اہم نکتہ ملت اسلام کی ہوشیاری اور ان کی وحدت و یگانگت ہے۔ اسلامی انقلاب ایران کی کامیابی کئی لحاظ سے سامراجی طاقتوں اور صہیونیوں کے خلاف جہاد اور جد وجہد میں شدت پیدا ہونے کا باعث بنی جس کے اثرات فلسطین کے سلسلے میں شروع کی گئی مزاحمت میں نظر آئے۔

امام خمینی وہ پہلے مرجع تقلید اور مذہبی رہنماء تھے جنہوں نے شرعی رقوم اور زکاۃ وصدقات سے فلسطینی مجاہدین کی مدد کرنے کو جائز قرار دیا اور بیت المقدس کی غاصب حکومت نے مسجد الاقصیٰ کو آگ لگائی تو دوسروں نے کہا کہ مسجد اقصیٰ کو دوبارہ تعمیر کیا جائے لیکن اس کے برعکس دوراندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام خمینی اس بات پر زور دیتے رہے کہ اسرائیل کے مظالم کی منہ بولتی تصویروں کو باقی رہنے دیا جائے تاکہ اس کے ذریعے اس ظلم کے بانی اسرائیلی حکومت کے خلاف مسلمانوں کے جہاد کو تشویق وترغیب ملتی رہے۔ انہوں نے شروع ہی میں یہ بتادیا تھا کہ فلسطین کی ملت کو اسرئیل کے ساتھ جہاد پر آمادہ کرنے اوران کے لئے مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے کی کارساز ترین روش اسلامی رخ اور اعتقادی پہلو ہے۔ عربی قومیت اور نیشنلسٹ نظریات اور اس کے علاوہ باہر سے درآمد

شدہ عنصر اسلامی نظریات جیسے دوسرے طریقوں کا سہارا لینا، بیت المقدس کی آزادی کی جدوجہد کے اصلی راستے سے انحراف اور دوری ہے۔ اب ہم مسئلہ فلسطین کے بارے میں امام خمینی کے نظریئے اور صہیونیوں کے ساتھ مقابلے کی وجوہات پر بحث کریں گے۔

(الف) امریکہ اور اسرئیل کے خلاف تیل کے حربے سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت:

عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی عبرتناک شکست کے بعد عربوں کو اسرائیل کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن امام خمینی سمجھتے تھے کہ اسرائیل اور اس کے اتحادیوں کے خلاف تیل کو بطور حربہ استعمال کیا جائے۔ آپ کا مطالبہ تھا کہ اسرائیل اور اس کے حامیوں کو تیل بیچنا بن کیا جائے، اسرائیل خود بلاشرط سمجھوتے پر مجبور ہو جائے گا۔ رمضان کی مناسبت سے مسلمان ملتوں اور حکومتوں کے نام ۷ نومبر ۱۹۷۳ء کو جاری کردہ ایک پیغام میں انہوں نے لکھا:

> "تیل سے مالا مال اسلامی ممالک کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اختیار میں موجود دوسرے وسائل کو اسرئیل اور استعمار کرنے والوں کے خلاف حربے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے ان ممالک کو تیل دینا بند کریں جو اسرائیل کی مدد کرتے ہیں۔" (۲۷)

(ب) فلسطین کی آزادی، اسلامی تشخص کے واپس لوٹنے پر موقوف ہے:

اسرائیل کے خلاف سخت جدوجہد کرنے اور اصولی موقف اختیار کرنے کا لازمہ یہ ہے کہ لوگ علم و آگہی رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے لیڈروں پر اس قدر اعتقاد رکھتے ہوں کہ ان کا ساتھ دیں۔ لیکن اسلامی ممالک پر جبر و استبداد حکمرانی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ عوام حکومتوں کی پشت پناہ نہیں تھے۔ اس صورت حال کو درک کرنے کے بعد ہی امام خمینی نے قوموں کے اسلامی ایمان کو مقاومت و پائیداری کی اصلی تکیہ گاہ قرار دیتے ہوئے کہا:

> "ہم جب تک رسول اللہؐ کے اسلام نہ اپنالیں، ہماری مشکلات اپنی جگہ پر قائم رہیں گی۔ نہ مسئلہ فلسطین حل کر پائیں گے اور نہ ہی مسئلہ افغانستان اور دوسرے مسائل کو لوگوں کو اوائل اسلام کی طرف پلٹ جانا چاہئے اگر حکومتیں بھی ان کے ساتھ پلٹ گئیں تو کوئی مشکل نہیں رہے گی لیکن اگر حکومتیں نہ پلٹیں تو عوام کو چاہئے کہ اپنا حساب حکومتوں سے الگ کرلیں اور حکومتوں کے ساتھ وہی سلوک کریں جو ملت ایران نے اپنی حکومت کے ساتھ کیا ہے تاکہ مشکلات دور جائیں۔" (۲۸)

(ج) عظیم اسرائیل منصوبے کا بار بار راز فاش کرنا:

اسرائیل کی پارلیمنٹ کا اصل نعرہ یہ تھا کہ اسرائیل ''تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں'' اور یہ نعرہ اس وقت بھی تھا جب اسرائیل کمزور اور نومولود تھا اور دنیائے اسلام کے مقابلے میں اسرائیل بہت تھوڑی تعداد اور طاقت رکھتا تھا ایسے میں ظاہر ہے کہ جب اس کے پاس طاقت آجائے گی تو وہ اس نعرے کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے گا۔

امام خمینی بارہا اسرائیل کے خطرے سے آگاہ کرتے تھے کہ اسرائیل موجودہ سرحدوں پر اکتفاء نہیں کرے گا بلکہ اس کا مقصد اپنی سرحدوں کو وسعت دینا ہے اور اگر وہ اس سے انکار کرتا ہے یا اس مقصد کو پس پردہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ صرف دنیائے اسلام کی رائے عامہ کو دھوکہ دینے اور اپنے آخری مقصد تک پہنچنے کے لئے یکے بعد دیگرے والی پالیسی سے فائدہ اٹھانے کی خاطر ہے۔

(د) یہود کو صیہونزم سے الگ کرنا:

صیہونزم ایک سیاسی وجود ہے جس کے مقاصد، جاہ طلبی، نسل پرستی اور استعمال گری پر مبنی ہیں اور یہ مذہب یہود کے لباس میں مذہبی صورت میں ظاہر ہے اور کوشش کرتا ہے کہ قوم یہود کے نجات دہندہ کے عنوان سے اپنے مقاصد پورے کرے یہودیوں کے نسلی اتحاد کا ایک دعویٰ ان صیہونیوں کا ساختہ پرداختہ ہے جو یہ جاہتے ہیں کہ اپنے اس خیالی دعوے کے ذریعے سرزمین فلسطین کے غصب اور غصب شدہ زمینوں پر ڈھائے گئے مظالم کی توجیہ کریں اور ظاہر ہے اس ڈرامے کا اصلی کردار برطانوی استعمار تھا جس نے اس وقت اپنی جگہ وہائٹ ہاوس کے حکام کے لئے خالی کردی ہے۔ امام خمینی ہمیشہ یہود کو صیہونزم سے الگ کر کے چہروں سے نقاب الٹتے رہے انہوں ہمیشہ صیہونزم کو ایک ایسا سیاسی وجود بتایا جو سرے سے دین اور مقاصد انبیاء کی ٹکر میں رہتا ہے۔

(ح) امت اسلام کا اتحاد فلسطین کی راہ نجات:

امام خمینی ہمیشہ کہتے رہے ہیں کہ فلسطین کی نجات اور صیہونزم کے توسیع پسندانہ عزائم کے آگے بند باندھنے کا واحد راستہ مسلمانوں کی اسلام کی طرف بازگشت اور ان کا آپس میں اتحاد ہے۔ انہوں نے اس چیز پر زور دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ اسرائیل کا اصلی مقصد اسلام کو نابود کرنا ہے۔ آپ نے اس چیز کی بھی تاکید کی ہے کہ ہر طرح کے اختلافات خواہ وہ مذہبی ہوں سیاسی یا معاشی ختم کیا جائے۔

گوکہ فلسطین میں رہائش پذیر اکثر مسلمانوں اور عربوں کا تعلق اہل سنت سے تھا۔ لیکن امام خمینی نے شیعوں کے ایک فقیہ اور مرجع تقلید کی حیثیت سے ان کی کسی طرح کی حمایت سے دریغ نہیں کیا وہ مسئلہ فلسطین کو

اسلام کی حیثیت سے مربوط سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے وہ تمام مسلمانوں خاص کر لبنان کے شیعوں کو فلسطینیوں کی مدد پر اُبھارتے تھے اور اس بات پر زور دیتے تھے کہ فلسطین کی مشکل دنیائے اسلام کی مشکل ہے۔ امام خمینی مٹھی بھر صہیونیوں کی ایک ارب سے زیادہ مسلمانوں پر حکمرانی کو ذلت سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کہتے ہیں:

''وہ ممالک جن کے پاس سب کچھ ہے اور ہر طرح کی طاقت سے سرشار ہیں ان پر چند اسرئیلی حکمرانی کریں؟ ایسا آخر کیوں ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ قومیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں عوام اور حکومتوں میں جدائی ہے اور حکومتیں آپس میں متحد نہیں ہیں۔ ایک ارب مسلمان باوجود کہ ہر طرح کے وسائل سے لیس ہیں لیکن پھر بھی اسرئیل، لبنان اور فلسطین پر ظلم کر رہا ہے۔'' (۲۹)

رہبر اسلامی انقلاب امام خمینی کا یہ مشہور قول ہے کہ ''اگر تمام مسلمان متحد ہو کہ صرف ایک پانی بالٹی اسرائیل پر ڈالیں تو اسرائیل غرق ہو جائے گا۔'' آپ کہتے ہیں:

''ایک چیز میرے لئے پریشان بنی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ تمام اسلامی حکومتوں اور قوموں کو معلوم ہے کہ درد وہ جانتے ہیں کہ ان کے افتراق میں غیروں کا ہاتھ ہے اور چاہتے ہیں کہ اس تفرقے کا نتیجہ صرف ضعف و نابودی میں ملے۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ اسرائیل کی نام ونہاد حکومت مسلمانوں کے مقابلے پر ہے۔ اگر سب مسلمان مل کر ایک ایک بالٹی پانی ڈالیں تو اسرائیلی ریاست سیلاب میں بہہ جائے گی۔ اس کے باوجود اس کے سامنے ذلیل ہیں۔'' (۳۰)

(خ) دنیائے اسلام کی صلاحیتوں اور فرصتوں سے فائدہ اٹھانا:

فلسطینیوں کے حقوق کے دفاع اور ان کی علیحدہ ریاست کے قیام کی حمایت کیلئے امت مسلمہ کو تیار کرنے کے سلسلے میں امام خمینی معتقد تھے کہ غیر ضروری مناسبتوں اور سہاروں جن کا فلسطینی عوام کی ثقافت سے کوئی تعلق نہیں کے بجائے اصل نظریہ اسلام اور اس کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ماہ مبارک رمضان کے آخری جمعہ کو ''عالمی یوم القدس'' قرار دینا امام خمینی کے اسی اقدام کا نمونہ ہے۔ اس سلسلے میں آپ کہتے ہیں:

''میں کئی برس سے اسرائیل خطرے کے بارے میں مسلمانوں کو آگاہ کر چکا ہوں۔ اسرئیل نے ان دنوں فلسطینی بہنوں اور بھائیوں پر اپنے وحشیانہ حملوں میں اضافہ کر دیا ہے خاص کر جنوبی لبنان میں فلسطینی مجاہدین گھروں پر ہوائی حملے کر رہا ہے۔ میں دنیا کے تمام مسلمانوں اور اسلامی حکومتوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اس غاصب اور اس کے حامیوں کے تسلط کو ختم کرنے کیلئے

آپس میں مل جائیں اور دنیا کے تمام مسلمانوں کو دعوت دیتا ہوں کہ ماہ مبارک رمضان کے آخری جمعہ کو جو (شب قدر) کے ایام میں سے ہے اور فلسطینی عوام کی تقدیر بھی معین کرسکتا ہے کو یوم القدس کے طور پر انتخاب کریں اور پروگرام بنا کر مسلمانوں کے قانونی حقوق کی حمایت میں عالمی یکجہتی کا اعلان کریں۔'' (۳۱)

نیز امام خمینی ''یوم القدس'' کو یوم اسلام، اسلامی حکومت کا دن، عالمی طاقتوں کی شکست، مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی اور اسلامی بیداری سے طاقتوں کی چشم پوشیوں کے عملی جواب کا دن سمجھتے ہیں۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ایران کے مختلف حصوں میں بعض عناصر نے تخریبی کاروئیوں کا آغاز کیا۔ نئی حکومت کے لئے مشکلات کھڑی کی گئیں۔ داخلی طور پر یونیورسٹیوں میں بائیں بازو کے گروپوں نے سر اٹھایا۔ ان حالات میں فکری تقاضہ یہ تھا کہ ایران کسی ایک سپر طاقت کا سہارا لے کر اپنی ان مشکلات پر قابو پائے۔ ایسے میں ایک دن سوویت یونین کے سفیر نے امام خمینی سے ملاقات کے لئے وقت مانگا اور پیغام دیا کہ صدر برزنیف کا انتہائی اہم پیغام لایا ہوں لیکن امام خمینی نے ملاقات کے لئے صبح کا وقت دیا۔ اگلی صبح جب آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے برزنیف کے نام پیغام دیا۔ افغانستان پر قبضہ کے خواب دیکھنے کی حماقت نہ کرنا ورنہ جو حال امریکہ کا ویتنام میں ہوا تھا وہی تمہارا ہوگا اور تم دلدل میں پھنس جاؤ گے اور عالم اسلام تمہارے اس اقدام کو کسی بھی صورت معاف نہیں کرے گا۔ امام خمینی نے ایسے مشکل حالات میں بھی سپر طاقتوں کے سہارے ڈھونڈنے کے بجائے آپ نے سپر طاقتوں کو للکارا۔

عالم سیاست پر امام خمینی کی شخصیت کے اثرات:

تاریخ انسانی میں ایسے افراد کا تذکرہ موجود ہے جنہوں نے اپنی جدوجہد سے اپنی قوم کی تقدیر بدل دی۔ ایسے مثالی اور یادگار انقلاب برپا کئے کہ جن کے کارناموں کو فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔ ان افراد میں امام خمینی کو ایک عالمی مقام حاصل ہے گو کہ انہوں نے اپنے پیروکاروں کی مدد سے ایران کو شہنشاہیت اور بڑی طاقتوں کے تسلط سے آزادی دلائی اور ان کا یہ عمل ایک قوم کیلئے تھا لیکن اس کے اثرات پوری دنیا میں دیکھے گئے۔

امام خمینی نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کے لئے مناسب ترین وقت کا انتخاب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی سیاست پر آپ کی شخصیت کے اثرات مرتب ہوئے۔ ذیل میں ہم اسی سلسلے میں بحث کریں گے۔

الف۔ دنیا سے سوشلزم کے خاتمے کی پیش گوئی: سوویت یونین کے آخری سربراہ گورباچوف نے عالمی کیمونزم میں بنیادی تغیر وتبدیل اور اصلاحات کیں، ابھی سیاسی مبصرین اور مغربی رہنماء ان اصلاحات کی طرف

شک وتردید اور بدبینی کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ اصلاحات سوویت یونین میں کمیونزم کے ستر سالہ الحادی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دیں گی، امام خمینی نے انہی دنوں یکم فروری ۱۹۸۹ء کو گورباچوف کے نام ایک خط لکھا۔ یہ خط دعوتِ اسلام کے پیغام کے ساتھ آیت اللہ جوادی آملی کی قیادت میں ایک وفد سوویت یونین کے سربراہ میخائل گورباچوف کے ہاں بھیجا گیا۔ جس میں آپ نے پیش گوئی کی تھی: ''آج کے بعد کیمونزم کو دنیا کی سیاسی تاریخ کے عجائب گھروں میں ڈھونڈنا چاہیے۔'' (۳۲) امام خمینی نے اس خط میں سوویت یونین میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا گہرا تجزیہ کرتے ہوئے انہیں ''کمیونزم کی ہڈیوں کے چٹخنے کی آواز'' سے تعبیر کیا۔ نیز روسی رہنماء کو اپنے ملک کے اقتصادی، سماجی اور سیاسی مسائل اسلام کے آفاقی نظریات کے تحت حل کرنے اور کمیونزم کے خاتمے پر مغربی سبز باغ کی طرف نہ جانے کی رائے دی۔ اسی خط میں ایک اور پیش گوئی کرتے ہوئے یقینی انداز میں خبردار کیا گیا جو اس دور کے عالمی حالات کے تجزیئے میں امام خمینی کی قدرت (طاقت) کی نشاندہی کرتی ہے۔ مذکورہ خط کے اہم اقتباسات حسب ذیل ہیں:

''جناب محترم گورباچوف! صدر مجلس اعلیٰ، سوشلسٹ سوویت یونین!

آپ کی اور روسی قوم وملت کو خوش بختی کی امید کرتے ہوئے!

جب سے آپ نے اپنا عہدہ سنبھالا ہے یہ احساس ہو رہا ہے کہ آپ نے دنیا کے سیاسی واقعات کے تجزیئے خصوصاً دورِ جدید میں روس جن مسائل سے دوچار ہے ان کی طرف سے نئے سرے سے انقلاب آمیز نظر ڈالی ہے اور دنیاوی حالات و واقعات کے سلسلہ میں آپ کے بے باکانہ فیصلوں سے ہوسکتا ہے کہ موجودہ دنیا پر حاکم توازن میں خلل پڑنے اور ایک بڑی تبدیلی رونما ہونے کا سبب بنیں۔ اس لئے میں نے چند باتوں کی طرف آپ کی توجہ کو مبذول کرانا بہتر سمجھا!

بہت ممکن ہے آپ کا دائرہ فکر اور آپ کے نئے عزائم محض پارٹی کے مسائل اور اس کے ذیل میں روسی عوام کے بعض مشکلات کا حل ڈھونڈ نکالنے تک محدود ہوں پھر بھی جس نظریہ نے سالہا سال دنیا کے فرزندان انقلاب کو اپنے آہنی حصاروں میں مقید کر رکھا تھا اس نظریہ پر اتنے دلیرانہ انداز سے آپ نے جو تجدید نظر فرمائی ہے یہ بھی قابل تعریف ہے اور اگر اس سے کچھ بلند ہو کر آپ غور و فکر کریں تو سب سے پہلا مسئلہ جو آپ کے لئے یقیناً کامیابی کا باعث ہوگا وہ یہ ہے کہ آپ کے بزرگوں کا جو نظریہ خدا سے دوری اور دین دشمنی پر مبنی تھا اور جس نے ملت روس کو زبردست نقصان پہنچایا ہے آپ اس نظریہ کے بارے میں تجدید نظر کریں اور پھر سے سوچیں۔ آپ یقین کیجئے کہ دنیاوی مسائل کے واقعی حل کا اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ ممکن ہی نہیں ہے۔

جناب محترم گورباچوف!

حقیقتوں سے منہ نہیں موڑنا چاہئے۔آپ کے ملک کی اصل مشکل ملکیت، اقتصادی اور آزادی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ آپ کی تمام پریشانیوں کی اصل جڑ خدا پر اعتقاد نہ ہونا ہے۔ وہی مشکل جس نے مغرب کو بھی تباہی و بربادی کی انتہا تک پہنچا دیا ہے اور پہنچا کے رہے گی۔آپ کی اصل مشکل مبداء وجود وہستی، خداوند عالم کے مقابلہ میں ایک عرصہ سے جاری فضول ٹکراؤ ہے۔

جناب محترم گورباچوف!

یہ بات سب ہی پر روشن ہو چکی ہے کہ اب اس کے بعد کمیونزم کو دنیا کی سیاسی تاریخ کے عجائب گھروں میں ڈھونڈنا پڑے گا۔ کیونکہ مارکسی نظریہ انسان کی واقعی ضروریات کو پورا کرنے سے قطعی قاصر ہے اس لئے کہ یہ ایک مادی نظریہ ہے اور آج مشرق ومغرب کا معاشرہ جس بنیادی بیماری میں مبتلاء ہے وہ ''بشریت پر عدم اعتقاد'' ہے اور اس بحران سے بشریت کو مادیات کے ذریعہ نجات نہیں دلائی جا سکتی۔

محترم گورباچوف!

ممکن ہے آپ نے مقام اثبات میں مارکسزم کے بعض پہلوؤں سے روگردانی نہ کی ہو اور آج کے بعد بھی انٹرویو وغیرہ میں اس پر اپنے مکمل عقیدہ اور اعتماد کا اظہار فرمائیں مگر یہ بات آپ خود بھی جانتے ہیں کہ مقام ثبوت میں ایسا نہیں ہے۔

کمیونزم پر سب سے پہلی کاری ضرب چینی قیادت نے لگائی اور دوسری اور بظاہر آخری کاری ضرب آپ نے مل کر کمیونزم پر لگائی ہے اب اس وقت دنیا میں کمیونزم نام کی کوئی چیز باقی نہیں ہے لیکن میں آپ سے پوری سنجیدگی کے ساتھ اتنا ضرور چاہتا ہوں کہ مارکسزم کی خیالی دیواروں کو توڑنے میں آپ مغرب اور شیطان بزرگ (امریکہ) کے زندان میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ دنیائے کمیونزم کی ستر سالہ زندگی کے آخری بوسیدہ نقاب کو بھی اپنے ملک اور تاریخ کے چہرے سے نوچ کر پھینک دیں گے اور اس طرح واقعی ایک قابل افتخار کارنامہ انجام دیں گے۔

اب آپ کی طرف دار وہ حکومتیں بھی جن کے دل اپنے ملکوں کے زمینی وزیر زمینی ذخیروں کو کمیونزم کی کامیابی کے لئے جس کی ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آوازیں خود ان کے فرزندوں کے کانوں تک پہنچ چکی ہیں، خروج کرنے پر تیار نہ ہوں گی۔

محترم گورباچوف!

جس وقت آپ کی بعض جمہوریتوں میں واقع مسجدوں کے گلدستہ اذان سے اللہ اکبر اور پیغمبر ختمی مرتبتؐ کی رسالت کی گواہی کی صدا ستر سال کے بعد سنی گئی "خالص اسلام محمدی" کے سب طرفداروں کی آنکھوں سے وفورِ شوق میں آنسو نکل آئے۔

لہٰذا میں نے ضروری سمجھا کہ یہ موضوع آپ کے گوش گزار کردوں کہ ایک بار پھر سے مادی والٰہی دونوں تصور کائنات کا جائزہ لیجئے۔ مادہ پرستوں نے اپنے تصور کائنات میں شناخت کا معیار 'حس' کو قرار دیا ہے اور جو چیز دائرہ حس میں نہ آئے اس کو علم کے دائرہ حکومت سے باہر جانتے ہیں اور ہستی کو مادہ کا مثل مانتے ہوئے اگر کوئی چیز مادہ سے مرا ہے تو اس کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔ اسی لئے یہ لوگ دنیائے غیب مثلاً وجودِ خدا، وحی نبوت اور قیامت کو سرے سے افسانہ سمجھتے ہیں، حالانکہ تصور کائنات میں معیار شناخت حس وعقل دونوں ہیں۔ لہٰذا عقلی چیز بھی علم (سائنس) کے دائرہ حکومت میں داخلی ہے۔ چاہے انہیں حس اور تجزیہ میں نہ لایا جا سکے اس لئے ہستی غیب وشہود دونوں کو شامل ہے اور غیر مادی چیز بھی موجود ہو سکتی ہے اور شناخت حسی شناخت عقلی پر مکتفی ہے قرآن کریم نے مادی انداز فکر کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ خدا نہیں ہے کیونکہ اگر خدا ہوتا تو دکھائی دیتا۔ ارشاد ہوتا ہے:

"لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ" (۳۳) نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو اور وہ باریک بین (اور) پوری طرح باخبر ہے۔

قرآن مجید ان استدلالوں سے جو اس نے وحی نبوت اور قیامت کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے ہم قطع نظر کرتے ہیں کیونکہ آپ کے نظریہ کے مطابق تو پہلے یہی محل بحث ہے۔

اصولی طور پر آپ کو فلاسفہ کے پر پیچ مسائل، خصوصاً اسلامی فلسفہ کے مباحث میں الجھانا نہیں چاہتا صرف ایک بہت ہی سادہ، فطری اور وجدانی مثالیں سند کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ جن سے سیاست دان حضرات بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

یہ مسلمات میں سے ہے کہ مادہ وجسم چاہے جو بھی ہو وہ اپنے آپ سے بے خبر ہے۔ انسان کے ایک سنگی یا مادی مجسمہ کا ہر ہر حصہ سے مخفی و پوشیدہ ہے۔ حالانکہ ہم واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ انسان وحیوان اپنے ہر طرف سے آگاہ و باخبر ہے۔ انسان جانتا ہے وہ کہاں ہے؟ اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے؟ دنیا کے حالات کیا ہیں؟ اس لئے ماننا

پڑے گا کہ انسان وحیوان میں ایک دوسری چیز بھی ہے جو مادہ سے مافوق ہے اور وہ عالم مادہ سے جدا ہے جو مادہ کے مرنے سے نہیں مرتی، باقی رہتی ہے۔

فطرتاً انسان اپنے اندر ہر کمال کو مطلق (عمومی) طور پر پائے جانے کا خواہش مند ہوتا ہے اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسان دنیا کی قدرت مطلقہ (عمومی طاقت) کا طالب ہوتا ہے، اور کسی بھی ناقص قدرت (طاقت) سے اس کا دل نہیں بھرتا۔ اگر ایک پوری دنیا اسکے قبضہ میں ہو اور اس سے کہا جائے کہ ایک دنیا اور بھی ہے تو وہ فطرتاً ان علوم کو حاصل کرنے کی طرف مائل ہوگا لہٰذا ایک قدرتِ مطلقہ اور علم مطلقہ کی ضرورت ہے جس سے انسان لو لگائے۔

اور وہ صرف خدا کی ذات ہے جس سے ہم سب کی امیدیں وابستہ ہیں چاہے ہم خود نہ جانتے ہوں۔ انسان کی خواہش ہے کہ ''حق مطلق'' تک پہنچ جائے تاکہ فنافی اللہ ہو جائے۔ اصولی طور پر ہر انسان کی سرشت میں ابدی زندگی کی خواہش موجود ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ موت سے آزاد ہو جائے اور زندگی جاوید کا مالک بن جائے۔ اگر جناب عالی کو اس سلسلہ میں تحقیق کی خواہش ہو تو ان علوم کے جاننے والے حضرات کو مغربی فلسفہ کے علاوہ مشائی (حکمت منشاء۔ وہ فلسفہ ہے جس کی بنیاد ارسطو نے رکھی)، فلسفہ فارابی، اور بوعلی سینا کی وہ کتابیں پڑھنے کا حکم دیں۔ جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں تاکہ ان پر واضح ہو سکے کہ علیت ومعلولیت کا قانون ''جس پر ہر طرح کی شناخت کا مدار ہے''۔ اس کا تعلق معقول سے ہے محسوس سے نہیں ہے۔ اسی طرح معانی کلیہ کا ادراک نیز تمام قوانین کلیہ ''جن پر ہر قسم کے استدلال کی بنیاد قائم ہوتی ہے''۔ بھی سب کے سب معقول ہیں محسوس نہیں ہیں، اور پھر اشراقی فلسفہ میں بھی یہ لوگ سہروردی کی کتابوں کا مطالعہ کر کے آپ کو بتائیں کہ جسم نیز تمام مادی موجودات بھی اس نور محض کے محتاج ہیں جو حس سے منزہ ہے اور انسان کے لئے خود اپنی ذات اور اپنی حقیقت کا ادراک شہودی بھی حسی وجود سے مبرا ہے۔

آپ اپنے بزرگ دانشمندوں کو حکم دیں کہ وہ صدرالمتالہین، رضوان اللہ علیہ خداوند عالم ان کو نبیین و صالحین کے ساتھ محشور کرنے کی حکمت متعالیہ کا مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہو کہ حقیقت علم وہی وجود محض ہے جو مادہ سے مجرد ہے اور ہر طرح کی فکر مادہ سے مبرا ہے اور احکام مادہ اس پر جاری نہیں ہو سکتے۔

اب اس سے زیادہ میں آپ کو تھکانا نہیں چاہتا اور عارفین کی کتابوں خصوصاً محی الدین ابن عربی کی کتابوں کا نام نہیں لوں گا۔ ہاں اگر اس بزرگ شخصیت کے مباحث سے آپ واقف ہونا چاہتے ہوں تو چند ایسے ذہین وباہنر افراد کو جو اس قسم کے علم میں مہارتِ تامہ رکھتے ہوں قم روانہ فرمائیے تاکہ چند سال خدا پر بھروسہ کر کے

بال سے بھی زیادہ باریک ولطیف عرفانی منازل سے آگاہی حاصل کریں۔ کیونکہ علم وآگہی کا یہ سفر طے کئے بغیر وہاں تک رسائی ناممکن ہے۔

جناب محترم گورباچوف!

ان مسائل ومقدمات کے ذکر کے بعداب میں آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ پوری سنجیدگی کے ساتھ اسلام کے بارے میں تحقیق وتفحص کریں اور یہ خواہش اس لئے نہیں ہے کہ اسلام اور مسلمین آپ کے محتاج ہیں، بلکہ اسلام کے آفاقی وعظیم اقدار کی بنا پر ہے جو تمام قوموں کی نجات کا سبب اور باعث راحت وآرام بن سکتے ہیں اور یہی بشریت کی بنیادی مشکلات گرہیں، کھول سکتا ہے۔

اسلام کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کرنے سے ہوسکتا ہے کہ آپ مسئلہ افغانستان اور اسی قسم کے دنیا کے دیگر مسائل سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دے۔ ہم دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو اپنے ملک کے مسلمانوں کی طرح سمجھتے ہیں اور ہمیشہ اپنے آپ کو ان کے حال میں شریک سمجھتے ہیں۔

آپ نے سویت یونین کی بعض جمہوریوں میں نسبتاً جو مذہبی آزادی دی ہے اس سے لگتا ہے کہ اب آپ یہ خیال ترک کر چکے ہیں کہ مذہب معاشرہ کے لئے افیون ہے۔

سچ بتایئے جس مذہب نے ایران کو بڑی طاقتوں کے مقابلہ میں ایک پہاڑ کی مانند استوار کر رکھا ہے کیا وہ معاشرہ کے لئے نشہ آور ہوسکتا ہے؟ آیا جو مذہب پوری دنیا میں عدالت وانصاف کے اجراء کا مطالبہ کرتا ہے اور انسان کو ہر قسم کی معنوی ومادی قیود سے آزاد دیکھنے کا خواہاں ہے معاشرہ کے لئے افیون ہے؟

البتہ جو مذہب اسلامی وغیر اسلامی ممالک کے مادی ومعنوی سرمایہ کو بڑی طاقتوں اور حکومتوں کے حوالہ کر دینے کا سبب بنے اور برسرعام چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ سیاست دین سے جدا ہے، یقیناً ملک وقوم کے لئے نشہ آور ہے! لیکن وہ اس صورت میں واقعی مذہب نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس مذہب کو ہمارے یہاں کے لوگ 'امریکی مذہب' کہتے ہیں۔

آخر میں پھر صاف لفظوں میں اعلان کرتا ہوں کہ جمہوری اسلامی ایران عالم اسلام کا عظیم ترین وطاقتور ترین مرکز ہونے کی حیثیت سے بڑے اطمینان کے ساتھ آپ کے اعتقادی نظام کے خلا کو پر کرسکتا ہے۔ بہرحال ہمارا ملک ماضی کی طرح حسن ہمسائیگی اور برابری کے روابط کا قائل ہے اور اس کا احترام کرتا ہے۔ (۳۴)

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

روح اللہ الموسوی الخمینی، ۲۲ جمادی الاول ۱۴۰۹ھ (یکم جنوری ۱۹۸۹)

مندرجہ بالا خط کے اقتباس سے یہ واضح ہوا کہ امام خمینی نے اس خط میں یہ پیشگوئی کر دی کہ آئندہ کمیونزم صرف تاریخ کے عجائب گھروں میں ملے گی۔ امام خمینی نے سوویت یونین کے لیڈر کو اس امر کی بھی دعوت دی کہ وہ اپنے مسائل کے حل اسلام میں تلاش کرے۔ بجائے اس کے کہ مغرب کے اذکار رفتہ دروازوں پر دستک دے۔ مسلمانوں کو بھی اس صائب رائے پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس خط میں امام خمینی روس کے سابق صدر کو اللہ کی راہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور انہیں ان کے مادی نظام کے جلد از جلد طاق نسیان بن جانے سے آگاہ کرتے ہوئے اسلامی نظام کی حقانیت اور دوام کی نوید سناتے ہوئے اس پر عمل کرنے کی اپیل کر رہے ہیں۔

گورباچوف کا اس خط پر رد عمل یہ تھا کہ ''مجھے فخر ہے کہ امام خمینی جیسی قد آور شخصیت نے اپنے پیغام کے لئے میرا انتخاب کیا ہے۔'' (۳۵) بہر حال روسی قائدین نے امام خمینی کی مذکورہ بالا نصیحتوں پر غور نہیں کیا، امریکی اور یورپی تجارتی اداروں نے موجودہ روس کو اپنی معاشی حرص و لالچ کے لئے کھلونا بنایا۔

صدر گورباچوف امام خمینی کی شخصیت سے متاثر ہو کر اپنا نکتہ نظر یوں بیان کرتے ہیں:

''اگر ہم آیت اللہ خمینی کی پیشگوئیوں کو اس پیغام میں سنجیدہ لیتے تو واقعاً آج اس طرح کے حالات (سوویت یونین کے ٹکڑے، روس کی روز افزوں کمزوری) کو نہ دیکھتے آیت اللہ خمینی نے پوری دنیا پر اثر ڈالا ہے اور میں اس بات کا معتقد ہوں کہ وہ زمانے سے بھی بڑھ کر سوچتے تھے اور آپ کی شخصیت مکان کی حدود میں نہیں سماتی تھی۔'' (۳۶)

اسی طرح روسی پارلیمنٹ کے ممبر بابوبین بھی امام خمینی کی شخصیت سے متاثر ہوئے اور وہ امام خمینی کی شخصیت کو سامنے رکھ کر یہ کہتے ہیں:

''ہم روسیوں کے لئے اسلامی انقلاب ایران کا سب سے اہم ماحصل امام خمینی کا وہ خط ہے جو آپ نے گورباچوف کو لکھا تھا کہ جس میں سوویت یونین کی قیادت کو متنبہ کر دیا تھا کہ مستقبل کے بحران سے ہوشیار رہے اور مغربی کیچڑ میں گرفتار نہ ہو اور اگر گورباچوف نے امام خمینی کی نصیحتوں پر عمل کیا ہوتا تو آج اس طرح کی مشکلات میں گرفتار نہ ہوتا۔'' (۳۷)

یہ وہ دور تھا کہ سوویت یونین کا شیرازہ اس قدر جلد بکھر جانے کے متعلق گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونزم کی متوقع موت کا اعلان کرنے میں امام خمینی کو اولیت حاصل ہے۔

سلمان رشدی کے خلاف امام خمینی کا فتویٰ:

ادیان و مذہب کی تاریخ میں ایک زندہ و جاوید مذہب کی حیثیت سے جہاں مذہب اسلام نے غیر معمولی

عالمی مقبولیت حاصل کی ہے وہیں اس کے دشمنوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ عالمی سامراج کے زرخرید غلام سلمان رشدی کی ''شیطانی آیات'' نامی کتاب اسلام کی بدنامی ورسوائی کے لئے رچی گئی شرم ناک سازشوں کا ایک اہم حصہ تھی۔ شیطانی آیات کی اشاعت کے بعد عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کی رسوائی کا بازار گرم ہوگیا۔(۳۸)

اسی اثناء میں امام خمینی نے ۱۴ فروری ۱۹۸۹ء کو چند چھوٹی سطروں میں سلمان رشدی کے مرتد ہونے، اس کے اور اس کی کتاب کے کفر آمیز مطالب سے آگاہ ناشرین کے واجب القتل ہونے پر مبنی فتویٰ جاری کرتے ہوئے ایک نیا انقلاب برپا کیا۔(۳۹)

چونکہ اس کتاب میں مسلمانوں کے مقدسات اور اعتقادات کا مذاق اڑایا گیا تھا لہٰذا امام خمینی نے اس کتاب کے مولف اور اس کتاب کے مضامین سے آگاہ ناشرین کے خلاف فتویٰ جاری کرتے ہوئے مسلمانان عالم کے نام اپنا پیغام اس طرح جاری کردیا:

باسمه تعالی. انا لله و انا الیه راجعون

میں دنیا کے تمام غیرت مند مسلمانوں کے علم میں یہ بات لا رہا ہوں کہ اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن مجید کے خلاف لکھی جانے والی کتاب ''آیات شیطانی'' کا مولف، نیز اس کتاب کے مضامین سے آگاہ ناشرین واجب القتل ہیں۔ میں غیور مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جہاں کہیں بھی ان کو پائیں فوراً قتل کردیں تا کہ آئندہ کوئی بھی مقدسات اسلام کی توہین کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ اس جدوجہد میں جو بھی مارا جائے وہ شہید ہے۔ انشاء اللہ، اگر کوئی شخص اس کتاب کے مولف تک رسائی رکھتا ہو لیکن اسے قتل کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ لوگوں کو اس کی نشاندہی کرے تا کہ وہ اپنے کیفر کردار تک پہنچ جائے۔(۴۰)

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
روح اللہ الموسوی الخمینی

اس فتویٰ نے مغرب والوں کے اس تصور کو بے بنیاد ثابت کیا کہ قرارداد نمبر ۵۹۸ قبول کر کے ایران اپنے انقلابی اسلامی مقاصد سے دستبردار ہو چکا ہے۔

امام خمینی نے سلمان رشدی کے خلاف درج بالا فتویٰ صادر کردیا جس نے نہ صرف سلمان رشدی بلکہ دنیا کے تمام اسلام دشمنوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اب ہم ذیل میں اسلامی مآخذ کی روشنی میں اس تاریخی فتوے کا ایک جائزہ لینا ضروری سمجھتے ہیں۔

''شیطانی آیات'' کے مصنف (سلمان رشدی) اور اس کتاب کے مطالب سے آگاہ ناشرین کے

واجب القتل قرار دیئے جانے سے متعلق اسلامی انقلاب ایران کے رہبر کے حکم نے اس صدی کے سامراج کے پیکر پر سب سے زیادہ کاری ضرب لگائی اور پوری دنیا میں اس حکم کی اشاعت نے نہ صرف دشمنان اسلام کی اس زبردست ثقافتی سازش کو ناکام بنادیا بلکہ سامراجی قلم فروشوں کے اوپر اس قدر رعب و وحشت طاری کر دی ہے کہ اب کوئی لکھاری اسلام کے خلاف جلدی کچھ لکھنے کی جرات نہ کرے گا۔

الٰہی حدود جاری ہونے کے یہی وہ قیمتی ثمرات و نتائج ہیں جن کے پیش نظر پیغمبر اسلامؐ نے الٰہی حدود میں سے ایک حد کو کرہ زمین کے ساکنوں کے لئے چالیس روز کی بارش اور باران رحمت سے بھی زیادہ قیمتی قرار دیا ہے اور چونکہ تمام الٰہی حدود و قوانین کا نفاذ امام عادل کی حاکمیت اور اس کی طرف سے تقاضائے وقت کے مطابق صادر کئے جانے والے صحیح اور موثر حکم پر موقوف ہے یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ایک ساعت کی امامت اور معاشرہ میں اس کے وجود کو ستر سال کی عبادت سے افضل قرار دیا ہے۔

''قال رسول اللہ ﷺ : ساعة امام عادل افضل من عبادة سبعين سنة و حد يقام لله فی الارض افضل من مطرار اربعين صباحاً''(۴۱)

وقت کے اس حساس موڑ پر اسلامی انقلاب کے رہبر اپنے تاریخی فتوے کے ذریعے استعمار کے اس غلام کے قتل کا حکم صادر کرتے ہیں جس نے بڑے ہی بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا یعنی پاکیزہ ترین مخلوق اور درخشندہ ترین جلوہ پروردگار، تمام رسولوں کے سردار خاتم الانبیاء حضرت محمد بن عبداللہ کی پاکیزہ شان میں گستاخی کی ہے اور ان کی محترم ازواج اور اصحاب کرام، نیز دیگر جلیل القدر الٰہی انبیاء مثلاً حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی اہانت اور وحی، جبرائیل مرکز وحی مکہ نیز دیگر اسلامی مقدسات کا مضحکہ اڑایا ہے۔امام خمینی نے اس حکم کو صادر کرنے اور اس اعلان کے ساتھ ہی ساتھ یہ کہہ کر کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہے دشمنان خدا اور رسولؐ کی سازشوں کے مقابل اسلام کے تحفظ اور اس کی عزت کی ضمانت لے لی ہے۔

اب ہم اس حکم کے مآخذ و مدارک اور شرعی دلیلیں پیش کرتے ہوئے یہاں معتبر روایات و احادیث کا شیعہ اور اہل سنت معتبر ترین روایاتی مجموعوں نیز اسلامی مذاہب کے دیگر مشہور و معروف مفتیوں کے فتاویٰ کو حسب ذیل تین مراحل کے تحت پیش کرتے ہیں تاکہ امام خمینی کے اس حکم کی حقیقت پورے طور پر واضح ہوجائے:

مرحلہ اول: فریقین کی روایات کی روشنی میں مرتد کا واجب القتل ہونا۔

مرحلہ دوئم: فریقین کی روایات کی روشنی میں نبیؐ پر سب و شتم کرنے والے کا واجب القتل ہونا۔

مرحلہ سوئم: اسلام کی اعتقادی و ثقافتی سرحدوں کا دفاع۔

درج بالا مراحل کو بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی نگاہ میں مرتد کا حکم اور امام خمینی کی نگاہ میں مرتد کی تعریف کو بیان کیا جائے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُوْلَـئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَأُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۴۲)

''اور جو شخص تم (مسلمانوں) میں سے اپنے دین سے پھر جائے اور کفر کی حالت میں مرے۔ ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں حبط ہو جاتے ہیں اور یہ لوگ اہل جہنم ہیں اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

مرتد کی تعریف:

ہر وہ شخص جو مسلمان ہو اور بعد میں اسلام کو ترک کر کے دوسرا دین و آئین اختیار کرے یا اسلام اور اس کی مقدسات کا مذاق اڑائے اور ان کی اہانت کرے یا پیغمبر اسلام اور اس کی مقدسات کا مذاق اڑائے اور ان کی اہانت کرے یا پیغمبر اسلام کی رسالت کو جھٹلائے یا کسی خاص غرض کے تحت اسلام پر اعتراضات کرے، مرتد ہے۔ جیسا کہ امام خمینی نے اپنی کتاب تحریر الوسیلہ جلد اول میں ''مرتد'' اور ''کافر'' کی اسی عنوان سے تعریف کی ہے:

الکافر وھو من انتحل غیر الاسلام او انتحله وجحد بما یعلم من الدین ضرورة بحیث یرجع جحوده الی انکار الرسالة او تکذیب البنی او تنقیص شریعة المطھرة او صدر منه مایقتضی کفره من قول او فعل من غیر فرق بین المرتد والکافر الاصلی...'' (۴۳)

''کافر وہ شخص ہے جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین و آئین کا انتخاب کرے یا دین اسلام کو تسلیم کرتا ہو لیکن دین کی بعض ضروریات کا اس طرح انکار کرے کہ اس کا نتیجہ پیغمبر اسلام کی رسالت کے انکار کی شکل میں برآمد ہو یا سیدھے سیدھے پیغمبر اکرمؐ کی رسالت ہی جھٹلا دے یا دین اسلام میں نقص نکالے اور اس پر اعتراض درست سمجھے یا ہر وہ کام کرے یا ایسی بات کہے جس کا نتیجہ کفر ہو، کفر کی ان تمام صورتوں میں مرتد جو پہلے مسلمان تھا اور کافر میں جو شروع سے ہی کافر رہا ہے کوئی فرق نہیں ہے۔''

مرتد کی قسمیں:

مرتد فطری اور مرتد ملی: اگر کوئی شخص فطرت اسلام پر پیدا ہو (یعنی مسلمان خاندان میں پیدا ہوا اور اس

کے ماں باپ ان میں سے کوئی ایک مسلمان ہو) پھر وہ اس دین کو چھوڑ دے اور مرتد ہو جائے تو اسے مرتد فطری کہتے ہیں اور اگر کافر گھرانہ میں پیدا ہوا اور مسلمان ہو کر پھر کافر ہو جائے تو اسے مرتد ملی کہتے ہیں۔ ان دونوں قسموں کے مرتد کی سزا تمام اسلامی مذاہب کی نگاہ میں قتل ہے جیسا کہ تمام اسلامی مذاہب اس بات کے معتقد ہیں کہ اگر مرتد ملی توبہ کرلے تو قانوناً اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی اور وہ قتل کی سزا سے بری ہو جائے گا لیکن اگر مرتد فطری توبہ کرے تو قانوناً قبول نہیں ہوگی جبکہ بعض علماء اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول ہوگی۔

مذکورہ بالا تعریف سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ''شیطانی آیات'' کا مصنف سلمان رشدی دو جہتوں سے مرتد ہوا ہے۔ ایک یہ کہ پہلے وہ مسلمان تھا۔ بعد میں اس نے عیسائیت کو اپنے دین کے عنوان سے منتخب کیا اور دوسرے اس دین ووحی کا مذاق اڑایا ہے۔ کی اہانت کی ہے اور اسلامی شریعت پر اعتراضات کئے ہیں۔

فریقین کی روایات میں مرتد کا واجب القتل ہونا:

الف۔ امامیہ کی روایات: واجب القتل ہونے میں شیعوں کے ہاں بہت سی روایات موجود ہیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر صرف دو روایتیں پیش کرتے ہیں:

۱۔ ''محمد بن مسلم قال: سئلت اباجعفر عن المرتد ؟قال :من رغب عن الاسلام و کفر بماانزل علی محمد ُبعداسلامه فلاتوبة له وقد وجب قتله وبانت منه امرئته ویقسم ما ترک علی ولده''(۴۴)

''امام محمد باقر کے ایک صحابی محمد بن مسلم نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام سے مرتد کے حکم کے سلسلہ میں سوال کیا حضرت نے فرمایا: (مرتد) وہ شخص ہے جو مسلمان ہونے کے بعد اسلام سے پھر جائے اور جو کچھ حضرت محمدؐ پر نازل ہو ہے اس سے انکار کردے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہے اس کا قتل واجب ہے اس کی زوجہ اس سے جدا ہو جائے اور اس کا مال وترکہ وارثوں میں تقسیم کردیا جائے۔''

۲۔ ''صحیحه حسین بن سعیدقال: قرات بخط رجل الی ابی الحسن الرضا رجل ولد علی الاسلام ثم کفر وأشرک وخرج عن الاسلام هل یستتاب ؟او یقتل ولا یستتاب ؟فکتب :یقتل''(۴۵)

''حسین بن سعید نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایک خط دیکھا جس میں ایک شخص نے امام رضا کی خدمت میں لکھا تھا کہ ایک شخص مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا اور اس کے بعد کافر ومشرک ہو کر اسلام سے خارج ہو گیا کیا اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے؟ یا اس سے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کردیا جائے؟ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:

قتل کردیا جائے۔"

(ب) اہل سنت کی روایت:

۱۔ "عن ابن عباس قال: قال رسول اللہؐ: من بدل دینه فاقتلوه" حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: جو (مسلمان) اپنا دین بدل ڈالے اسے قتل کردو" (۴۶)

(ج) فقہا کی نگاہ میں مرتد کا واجب القتل ہونا:

مرتد ملی اور مرتد فطری کے سلسلہ میں فقہا کے نظریے مختلف ہیں البتہ مرتد ملی جو بنیادی طور پر کافر گھرانے میں پیدا ہوا اور مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوگیا اس سلسلہ میں تمام فقہا کا اتفاق ہے کہ اس سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا اگر اس نے توبہ نہ کی تو قتل کردیا جائے گا۔ صرف ایک حسن بصری ہے جو اس سلسلہ میں مرتد ملی کی توبہ کو بھی اہمیت نہیں دیتے اور اس کے قتل کو واجب جانتے ہیں۔

۲۔ "وقال الحسن البصری المرتد یقتل بغیر استتابته" (۴۷)

لیکن مرتد فطری کے بارے میں فقہا کا ایک گروہ اس بات کا معتقد ہے کہ اگر اس نے توبہ کر بھی تو ظاہری وقانونی حکم کے تحت تسلیم نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کا قتل واجب ہے کیونکہ جس طرح ایک قاتل کی سزا قتل ہے کہ یہ سزا اس پر جاری ہوگی چاہے اس نے توبہ کرلی ہو، یوں ہی ارتداد کی سزا بھی قتل ہے چاہے وہ توبہ کرلے اور یہ حکم اس پر جاری ہو کر رہے گا۔ البتہ اس کی واقعی توبہ خداوند عالم کی بارگاہ میں اس کے ارتداد کے گناہ کی بخشش کیلئے زمین ہموار کرلے گی تاکہ عذابِ آخرت اس پر سے اٹھایا جائے۔

بعض وہ فقہاء جنہوں نے توبہ کے مطالبہ کا مسئلہ اٹھایا ہے اس سے ان کی مراد "مرتد ملی" ہے جیسے امام شافعی کا یہ فتویٰ "اگر کوئی شخص شرک سے ایمان کی طرف آئے اور ایمان سے پھر شرک کی طرف پلٹ جائے اور بالغ بھی ہو چاہے مرد ہو یا عورت اس سے توبہ کرنے کو کہا جائے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو قتل کردیا جائے گا۔" یہاں جس مورد میں امام شافعی نے توبہ کو قابل قبول جانا ہے۔ وہ "مرتد ملی" کا معاملہ ہے جو ابتدائی طور پر مشرک ہوتا ہے نہ کہ اصلاً اور فطرتاً مسلمان جیسے سلمان رشدی۔" (۴۸)

جن فقہاء نے مرتد فطری کے سلسلہ میں توبہ طلب کرنے کی بات کہی ہے وہ بھی اسے مستحب جانتے ہیں مثلاً امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد اور وہ بھی اس معنی میں کہ اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کرنا جائز ہے بلکہ فوراً حکم خدا کا اجراء کرنا چاہئے۔ اور فقہاء کا وہ گروہ جو مرتد فطری کے قتل کے سلسلہ میں توبہ طلب کرنے کو شرط جانتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی اور اس کے لئے تین روز کی مہلت یا اتنی مدت کو کہ اسے توبہ و

استغفار کا موقع فراہم ہو جائے، مہلت کے عنوان سے معین کرتا ہے تو اس گروہ کی نگاہ میں بھی اگر یہ مدت تمام ہو جائے اور وہ توبہ نہ کرے تو مسلّم طور پر واجب القتل ہوگا۔

بنا برایں 'سلمان رشدی' جو مرتد فطری ہے تمام فقہاء کے فتوؤں کے مطابق حتیٰ محتاط ترین فتوؤں کی روشنی میں بھی قتل کا مستحق ہے اور چونکہ تین روز کے بعد کی توبہ کسی بھی فقیہ کی نگاہ میں حد کے ساقط ہونے کے لئے قانونی اعتبار نہیں رکھتی لہٰذا اگر 'سلمان رشدی' اب توبہ کر لے پھر بھی شرعی طور سے اس پر قتل کا حکم نافذ ہے۔

اسلام گو کہ عقائد و افکار اور تبادلہ خیالات کی آزادی کا دفاع کرتا ہے اور بہترین افکار و خیالات کے انتخاب کو مختلف افکار کی چھان بین اور مختلف دعوتوں اور اقوال کے سننے کا نتیجہ قرار دیتا ہے:

" اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ " (۴۹)

" اے رسول! میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجئے جو باتیں سنتے ہیں اور ان میں اچھی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔"

لیکن چونکہ ارتداد اور دین سے خارج ہونے کی راہ کے کھلا چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جھوٹے عقائد اور پرفریب مکاتب فکر کی تبلیغ کرنے والے فریب کار کچے ذہن کے نوجوانوں کو اپنی طرف جذب کرنے اور استعمار کے قوی مراکز کی طرف کھینچ لے جانے میں کامیاب ہو جاتے، لہٰذا ضروری تھا کہ اس قانون (مرتد) کے ذریعہ وہ بھی ہر ممکن صورت میں سختی کے ساتھ معاشرہ کی نئی نسل کی گمراہی میں بند باندھ دیا جائے۔ چنانچہ اسلام اسلامی علوم و معارف سے بھرپور آگاہی کے بعد اس کی ہر کتاب اور ہر مکتب فکر کا جائزہ لینے اور اس پر تحقیق کرنے کے امکانات فراہم کرتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی شخصیت کے تحفظ کی ضروریات کے پیش نظر ہی خداوند متعال نے قرآن مجید میں پیغمبر اکرم کو معمولی سے معمولی اذیت و آزار پہنچانے کو بھی 'کفر' کا موجب اور اہانت کرنے والے کو 'ملعون اور رحمت خدا سے دور' اور 'دنیا و آخرت کے عذاب' کا مستحق قرار دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ" (۵۰)

" اور بعض افراد (منافقین) رسول اکرم کو اذیت پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کان ہے یعنی بہت سادہ ہے (اور بڑی دلچسپی سے ہماری باتیں سنتا ہے) لہٰذا (اے پیغمبر) آپ کہہ دیں کہ

کان کا سادہ ہونا تمہارے لئے بہتر ہے وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے اس کا ایمان مومنین کے حق میں ہے اوران کے لئے رحمت ہے اور جو لوگ رسول خدا کو آزار پہنچاتے ہیں دردناک عذاب ان کا منتظر ہے۔''

اسی طرح سورہ احزاب کی آیت نمبر ۵۷ اور سورۃ مجادلہ کی آیت نمبر ۵ میں بھی پیغمبر اکرمؐ کو آزار پہنچانے اور آپؐ سے دشمنی کے اظہار کرنے کو ملعون اور دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

(۳) اسلام کی اعتقادی وثقافتی سرحدوں کا دفاع:

اپنی جان، مال، آبرو اور اپنے دین کا دفاع کرنا اسلامی فطرت کا تقاضا ہے اصولاً ہر وجود طبعی، حتیٰ غیر دانستہ طور پر ہر طرح کی جارحیت اور ظلم کے خلاف اپنا ردعمل ظاہر کرتا ہے۔

اس بنیاد پر دین اسلام جو انسان کی الٰہی فطرت کے عین مطابق ہے فطرت ہی کے تقاضے کے تحت دفاع کو واجب وضروری جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی مذاہب کے علماء ودانشور جہاد کی بحث کے تحت کہتے ہیں:

اگر دشمن اسلامی شہروں یا ملکوں کی سرحدوں پر حملہ آور ہو یا بعض مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کے مال و اسباب کو غارت کرنا چاہتا ہو یا ان کی عزت وآبرو پر حملہ کرنا چاہتا ہو تو تمام مسلمانوں پر واجب کفائی ہے کہ دشمن کے حملہ کو روکیں اور اسے دفع کریں۔ حتی علماء اس سلسلہ میں امام، خلیفہ یا حاکم مسلمین سے اجازت لینا بھی شرط نہیں جانتے۔

اس بیان میں فقہاء نے اسلامی ممالک کی زمینی اور جغرافیائی سرحدوں پر دشمن کے حملہ کے خلاف مسلمانوں کے فریضہ کو ذکر تو کیا ہے لیکن دشمن آج کل جنگ اور سرحدوں پر حملے سے کم ہی کام لیتا ہے۔ آج دشمن علم وصنعت اور ٹیکنالوجی مثلاً مسلمانوں کی ثقافتی وتہذیبی اور اعتقادی سرحدوں پر حملے اور جارحیت کے ذریعہ اسلامی ملکوں اور مسلمانوں پر تسلط جما رہا ہے۔ یہ کم خرچ بھی ہے اور اس میں بہت تھوڑے سے افراد اور مختصر وسائل کی ضرورت پڑتی ہے۔

بہر حال اسلامی مآخذ کی روشنی میں 'دین' انسان کی تمام چیزوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے لہٰذا شیعہ وسنی دونوں محدثین سے بہت سی روایتیں نقل ہوئی ہیں کہ اگر انسان کو یہ اختیار دیا جائے کہ یا وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو لے یا اپنا دین گنوائے تو اسے اپنی جان کو دین پر فدا کر دینا چاہئے۔ اور اصولاً ہم ان روایات سے استفادہ کرتے ہیں کہ کوئی چیز بھی دین کے برابر نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے:

''ان عرض بلاء فاجعل مالک دون دمک فان تجاوزک البلاء فاجعل

مالک و دمک دون دینک فان المسلوب من سلب دینه و المخروب من خروب دینه"(۵۱)

''اگر تم پر کوئی بلا نازل ہو تو اپنا مال اپنی جان پر فدا کر دو اور اگر بلا اس سے بھی سخت ہو تو اپنا مال اور جان کو اپنے دین پر فدا کر دو بلا شبہ اسی نے اپنے آپ سے ہاتھ دھویا جو اپنا دین گنوا دے اور وہی برباد ہوا ہے جس نے اپنا دین خراب کیا ہو۔''

اسلامی مکتب فکر کی روایات کے پیش نظر دین کی اہمیت ہر چیز سے زیادہ ہے۔ اس بنا پر مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ اسلام پر ہونے والے ہر طرح کے حملہ کا دفاع کریں اور سامراجی نیز اس کے کارندوں کے حملوں کے مقابل آہنی دیوار بن جائے۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ پیغمبر اکرم اور گزشتہ انبیائے کرام ؑ کی شان میں فحش و نازیبا باتیں کہنے، دین اور قرآنی آیات کا مذاق اڑائے جانے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں کیونکہ یہ خود اسلامی بنیاد اور قرآن پر زبردست حملہ ہے اور اس حملہ کا اپنی آخری سانسوں تک مقابلہ کریں جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے:

"وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّيْنُ لِلَّه" (۵۲)

''اور کفار و مشرکین سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہ جائے اور صرف دین خدا باقی و حاکم رہے۔''

پیغمبر اکرم کی سیرت طیبہ بھی اس بات پر گواہ ہے کہ ان دشمنوں کا سختی کے ساتھ مقابلہ ضروری ہے جو اپنے غلط پروپیگنڈوں کے ہتھیار سے اپنے گندی تہذیب رواج دے کر اسلام سے جنگ پر آمادہ ہیں۔ پیغمبر بھی ایسے لوگوں کے لئے 'موت' سے ہلکی سزا معین نہیں کرتے تھے۔ اس کا نمونہ درج ذیل ہے۔

ہجرت کے تیسرے سال جب جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خبر مدینہ پہنچی تو (کعب بن اشرف نام کا) ایک شخص مسلمانوں کی کامیابی اور اسلام کے عروج کو دیکھ کر بہت غصہ ہوا اس نے مشرکین کو تقویت پہنچانے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے اسلام و پیغمبر اسلام کی مذمت کی اور مسلمانوں کی ناموس و عزت کی اہانت میں اشعار کہہ دیا۔ ایک عرصہ تک وہ مکہ میں اسلام کے خلاف اس ثقافتی جنگ میں مصروف رہا جس کا نتیجہ مشرکین کی تقویت اور جنگ احد کے لئے ان کی تیاری کی شکل میں برآمد ہوا اس کے بعد پھر وہ مدینہ آکر اسی کام میں مشغول ہوا۔ (۵۳)

پیغمبر اکرمؐ نے اس کے دودھ شریک بھائی 'ابو نائلہ' کو اس کے قتل پر مامور کیا۔ ابو نائلہ نے بھی کچھ

مسلمانوں کے ہمراہ راتوں رات جا کر اسے قتل کر دیا۔ اس طرح اسلام اور مسلمان اس کے شر سے نجات پا گئے۔(۵۴)

اب امام خمینی کا سلمان رشدی کے خلاف فتویٰ کا بنیادی محور جس کا آپ نے جو جواب دیا ہے ارتداد کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ اقدام اسلام، پیغمبر اسلامؐ اور قرآن پر حملہ کے جواب معلوم ہوتا ہے۔

مغربی طاقتیں اس مسئلے کو سیاسی رنگ دے کر ایران کی مخالفت کر رہی ہیں جبکہ یہ ایک ایسا فتویٰ ہے جو گستاخ رسولؐ اور مرتد کے خلاف مسلمانوں کے مسلمہ فقہوں کے عین مطابق ہے جس کا ہم نے تجزیہ کیا ہے اور جب تک سلمان رشدی اپنے کیفر کردار تک نہیں پہنچے گا یہ قائم و دائم رہے گا۔ چنانچہ امام خمینی کے جانشین آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے بھی کہا ہے: ''ہمارا عظیم المرتبت قائد امام خمینی نے اس کتاب کے مصنف کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا ہے جو اسلامی اقدار کو پائمال کرنے کی سازش میں اغیار کا آلہ کار ہیں۔ (امام خمینی کا یہ حکم) اپنے حال پر باقی ہے اور اس کا نفاذ ضروری ہے۔

اثرات کا عمومی جائزہ:

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے امام خمینی کی شخصیت کے اثرات عالمی سطح پر ظاہر ہوئے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں ایک جائزہ لیا جائے۔ امام خمینی چند ایسی اہم خصوصیات کے حامل تھے، جن کی بناء پر ایرانی قوم آپ کو نجات دہندہ سمجھتی ہے۔ آپ کی شخصیت کے اثرات عالمی سطح پر نمایاں ہوئے۔ ذیل میں انہی خصوصیات سے بحث کی جائے گی۔

۱۔ ہدف کا معین ہونا اور مضبوط ارادہ رکھنا: امام خمینی کا ہدف مشخص اور معین تھا اور ارادہ بھی مضبوط تھا۔ اس ضمن میں انہوں نے خود کو درکار تمام تر امکانات پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی۔ آپ اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ انقلاب کی کامیابی کیلئے پہلے مرحلہ میں ایک نوجوان، فداکار، روشن فکر اور مہذب نسل کی تربیت ہونی چاہیے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے نوجوان نسل کو اسلامی اصولوں سے آشنا کرایا اور انہیں ''فقہ'' کی تعلیم دی۔ انہوں نے واضح کر دیا کہ کس قسم کی جدوجہد کو شروع کرنے کیلئے پہلا قدم اس کے ہدف کا تعین ہے جس کے بعد ایسی جدوجہد کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں درکار وسائل و امکانات کی فراہمی کے علاوہ مخالفین کی طرف سے اسے روکنے کیلئے جن اقدامات کا امتحان ہو ان کے تدارک کیلئے درکار ذرائع کا اہتمام و انتظام بھی ضروری ہے۔

انہوں نے نہ صرف ملک کی داخلی سطح پر بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی سب سے پہلے سرغنہ کی سرکوبی کو ضروری سمجھا۔ چنانچہ جب تک شاہ ایران رہا آپ اس کی سرکوبی کیلئے ڈٹے رہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے شاہ کو نظر انداز

کر کے وزیراعظم کا سر کچلنے کو ضروری قرار دیا ہو۔ اس لئے کہ یہاں صرف شاہ ہی سرغنہ کی حیثیت رکھتا تھا اسی طرح جب آپ نے بین الاقوامی سطح پر اپنی جدوجہد کا آغاز کیا تو سب سے پہلے امریکہ اور روس کی سرکوبی کیلئے کوشش کی۔

۲۔ ایران و پوری دنیا کی سیاسی صورت سے مکمل واقفیت اور ان کے بارے میں صحیح اندازہ لگانا: آپ کہتے رہتے تھے کہ یہ سب کٹھ پتلی حکومتیں ہیں اور اگر ہم ان پر صحیح طریقے سے حملہ آور ہوں تو وہ میدان سے بھاگ جائیں گی۔ امام خمینی پوری دنیا کی صورت حال سے مکمل واقفیت رکھنے کے ساتھ ساتھ عوام اور قائدین کو بھی اچھی طرح پہچانتے تھے جن میں مشرق اور مغرب کے دو سپر طاقتوں کے سربراہ سرفہرست ہیں اسی لئے وہ ان کے سر کچلنے کیلئے کوشاں تھے۔

۳۔ امام خمینی کا اپنے ساتھیوں پر بھروسہ کرنا: امام خمینی کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے افراد پر جن کی ہدایت میں خود ان کو عمل دخل تھا مکمل اعتماد اور بھروسہ رکھتے اور وہ بھی امام پر مکمل اعتماد کرتے جہاں تک کہ بتدریج یہ اعتماد دوطرفہ اعتماد کی صورت میں فروغ حاصل کرنے لگا جس نے ایران کے علماء اور عوام کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا۔

۴۔ اسلامی وحدت اور مسلمان معاشرے کی وحدت کو اہمیت دینا: امام خمینی نے "اسلامی وحدت" کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کی اور آپ نے "وحدت" کو ایک بنیادی ستون کی مانند قرار دیا اور آپ نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کو متحد ہو کر رہنا چاہیے اور فقہی اختلاف کو کسی طرح بھی اپنی "وحدت" کو پارہ پارہ کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ اسی لئے انہوں نے شیعہ اور سنی کے درمیان اختلاف ڈالنے والوں کو اسلام دشمن اور سامراج کا ایجنٹ قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب اسلامی کے بعد ایرانی قوم اختلافات بھول کر متحد ہو گئی اور آج کوئی ایرانی اہلبیت رسول اور صحابہ کرام کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال شاتم رسول اکرمؐ کے خلاف امام خمینی کا وہ فتویٰ ہے جس کا ہم نے ابھی تجزیہ و تحلیل کیا ہے جس نے اپنی کتاب میں رسول اکرمؐ، صحابہ کرام اور امہات المومنین کے علاوہ دیگر اسلامی مقدسات کے خلاف کیچڑ اچھالا ہے۔

۵۔ انقلاب کے اصولوں پر ثابت قدمی اور بڑی طاقتوں کے مقابلہ میں غیر متزلزل موقف: امام خمینی اپنے موقف پر سختی سے کاربند تھے۔ وہ بار بار کہتے تھے کہ اصولوں کو کسی صورت میں بھی قربان نہیں کرنا چاہیے۔

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ وہ اہم خصوصیات ہیں جن کے حامل ہونے کی وجہ سے امام خمینی کی شخصیت کے اثرات عالمی سطح پر ظاہر ہوئے۔

حوالہ جات

(۱) نجفی، محسن علی، اسلامی جمہوریہ ایران کا آئین، مرکز تحقیقات ایران و پاکستان، (اسلام آباد) ۵ر اکتوبر ۱۹۸۰ء، ص:۷۹

(۲) ایضاً

(۳) خمینی، روح اللہ، سیاست خارجی وروابطہ بین الملل، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۳۸۱ش، بمطابق ۲۰۰۲ء، ص:۱۳۶

(۴) اسلامی جمہوریہ ایران کا آئین، ص:۱۸۰

(۵) ایضاً

(۶) مسیح مہاجری، اسلامی انقلاب اور اقوام عالم کا مستقبل، (مترجم: مولانا شیخ سرور حسن)، سازمان تبلیغات اسلامی، روابط بین الملل، تہران، رمضان المبارک، ۱۴۰۵ھ، ص:۶۷

(۷) ایضاً

(۸) خمینی، روح اللہ، تحریر الوسیلہ، ج۱، مسئلہ نمبر۹، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۹۹۷ء، ص:۲۲۳

(۹) ایضاً، ص:۴۸۶

(۱۰) نہضت امام خمینی، ص:۲۳۵، ۲۳۶

(۱۱) ایضاً ص:۲۳۶

(۱۲) مسیح مہاجری، اسلامی انقلاب اور اقوام عالم کا مستقبل، مترجم: شیخ سرور حسین، سازمان تبلیغات اسلامی، روابط بین الملل، تہران، ۱۴۰۵ھ، ص:۱۳۰

(۱۳) حیات، شیخ محمد، تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، س ن، ص:۳۹۴

(۱۴) ثانی، مرتضیٰ دوستی "امام خمینی کی تحریک کے عالمی اسلامی تحریکوں پر اثرات"، امام خمینی اور احیائے فکرِ دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)، ج۳، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، طبع دوئم، ۲۰۰۹، ص:۹۹

(۱۵) ایضاً، ص:۱۰۱

(۱۶) ایضاً، ص:۱۲۷

(۱۷) چمران، ڈاکٹر مصطفیٰ، لبنان، (مترجم: سید سجاد رضوی)، امامیہ پبلی کیشنز، اسلام پورہ لاہور، س ن، ۴۱۶

(۱۸) ثانی، مرتضیٰ دوستی، ''امام خمینی کی تحریک کے عالمی اسلامی تحریکوں پر اثرات''، امام خمینی اور احیائے فکرِ دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)، ج۳، ص: ۱۰۵

(۱۹) ایضاً، ص: ۲۱

(۲۰) ایضاً، ص: ۱۹، ۲۰

(۲۱) خمینی، روح اللہ، فلسطین امام خمینی کی نظر میں، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، چھاپ اول، ۱۹۹۶، ص: ۲۴۸

(۲۲) ایضاً، ص: ۳۶

(۲۳) ایضاً

(۲۴) خمینی، روح اللہ، حج اجتماعی اور سیاسی عبادت، موسسہ نشر و آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۴۱۴ھ، ص: ۱۱۴

(۲۵) ایضاً، ص: ۱۱۸

(۲۶) خمینی، سید احمد، سید احمد خمینی کی آراء و نظریات، موسسہ نشر و آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۹۹۶، ص: ۱۲۸

(۲۷) فلسطین امام خمینی کی نظر میں، ص: ۲۳، ۲۴

(۲۸) ایضاً، ص: ۲۵

(۲۹) ایضاً، ص: ۲۷

(۳۰) ایضاً

(۳۱) ایضاً، ص: ۱۷۵

(۳۲) مشمولہ: وحدت اسلامی، دفتر قونصلر اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد، شمارہ: ۸۳، اکتوبر ۱۹۹۹ء، ص: ۲

(۳۳) سورہ انعام، آیت: ۱۰۳

(۳۴) مشمولہ: دعوت توحید، امام خمینی کا خط گورباچوف کے نام، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۴۱۴ھ، ربیع الثانی، ص: ۱۳ تا ۲۰

(۳۵) مشمولہ: عالمی سہارا، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ص: ۵۳

(۳۶) مشمولہ: نئی صبح کے آثار، انتشارات جامعہ مصطفی العالمیہ، طبع اول، ۱۱ رجون ۲۰۰۰ء، ص: ۱۴

(۳۷) ایضاً

(۳۸) عالمی سہارا، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ص: ۲۳

(۳۹) انصاری، حمید، سخن بیداری، موسسہ تنظیم نشر وآثار بین الاقوامی امور، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۲۲

(۴۰) سید احمد خمینی کی آراء ونظریات، ص: ۱۳۷

(۴۱) شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج ۲۸، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، حدیث: ۶، ۱۴۱۴ھ، ص: ۱۲، ۱۳

(۴۲) سورہ بقرہ، آیت: ۲۱۷

(۴۳) خمینی، روح اللہ، تحریر الوسیلہ، ج ۱، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ، ص: ۲۱۰

(۴۴) وسائل الشیعہ، ج ۲۸، ص: ۳۲۳، ۳۲۴

(۴۵) شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج ۱۸، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، حدیث: ۶ س ن، ص: ۵۴۵

(۴۶) ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ج ۲، مترجم: مولانا محمد قاسم امین، مکتبہ العلم، اردو بازار لاہور، س ن، ص: ۲۶۵

(۴۷) مشمولہ: مجلّہ توحید، ج ۷، شمارہ ۴، قم، ص: ۲۶۳

(۴۸) ایضاً

(۴۹) سورہ زمر، آیت: ۱۸

(۵۰) سورہ توبہ، آیت: ۶۱

(۵۱) الہندی، ملا متقی، کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۳۶۰۱، بحوالہ: مشمولہ: مجلّہ توحید، ج ۷، شمارہ ۴، قم، ص: ۲۶۳

(۵۲) سورہ بقرہ، آیت: ۱۹۳

(۵۳) سبحانی، آیت اللہ جعفر، فروغ ابدیت، ج ۲، مرکز انتشارات، دفتر تبلیغات اسلامی، قم، ۱۳۶۷ش، چاپ چہارم، ص: ۲۰

(۵۴) ایضاً، ص: ۶۱

باب ہشتم:

امام خمینی اپنی عمر کے آخری سالوں میں

امام خمینی کی عمر کے آخری سالوں میں بعض ایسے ناخوشگوار واقعات رونما ہوئے جنہوں نے آپ کی فکر اور دل پر گہرا اثر مرتب کیا۔ ان میں سے ایک سانحہ (۱۹۸۷ء) کے موسم حج میں خانہ خدا کے نزدیک زائرین بیت اللہ کا قتل تھا۔ امام خمینی کی اہم ترین یادگاروں میں سے ایک سنت ابراہیمی کے مطابق حج کا احیاء ہے۔ قرآنی آیات کی بنا پر ''حج لوگوں کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کا مرکز اور مشرکین سے برأت کے اعلان کا اعلیٰ ترین جلوہ کہلایا گیا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے ''جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَاماً لِّلنَّاس '' (۱) خدا نے کعبہ (بیت الحرام) کو لوگوں کے کام کیلئے سامان مہیا کرنے کا ایک وسیلہ قرار دیا ہے۔

اسلامی انقلاب کے بعد ہر سال مراسم حج کے موقع پر پیغامات کے ذریعے امام خمینی عالم اسلام کے سیاسی مسائل کی طرف مسلمانوں کی توجہ کو فرض قرار دیتے ہوئے حج کے ایک اہم رکن کی حیثیت سے مشرکین سے برأت (نفرت) اور اس سلسلے میں حجاج کے فرائض بیان کرنے پر تاکید کرتے تھے۔ ۲۱ رنومبر ۱۹۷۹ء کو آپ نے اپنے پیغام میں کہا:

> ''اے خانہ خدا کے زائرین، آپ خاص کر لیٹرے اور تجاوز کار امریکہ اور ظالم اسرائیل کی سازشوں کو دنیا والوں تک پہنچائیں اور ان سے مدد کی درخواست کریں ان ظالموں کے مظالم کو شمار کرائیں اور مسلمانوں کے حالات کی اصلاح اور ظالموں کے تسلط کے خاتمہ کے لئے خداوند عالم کی بارگاہ میں التجاء کریں خدائے قادر کے ارادے سے میں آپ کو کامیابی ونصرت کی نوید دیتا ہوں۔'' (۲)

امام خمینی کے خیال میں مشرکین سے برأت (نفرت) کا مسئلہ جو کہ توحیدی ارکان اور حج کے سیاسی واجبات میں شامل ہے، اسے ایام حج میں عظیم الشان مظاہرے اور جلوس کی شکل میں نہایت پرشکوہ انداز سے بجالانا ضروری ہے لہٰذا آپ ایرانی اور غیر ایرانی حجاج سے کہتے ہیں:

> ''مشرکین اور ملحدین اور سامراجی طاقتوں خصوصاً امریکہ سے اظہار برأت کے لیے خانہ توحید کے اردگرد فلک شگاف نعرے بلند کرنے اور دشمنانِ خلق خدا کے خلاف اپنی دشمنی، غیض و غضب اور نفرت کے اظہار کے معاملے میں غفلت نہ برتیں۔'' (۳)

بہر حال امام خمینی حج کے موقع پر برأت کو کفر و شرک اور بت پرستی کے خلاف جدو جہد کے عہد کی تجدید او رمجاہدین راہ حق کے جہاد کو جاری رکھنے کا اعلان سمجھتے ہیں اسے صرف جنگوں پر ہی منحصر نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ آپ کا قول ہے:

''یہ (نعرے) تو ابلیس اور ابلیسوں کے مقابلے میں اللہ کے سپاہیوں کی جدو جہد کے آغاز کا اعلان ہیں۔ ان کا شمار توحید پر ایمان کی ابتدائی اصولوں میں ہوتا ہے، اگر مسلمان خانہ خدا میں اللہ کے دشمنوں کے خلاف اظہار نفرت نہیں کریں گے تو پھر کس جگہ اس امر کا اظہار کر سکتے ہیں؟ اگر کعبہ، مسجد اور محراب اللہ کے سپاہیوں اور حرم و حرمت انبیاء کا دفاع کرنے والوں کے مورچے نہیں بن سکے تو پھر وہ کون سی جگہ ہے جو ان (مسلمانوں) کے لئے جائے امن اور پناہ گاہ ثابت ہو سکتی ہے۔'' (۴)

امام خمینی کے حکم کے مطابق ہر سال ہزاروں ایرانی زائرین اور دیگر مما لک کے انقلابی مسلمانوں کی شرکت سے حج کے موقع پر برأت از مشرکین کا مظاہر کیا جا تا ہے اور ان مظاہروں میں امریکہ، سوویت یونین اور اسرئیل سے عالمی شرک و کفر کے اہم سرغنوں کی حیثیت سے بیزاری اور مسلمانوں کے اتحاد پر مبنی نعرے لگائے جاتے تھے اس کے علاوہ حج کے دوران مسلمانوں کے درمیان تبادلہ خیال اور ان کے مسائل کے حل کیلئے چارہ جوئی کی خاطر کانفرنسیں منعقد ہوتی تھیں۔ ایسی کاروائیوں کے غیر معمولی اثرات کے باعث امریکہ نے سعودی عرب کی حکومت پر ان کو روکنے کے لئے اپنا دباؤ بڑھا دیا۔

ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ کو ڈیڑھ لاکھ سے زائد زائرین مشرکین سے برات کے مظاہرے میں شرکت کرتے ہوئے مکہ کی سڑکوں پر چل نکلے، سعودی حکومت کے خفیہ اور آشکار (پولیس) اہلکاروں نے پہلے سے آمادہ ہو کر جلوس کی اصل روٹ بند کیا، پھر اچانک اسلحہ کی مدد سے مظاہرین کو کچلنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ اس سانحے میں تقریباً چار سو کے قریب ایرانی، لبنانی، فلسطینی، پاکستانی، عراقی اور دیگر ملکوں سے تعلق رکھنے والے حجاج قتل اور تقریباً پانچ ہزار افراد زخمی ہوئے اور بعض لوگ گرفتار ہوئے۔ قتل اور زخمی ہونے والوں کی اکثریت خواتین اور ایسے ضعیف افراد پر مشتمل تھی جو جان بچا کر تیزی کے ساتھ بھاگ نہیں سکتے تھے۔ ان لوگوں کو اس جرم میں خاک و خون میں غلطاں کیا گیا تھا۔ یہ لوگ نعرہ تکبیر لگاتے ہوئے مشرکین سے برأت کا اظہار کر رہے تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جمعہ کے دن حج کے مبارک ایام میں شمار کیا جا تا ہے۔ اس سلسلے میں امام خمینی کے شدید غصے اور گہرے رنج و غم کے آثار عمر کے آخری تک آپ کے بیانات اور پیغامات میں نمایاں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سعودی شاہ ملک خالد بن عبدالعزیز نے

آپ کوایک خط لکھا جس کے جواب میں آپ نے حج کے موقع پر پیش آنے والے واقعہ کی ان الفاظ میں مذمت کی:
میں مسلمانوں اور اسلامی ممالک کی تمام مصیبتوں اور مشکلوں کی اساس ان کے درمیان موجود اختلاف کو نفاق سمجھتا ہوں۔ آج جبکہ مسلمانوں کی آبادی ایک ارب کے لگ بھگ ہے۔ اسلامی حکومتوں کے پاس زمینی وسائل موجود ہیں۔ خصوصا ان کے پاس تیل کے وسیع ذخائر موجود ہیں وہی تیل جو بڑی طاقتوں کے لئے رگ حیات کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کے پاس قرآن کریم کی حیات بخش تعلیمات موجود ہیں اور پیغمبر اسلام کے عبادی، سیاسی احکامات موجود ہیں جو مسلمانوں کو اللہ کی رسی تھامنے کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تفرقہ واختلاف سے پرہیز کرنے کو کہتے ہیں اور حرمین شریفین جیسی جائے امن وپناہ گاہ موجود ہے جو عہد رسول میں اسلامی عبادت وسیاست کا مرکز تھی جو آنخضرت کی رحلت کے بعد بھی کافی مدت تک اسلام کا مرکز رہی اور اسی جگہ سیاسی امور طے ہوتے تھے۔ لیکن ان غلط فہمیوں، خود غرضیوں اور بڑی طاقتوں کے وسیع پروپیگنڈوں نے نوبت یہاں تک پہنچادی ہے کہ حرمین جبکہ ان امور کی طرف توجہ بہت ضروری ہے۔ سعودی پولیس مسجد الحرام کے اندر جوتوں سمیت داخل ہوگئی اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی اور انہیں مارا پیٹا اور انہیں گرفتار کر کے حوالہ زندان کیا جبکہ یہ وہ مقام ہے کہ جو حکم خدا اور نص قرآن کے مطابق ہر کسی کے لئے یہاں تک کہ منحرفین کے لئے بھی جائے امن ہے۔

ان مسلمانوں کا جرم دشمنان خدا اور رسولؐ، امریکہ واسرائیل کے خلاف نعرے لگانا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ آپ کے ملک اور حرمین شریفین میں پیش آنے والے مسائل وواقعات صحیح طریقے سے آپ کو بتائے بھی جاتے ہیں یا نہیں یا یہ کہ ایرانیوں کے نعروں کو جو ہر جگہ مشہور ہیں آپ کو تحریف کر کے اور برخلاف واقع بتائے جاتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ حرمین شریفین کے ائمہ جماعت نے اسلام سے کیا سمجھا ہے اور حج بیت اللہ الحرام سے کیا سمجھا ہے جو سراپا سیاست ہے۔ بیت اللہ کی تعمیر کا مقصد انسانوں کے لئے قیام عدل ہے تاکہ ستمگروں اور لٹیروں کو ختم کیا جائے اور یہی انبیائے عظام اور خصوصا حضرت رسول خداؐ کی مجموعی سیاست ہے۔ حرمین شریفین کے زائرین کو اسلام کے نام پر سیاست میں مداخلت سے روکا جاتا ہے اور یہاں تک کہ اسرائیل اور امریکہ کے خلاف نعرے لگانے سے منع کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو امریکہ واسرائیل اور دیگر دشمنان اسلام کی خواہشات کے مطابق سیاست میں مداخلت سے منع کیا جاتا ہے جبکہ یہ عظیم الشان پیغمبر نیز صدر اسلام کے مسلمانوں کی سیرت کے برخلاف ہے اور جان بوجھ کر جہالت یا غفلت کی وجہ سے اسلامی ممالک میں یہاں تک کہ حرمین شریفین میں جو وحی وملائکہ کے نزول کی جگہ ہے غیروں کے تسلط کے مقدمات فراہم کئے جارہے ہیں۔ اگر حکومت حجاز اس عبادی، سیاسی فریضے سے اسلامی سیاسی فائدہ اٹھاتی جو ہر سال حرمین شریفین کے مواقف کریمہ میں منعقد ہوتا ہے اور جس میں کئی ملین مسلمان

جمع ہو جاتے ہیں تو وہ نہ امریکہ کی محتاج ہوتی اور نہ اس کے آواکس طیاروں کی اور نہ دیگر بڑی طاقتوں کی اور مسلمانوں کی مشکلات بھی حل ہو جاتیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ امریکہ نے اس لئے سعودی عرب کو طیارے دیئے ہیں تا کہ اپنے اور اسرائیل کے مفاد میں ان سے فائدہ اٹھائے۔

آخر میں اس نکتے پر تاکید کرتا ہوں کہ مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو جھوٹ پر مبنی غلط رپوٹیں پیش کی گئی ہیں۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ ایرانی حجاج کے نعرے بیت اللہ کے حاجیوں کی ناراضی اور تنفر کا باعث بنے ہیں۔ بہتر یہ تھا کہ آپ امین افراد کو رپورٹ تیار کرنے کیلئے معین کرتے تا کہ پتہ چلے کہ اسرائیل و امریکہ کے خلاف نعرے لگانا حجاج کی ناراض و تنفر کا باعث نہیں بنا بلکہ حکومت سعودی کے کارندوں کا سلوک اور اسرائیل و امریکہ کے خلاف نعرے لگانے کے جرم میں خداوند متعال کے مہمانوں کو مار پیٹا اور قید کرنا دنیا کے مسلمانوں اور خصوصاً حجاج بیت اللہ و حرم معظم رسول اللہؐ کے زائرین کیلئے ناراضی و تنفر کا باعث ہوا ہے۔

خدا سے درخواست گار ہوں کہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرے اور اسلام کی عظمت میں روز بروز اضافہ فرمائے، مسلمانوں خصوصاً ان کے سربراہوں کو اسلام و مسلمین کی مصلحت کے مطابق کام انجام دینے کی ہدایت فرمائے۔ (۵)

والسلام علیکم وعلی جمیع المسلمین
روح اللہ الموسوی الخمینی

۱۴۰۷ھ کے سانحہ مکہ کے اگلے سال اسلامی جمہوریہ ایران اور عراقی حکومت نے قرارداد نمبر ۵۹۸ کو منظور کر لیا جس کے نتیجے میں جنگ کا خاتمہ ہوا۔ لیکن جنگ بندی سے پہلے رونما ہونے والے واقعات اور سانحات ایسے المناک مسائل تھے جن سے امام خمینی کا دل داغدار ہوتا رہا۔ اب ہم ان المناک سانحوں کے بارے میں تجزیہ و تحلیل کرگے۔

۱۔ حلبچہ پر عراقی طیاروں کی طرف سے کیمیائی ہتھیاروں سے حملہ اور حلبچہ کے عوام کا سفاکانہ قتل عام۔

۲۔ ایران کے رہائشی علاقوں پر بھرپور بمباری کے ذریعے عوام کا قتل عام۔

۳۔ بعض اسلامی ممالک امریکہ اور یورپی ممالک کی طرف سے صدام حسین کی حمایت کیلئے اپنے بحری بیڑوں کو خلیج فارس بھیجنے کی دعوت خلیج فارس کی فضا میں امریکی بحریہ کا ایران کے مسافر بردار طیارے کو مار گرانا۔

امام خمینی کو یہ دیکھ کر بہت تکلیف پہنچتی تھی کہ اسلامی ممالک پر حاکم بہت سی حکومتیں اپنے عوام کی خواہشات کے برخلاف عراقی صدر صدام حسین کی حمایت کر رہی ہیں۔ امام خمینی کو ان حمایتوں کے نقصان دہ اثرات واضح طور

پر دکھائی دے رہے تھے۔ اس لئے آپ نے خبردار کیا تھا کہ اسلامی حکومت سے مقابلہ کر کے عراقی حکام کو تقویت پہنچا کر نہ صرف عالم اسلام کے مسائل حل نہیں کئے جا سکتے بلکہ مستقل قریب میں یہ حکومتیں خود اس سلگتے ہوئے انگاروں کے شعلوں کی لپیٹ میں آجائیں گی۔ یہاں امام خمینی کی حیرت انگیز پیش گوئی کا ایک نمونہ کویت پر صدام کے حملے سے آٹھ سال قبل ۲۶ اردیبہشت ۱۳۶۱ش بمطابق ۱۶رمئی ۱۹۸۲ء کو کی جانے والی ایک تقریر کے حوالے سے کرتے ہیں امام خمینی اس دن اپنی تقریر میں صدام کے حامی عرب ممالک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

''علاقے کی ان حکومتوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ تم امریکہ یا کسی اور بلاک کی خاطر اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہی ہو، ہم نے ان حکومتوں کو بار بار متنبہ کیا ہے کہ تم سپر طاقتوں کے آلہ کار رہو تم جان لو اگر صدام کو جنگ کے اس دلدل سے نجات مل گئی اور دوبارہ طاقت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ ایسا شخص نہیں ہے کہ تم جیسوں کی قدر شناسی کرے۔ صدام ایسا آدمی ہے جس کے سر میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا جنون سوار ہے اور اسی جنون کی وجہ سے وہ تم لوگوں پر بھی حملہ کرے گا جو اس وقت صدام کا ساتھ دے رہی ہو۔'' (۶)

حیرت کی بات یہ ہے کہ ابھی امام خمینی کی رحلت کا قلیل عرصہ نہیں گذر تھا وہی لوگ جو ایران کو جنگ پسند اور صدام کو صلح پسند کہتے تھے، خود صدام حسین کی جارحیت کا شکار ہوئے۔ مثلاً صدام کا کویت پر حملہ اور بعد کے برسوں میں خود صدام بھی امریکہ کا شکار ہوا۔

۴۔ جنوبی لبنان پر اسرائیلی حملہ لبنان میں صہیونیوں کی کارروائیوں نیز مقبوضہ فلسطین میں فلسطینیوں کی تحریک کو کچلنے کے لئے ان کی طرف سے اقدام پر مسلم حکومتوں کی خاموشی اور عرب ممالک کا اسرائیل سے ساز باز کی طرف رجحان اور قدس کی آزادی کے مقصد سے دستبرداری امام خمینی کے دل کو ٹھیس پہنچانے والی بعض دیگر تکلیفیں تھیں۔ امام خمینی اپنی تحریک کی ابتدا سے ہی اسلامی سرزمینوں کو صہیونیوں کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے اسرائیل اور اس کے اصل حامی امریکہ کو کوستے رہے اور اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد بھی اس مقصد کی تکمیل کے لئے آپ کی کسی قسم کی حمایت سے دریغ نہیں کیا۔

۵۔ امام خمینی کی طرف سے ۸۔۱۔۱۳۶۸ھ ش (۲۸ مارچ ۱۹۸۹ء) کو جانشین رہبر کی برطرفی ملکی سطح پر ناگوار واقعات میں سے ایک ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ ایران میں اسلامی نظام کے قائد اور قیادت کی صلاحیتوں کے تعین کے لئے مجلس خبرگان (ماہرین کونسل) کا قیام امام خمینی کی آراء کی بنیاد پر اسلامی جمہوریہ کے آئین میں تجویز اور پھر منظور کئے جانے والے پیش رفتہ اصول میں سے ایک ہے۔ خبرگان ایسے فقہاء اور اہلیت رکھنے

والے مجتہدین ہیں جو براہ راست عوامی ووٹوں سے منتخب ہوتے ہیں۔ اس طرح عوام اپنی آراء سے منتخب ہونے والے ماہرین کے انتخاب میں شریک ہوکر مملکت کے امور پر نگرانی رکھ سکتے ہیں۔ پہلی مجلس خبرگان نے تیر ماہ ۱۳۶۲ھ ش (موسم گرما ۱۹۸۳ء) میں ہونے والے اجلاس میں آیت اللہ منتظری کو امام خمینی کا جانشین منتخب کیا گیا تھا جو امام خمینی کے بلند پایہ شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا شمار ان مجتہدوں میں ہوتا ہے جو ۱۵ خرداد (۵ر جون ۱۹۶۳ء) کی تحریک (جس کی بحث باب چہارم میں کی ہے) اور اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات کی حمایت کرتے ہوئے انقلابی عمل میں شریک رہے اور اس راہ میں انہوں نے آیت اللہ طالقانی اور دیگر انقلابی علماء کے ساتھ شاہی حکومت کی طویل قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور ان کا ایک بیٹا بھی اس راہ میں قربان ہوا تھا۔

منتظری چونکہ آیت اللہ العظمیٰ کہلاتے تھے لہٰذا ان کی توضیح المسائل بھی شائع ہوئی تھی، یہی وجہ تھی کہ بعض لوگوں نے امام خمینی کی موجودگی میں ان کی بھی تقلید شروع کردی۔ تاہم منتظری کے گھر میں موجود بعض عناصر کی موجودگی کے سبب امام خمینی سے ان کے سخت اختلافات ہوگئے۔ نوبت یہاں تک آئی کہ منتظری نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور امام خمینی نے فوراً استعفیٰ منظور کرتے ہوئے جانشین و رہبر کے عہدے سے معزول کردیا اور اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ منتظری علمی کاموں میں زیادہ وقت دے سکیں گے۔ البتہ خود امام خمینی کی سیاسی زندگی کا یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ امام خمینی نے انہیں معزول کرنے کے بعد ان کے نام ایک خط لکھا جس میں بتایا گیا کہ آپ ابتدا سے ہی مستقبل میں اسلامی نظام کے قائد کی حیثیت سے منتظری کے انتخاب کے مخالف ہونے کے علاوہ بہت بھاری اور حساس ذمہ داری کو سنبھالنے کے لئے ان میں ضروری استعداد کی کمی محسوس کر رہے تھے۔ لیکن اس وقت مجلس خبرگان کی طرف سے ''آیت اللہ منتظری'' کے انتخاب کے خلاف اپنا نقطہ نظر پیش نہ کرنے کا سبب مجلس خبرگان کے قانونی دائرہ کار میں عدم مداخلت تھا۔ آگے چل کر خط میں امام خمینی نے آیت اللہ منتظری سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ ان کا مفاد اسی میں ہے کہ وہ گذشتہ غلطیوں کا ازالہ کریں اور اپنے گھر کو ناشائستہ لوگوں کے وجود سے پاک کرتے ہوئے حکومت مخالف لوگوں کی آمد و رفت بند کریں تاکہ عوام، حکومت اور حوزہ علمیہ ان کی فقہی آرا سے استفادہ کرسکیں۔ لیکن آیت اللہ منتظری کے گھر میں گھسے ہوئے عناصر نے امام خمینی کی نصیحتوں پر عمل ہونے نہیں دیا اور امام خمینی نے خطوط کے ذریعے اور ملاقاتوں کے دوران کئی بار ان عناصر سے اپنے گھر کے ماحول کو پاک کرنے اور حکومت کے وفادار عہدیداروں کے ساتھ یکسوئی پیدا کرنے کی نصیحت کے ذریعے ''آیت اللہ منتظری'' پر دباؤ ڈالا۔

اس معاملے کے باریک نکات اور امام خمینی پر اس کے تلخ اثرات کو سمجھنے کے لئے آیت اللہ منتظری کو امام

خمینی کی تاکید کے سلسلے میں امام خمینی کے خط سے ایک جملہ نقل کرتے ہیں جو ہمیں کسی قسم کی تشریح اور تجزیہ وتحلیل سے بے نیاز کردیتا ہے۔ یہ خط انہوں نے ۲۱ فروردین ۱۳۶۸ھ ش (۱۱ اپریل ۱۹۸۹) کو مجلس شورائے اسلامی اور حکومتی کابینہ کے نام لکھا تھا:

''مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگ آقائے منتظری کے معاملے سے ناواقف ہیں آپ کو پتہ ہی نہیں کہ معاملہ کیا ہے؟ تو یہی سمجھ لیجئے کہ آپ کے اس بوڑھے باپ دوسال سے زیادہ عرصے میں اپنے بیانات اور پیغامات کے ذریعے سعی کی کہ بات یہاں پر ختم نہ ہو لیکن افسوس یہ ہے کہ میں اس مسئلے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ دوسری جانب شرعی ذمہ داری کا تقاضا یہ تھا کہ حکومت اور اسلام کے تحفظ کی خاطر ضروری فیصلہ کرلیا جائے لہٰذا خون دل کے ساتھ مجھے اپنی عمر کے حاصل (منتظری) کو حکومت اور اسلام کے مفاد میں خیر باد کہنا پڑا۔'' (۷)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ امام خمینی کی عمر کے آخری برسوں کے پیغامات اور خطبات سابقہ ادوار کے بیانات سے مختلف ہیں۔ سابقہ ادوار کے بیانات اور پیغامات میں آپ عوام اور احکام کی روزمرہ معاشرتی مسائل کے بارے میں رہنمائی کے علاوہ ملک اور عالم اسلام کے مبتلا بہ مسائل سے متعلق مواقف پر نگرانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جبکہ عمر کے آخری حصے کے بیانات میں گزشتہ اور حال کے مسائل کے تناظر میں مسلمانوں کے مجموعی فرائض کی تشریح نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں امام خمینی کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ اس دنیا سے جانے والے ہیں۔ لہٰذا آخری ایام میں آپ کی سعی یہ تھی کہ اسلامی جمہوری نظام اور عالمی اسلامی انقلاب کی ترجیحات کو اپنی امنگوں، اغراض ومقاصد، اقدار کے ڈھانچے پر استوار اور تشریح کریں جن کے حصول کے لئے اسلامی تحریک کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔

امام خمینی نے ان پیغامات میں ایرانی معاشرہ اور عالم اسلام کے اندر پائی جانے والی طبقہ بندیوں کا جائزہ لے کر نیز معاصر دنیا پر مسلط اور حکمران نظاموں کا تجزیہ کرکے آنے والوں کے لئے انتخاب اور تشخیص کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی اور اس دور سے متعلق ہر طبقے کے فرائض بیان کئے جس میں آپ موجود نہیں ہوں گے۔

امام خمینی نے اپنی رحلت سے چند سال پہلے ۲۶ بہمن ۱۳۶۱ھ ش (۱۵ فروری ۱۹۸۳ء) کو انہی محرکات کے تحت تفصیل سے اپنا سیاسی الٰہی وصیت نامہ لکھا۔ یہ وصیت نامہ امام خمینی کا زندہ جاوید پیغام ہے۔ آپ کے بنیادی افکار اور امنگوں کا ترجمان آپ کے پیروکاروں کے لئے رہنماء اصول ثابت ہوسکتا ہے۔ امام خمینی نے اپنے آخری وصیت نامے میں اسلامی اقدار کا دفاع کیا ہے۔ سیاسی مسائل کو بیان کیا۔ آپ کا آخری پیغام درحقیقت ان

اقدار اور سیاسی مسائل کی تفسیر ہے۔

امام خمینی کے آخری پیغام کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں پائے جانے والے دو قسم کے مفاہیم کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں کہ اسلام اور دوسرے آسمانی مذاہب کو ابتدائی صدیوں سے لے کر آج تک ہر دور میں دو مکمل متضاد صورتوں میں پیش کیا گیا ہے: ایک طرف ایسا تحریف شدہ دین اور اسلام ہے جس پر حاکم ظالموں اور استعماری طاقتوں کا غلبہ ہے۔ ایسا دین جھوٹے اور نام نہاد ملاؤں کے ذریعے جعل اور پیش کیا جاتا ہے اور دوسری طرف وہ دین اور حقیقی و خالص اسلام ہے جو مجاہدین کے لہو کا نذرانہ دے کر اور ذمہ دار علمائے دین کی مسلسل جد وجہد سے پوری تاریخ میں ہر قسم کے خرفات اور تحریفات کی گزند سے محفوظ رہا ہے۔ اسلامی معاشرے کو متحرک کرتے ہوئے تحریکی عمل کے لئے آمادہ کرنے میں امام خمینی کی کامیابی کا راز مذکورہ دو نظریئوں کے مسلسل تقابل اور دونوں کی خصوصیات بیان کرنے میں پوشیدہ نظر آتا ہے۔

امام خمینی کی رحلت:

دس سال تک اسلامی انقلاب اور اسلامی جمہوریہ کی کامیاب قیادت کرنے والا ۱۹۸۹ء میں یہ اعلان کر کے موت کے بستر پر ابدی نیند سو گیا۔ ”میں پر سکون، اطمینان دل، خوش وخرم اور پر امید ضمیر کے ساتھ بہ فضل الٰہی بہنوں اور بھائیوں کی خدمت سے اجازت لے کر اپنے ابدی مقام کی طرف روانہ ہو رہا ہوں، مجھے آپ کی نیک دعاؤں کی سخت ضرورت ہے اور خدائے رحمان و رحیم سے میری دعا ہے کہ وہ خدمت میں کوتاہی پر میرے قصور اور غلطیوں کو معاف کرے، قوم سے بھی مجھے امید ہے کہ وہ میری طرف سے کی جانے والی اور ہونے والی کوتاہیوں سے درگزر کرے گی اور پوری طاقت، ہمت اور عزم مصمم کے ساتھ آگے بڑھتی رہے گی۔“ (۸)

خرداد ۱۳۶۸ھ ش کے وسط (جون ۱۹۸۹ء کے اوائل) میں ایرانی عوام کو امام خمینی کے نظام ہاضمہ کی تکلیف، دل کی بیماری اور آپریشن کی خبر مل گئی تھی۔ ان دنوں عوام کی طرف سے ایران کے گلی کوچوں، گھروں، مساجد اور امام بارگاہوں کے علاوہ ایران سے باہر دنیا بھر سے عقیدت مندوں کی جانب سے امام خمینی کی صحت یابی کے لئے مختلف مقامات پر دعائیہ تقریبات منعقد کی گئی۔ ڈاکٹروں کی ٹیم نے امام خمینی کی جان بچانے کی بھرپور کوشش کی لیکن ہفتہ ۱۳ خرداد ۱۳۶۸ھ ش (۳ر جون ۱۹۸۹ء) کو رات ۱۰ بج کر ۲۰ منٹ پر آپ کی رحلت کا لمحہ آ پہنچا اور دل کی دھڑکن بند ہو گئی۔ اس طرح امام خمینی کی رحلت کی خبر نشر کر دی گئی۔ (۹)

نئے رہبر کا انتخاب:

۱۴خرداد ۱۳۶۸ھ ش (۴؍ جون ۱۹۸۹ء) کو مجلس خبرگان رہبری (قائد انتخاب کی ماہرین کونسل) کا ہنگامی اجلاس منعقد ہوا اس اجلاس میں آیت اللہ خامنہ ای نے امام خمینی کا وصیت نامہ پڑھ کر سنایا۔ آیت اللہ خامنہ ای کی طرف سے وصیت نامہ پڑھ کر سنانے کے بعد امام خمینی کے جانشین اور اسلامی انقلاب کے قائد کے چناؤ کے لئے کئی گھنٹے بحث اور تبادلہ خیال کیا گیا جس کے نتیجے میں آیت اللہ خامنہ ای کو قیادت کی ذمہ داری اٹھانے کیلئے منتخب کیا گیا۔ (۱۰)

ایران کی تاریخ کے اس بحرانی موڑ پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس حساس انتخاب کی مناسبت سے نئے رہبر آیت اللہ خامنہ ای کی زندگی اور ان کی سیاسی و نظریاتی جدوجہد کی تاریخ کو تجزیہ و تحلیل کے انداز میں پیش کریں۔

آیت اللہ خامنہ ای ۱۳۱۸ھ ش بمطابق ۱۹۳۹ء کو صوبہ خراسان کے صدر مقام اور حضرت امام رضا کے مدفن شہر مقدس کے ایک دینی گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی زندگی کا ابتدائی حصہ اسی شہر میں گزرا اور ۱۸ سال کی عمر میں نجف اشرف چلے گئے۔ آیت اللہ خامنہ ای نے ۱۹۵۸ء سے امام خمینی، آیت اللہ بروجردی اور آیت اللہ حائری کے درس میں شرکت کی۔ ۱۹۶۴ء میں اسلامی تحریک کے قافلہ سے وابستہ ہو گئے جس کے ایک سال بعد ۱۹۶۳ء میں انہیں خراسان میں حکومت کے کارندوں نے گرفتار کر لیا۔ وہ محرم الحرام کی تقریبات کے سلسلہ میں آیت اللہ میلانی کے نام امام خمینی کا پیغام لے کر جا رہے تھے۔ قید سے رہائی پا کر آپ واپس قم آ گئے۔ لیکن اسی دوران کسی اور مشن پر زاہدان جاتے ہوئے دوبارہ گرفتار کر لئے گئے اور قزل قلعہ جیل میں بھجوا دیئے گئے۔

آیت اللہ خامنہ ای نے ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۸ء تک مجموعی طور پر اپنی عمر کے تین سال شاہی حکومت کے زندانوں میں گزارے اور ایک سال تک ایرانی بلوچستان کے شہر ''ایرانشہر'' میں شہر بدری کی زندگی گزاری۔ ۱۹۶۴ء میں انہوں نے حوزہ کے اساتذہ کے ایک گروہ کے ساتھ مل ایک خفیہ سیاسی تشریاتی تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ راز فاش ہونے پر یہ سرگرمیاں زیر زمین چلی گئیں اور آپ گرفتار ہو کر جیل بھیج دیئے گئے۔ آیت اللہ خامنہ ای ۱۹۷۱ء میں نظریاتی تعلیم کی خفیہ کلاسیں لیتے تھے۔ اس دوران مسلح جدوجہد کی فضا وجود میں آئی۔ جس کی وجہ سے ان پر حکومتی ایجنٹوں کی کڑی نگرانی رہنے لگی۔

۱۹۷۴ء میں ایک بار پھر گرفتار ہوئے اور انسداد تخریب کاری کے مشترکہ قید خانے میں مقید ہوئے۔ ایک سال بعد جب زندان سے آزاد ہوئے تو تفسیر قرآن اور حدیث کی کلاسوں کا اجراء کیا۔ اس کے بعد آپ نے ۱۹۷۷ء میں کچھ دوسرے متعدد علماء کی سوسائٹی (جامعہ روحانیت کے مبازر) کا منصوبہ بنایا۔

شہر سے شہر بدری کی مدت پوری کر کے مشہد آنے کے بعد ۱۹۷۸ء میں آیت اللہ خامنہ ای نے اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ خراسان کے عوام کی جدوجہد کی قیادت سنبھالی۔ اسی سال آپ نے آیت اللہ بہشتی اور محمد جواد باہنر، ہاشمی رفسنجانی، آیت اللہ موسوی اردبیلی اور دیگر انقلابی ساتھیوں کے تعاون سے ''جمہوری اسلامی'' پارٹی کا ابتدائی ڈھانچہ تیار کر لیا۔

۱۹۷۸ء کے اواخر میں مرتضیٰ مطہری کی تجویز پر آیت اللہ خامنہ ای انقلابی کونسل کے رکن بنے۔ ۱۸ اگست ۱۹۷۹ء کو انقلابی امور کے لئے وزیر دفاع میں انقلاب اسلامی کی کونسل کا نمائندہ بنے اور تہران کی پہلی نماز جمعہ آپ کی امامت میں تہران یونیورسٹی میں منعقد ہوئی۔

۱۹۸۱ء کے اوائل میں آیت اللہ خامنہ ای، امام خمینی کی طرف سے ملک کے جنوبی جنگی محاذوں کی طرف روانہ ہوئے پھر اعلیٰ سطح وفود کی قیادت کرتے ہوئے چین اور بھارت کا دورہ کیا۔

آیت اللہ خامنہ ای نے جولائی ۱۹۸۱ء میں تہران میں نماز جمعہ کے دوران صدر ابوالحسن بنی صدر کی کچھ بدعنوانیوں اور غیر قانونی حرکات پر روشنی ڈالی اور عوام کو آگاہ کیا۔ اس کے بعد اگست ۱۹۸۱ء میں تہران کی مسجد ابوذر میں خطاب کرتے ہوئے ان پر مخالفین نے حملہ کر دیا اور دھماکے میں آپ زخمی ہوئے اور ۴۲ دن تک زیر علاج رہے۔ لیکن پھر آپ کا دایاں بازو ناکارہ ہو گیا۔ اسی سال یکم ستمبر کو اسلامی جمہوری پارٹی کی ایگزیکٹیو کونسل نے آپ کو پارٹی کا سینئر جنرل سیکریٹری منتخب کر لیا اور ۱۵ ستمبر کو آئندہ ماہ ہونے والے صدارتی انتخابات کے لئے بطور امیدوار نامزد کر دیئے گئے۔ اس طرح ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو آپ بھاری اکثریت سے صدر منتخب ہو گئے۔ (۱۱)

اسی مہینہ کی ۹ تاریخ کو عید الفطر کے مبارک موقع پر امام خمینی نے آپ کا صدارتی حکم نافذ کر دیا۔

اپنی صدارت کے ۴ سال پورے کرنے کے بعد جولائی ۱۹۸۵ء میں نئے صدارتی انتخابات کے لئے دوبارہ نامزد ہوئے اور ۲۰ اگست ۱۹۸۵ء کو دوسری بار اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اس طرح ۴ ستمبر ۱۹۸۵ء کو امام خمینی نے عید غدیر کے دن آپ کی صدارت کے حکم نامہ پر دستخط کئے۔ آیت اللہ خامنہ ای فقہ اور اصول فقہ کے مشہور اساتذہ میں سے ہیں اور کئی سال تک مشہد مقدس کے حوزہ علمیہ میں ان علوم کے متون کی تدریس کرتے رہے ہیں۔ مجید کی قرأت (فنِ ترتیل قرآن) میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اسلامی علوم اور تاریخ کے موضوعات پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے کچھ ان کی تصنیف ہیں اور بعض کتابیں دوسری زبانوں سے ترجمہ شدہ ہیں۔

۱۔ ''مغربی تہذیب پر ایک ناقدانہ نظر''، صلح امام حسن اور مستقبل اسلام کی فرمانروائی، آپ کی چند ترجمہ شدہ

کتابیں ہیں۔

۲۔ آپ کی کچھ تصنیفات کے نام یہ ہیں: ''قرآن کریم میں اسلامی فکر کا نظریہ عمومی''، ''نماز کا گہرا مطالعہ''، ''برصغیر کی آزادی میں مسلمانوں کا کردار''، ''تقریروں کے مجموعے''، ''امامت'' اور ''ہمارے موقف''۔ (یہ کتاب ڈاکٹر محمد جواد باہنر، بہشتی، ہاشمی رفسنجانی کے تعاون سے لکھی گئی ہے)

۳۔ ''صبر''، ''حضرت امام جعفر صادق کی زندگی''

۴۔ جون کو مجلس خبرگان کے ہنگامی اجلاس میں حاضر اراکین کی واضح اکثریت ۵/۴ نے آیت اللہ سید علی خامنہ ای کو امام خمینی کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران کا نیا رہبر منتخب کیا۔ مجلس خبرگان (ماہرین کونسل) کے قائدین کے اعلان کا اس سلسلے میں متن یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم:

مجلس خبرگان اسلامی جمہوریہ ایران کے رہبر اور بانی حضرت امام امت کی جانگداز رحلت پر اظہار تعزیت کرتی ہے۔ اسلامی جمہوریہ ایران کے نظام میں رہبر کے بلند اور حساس مقام سے آگاہی رکھتے ہوئے مجلس خبرگان کو اپنی تاریخی ذمہ داری کا شدید احساس ہے۔ رہبری کے سلسلے میں اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی حضرت امام امت رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے کئی بار بڑے اہتمام سے اپنے پیغامات، بیانات، احکامات اور ارشادات جاری فرمائے ہیں۔

مجلس خبرگان بنیادی قانون کے مطابق مقدس اسلامی نظام کے مستقبل کے سلسلے میں ملکی و غیر ملکی غاصبوں اور دشمنان اسلام کی سازشوں سے مکمل آگاہی رکھتے ہوئے ملکی و بین الاقوامی حالات کو سامنے رکھ کر ہر قسم کے حادثے سے نمٹنے کی ضروری تیاری کے لئے حضرت امام امت کے نہایت اہم سیاسی الٰہی وصیت نامے کے مطالب کی روشنی میں مورخہ ۱۴۔۳۔۶۸ ھ ش (۴ جون ۱۹۸۹ء) کو اپنے ہنگامی اجلاس میں حاضر اراکین کی ۵/۴ سے بھی زیادہ اکثریتی رائے کے مطابق حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای کو اسلامی جمہوریہ ایران کے نظام کا رہبر منتخب کرتی ہے۔ اجلاس میں موجود ۷۳ ارکان میں سے ۶۰ کی متفقہ رائے یہی تھی۔ (۱۲)

قائدین مجلس خبرگان

امام خمینی کے جانشین اور نیا رہبر سید علی خامنہ ای کی کے انتخاب کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے نئے رہبر کی حیثیت سے ایرانی قوم کو جو پہلا پیغام دیا تھا اس پیغام کے اہم اقتباسات کا جائزہ لیا جائے جو کہ اس طرح ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم:

ایران کی شریف وعزیز قوم، باخبر اور کبھی نہ جھکنے والے عوام، میرے ہم وطن اور مسلمان بہن بھائیو! مجلس خبرگان نے اپنے ایک ہنگامی اجلاس میں جو رہبر کبیر انقلاب اور اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی حضرت امام خمینی کی وفات حسرتِ آیات کا روح فرسا اعلان ہوتے ہی فوراً منعقد ہوا۔ مجھے اسلامی جمہوریہ ایران کے نظام حکومت کا رہبر منتخب کیا ہے۔ یہ ایک عظیم ذمہ داری، بھاری امامت اور کڑا امتحان ہے۔ جسے خدا کی تائیدات، حضرت ولی عصر روحی فدا کی توجہ اور دعا سے منزل تک پہنچا جا سکتا ہے۔

امام خمینی ایرانی قوم کے رہبر، باپ، معلم، مرشد اور محبوب تھے اور دنیا بھر کے مستضعفین خصوصاً مسلمانوں کی روشن امید تھے۔ آدھی راتوں میں رو رو کر مناجات کرنے والے اور ایک اسلامی رہبر عظیم نمونہ تھے۔

اب جبکہ خبرگان اور قوم کے منتخب افراد کے ذریعے یہ عظیم ذمہ داری اور امانت الٰہی کا یہ بھاری بوجھ مجھے سونپ دیا گیا ہے۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان نازک، ناقابل فراموش دنوں میں عزیز قوم کے تمام اور ملک کے ارباب اختیار کی توجہ چند نکات کی طرف مبذول کراؤں۔

۱۔ انقلات کے زخم خوردہ اور کمین گاہوں میں چھپے ہوئے دشمن برسوں ایسے دنوں کا انتظار کرتے رہے ہیں اور اب وہ چمگادڑوں کی طرح جنہیں سورج غروب ہونے کا انتظار رہتا ہے اپنی خبیث اور ناپاک سازشوں کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔

لہٰذا قوم کے تمام افراد اور مختلف طبقات سے میری درخواست ہے کہ وہ اپنی تیاری اور ہوشیاری کی حفاظت اور دشمنوں کی عالمی سطح کی سیاسی اور ابلاغی حرکتوں، افوائیں پھیلانے اور اقتصادی مسائل پیدا کرنے جیسے ان کے ناپاک ارادوں سے آگاہ ہو جائیں اور مدتوں سے بیرونی سیاسی طاقتوں نے ایک دوسرے کو خوش خبری دے رکھی ہے کہ وہ اس دور میں ہماری قوم میں شدید اختلافات برپا ہوتے دیکھیں گی اس نازک دور میں وحدت و یکجہتی کے تحفظ کا اہتمام کریں اور پہلے کی طرح اسلام اور ایران کے دشمنوں کو مایوس کر دیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اہم علمائے کرام قابل احترام ائمہ جمعہ، اسلامی مقررین، عزیز طلبہ، پارلیمنٹ کے اراکین، دانشور قلمکار اور فنکار نہایت اہتمام سے عوام کو اس عظیم حقیقت سے روشناس کرائیں اور سب کو اس کی تبلیغ و ہدایت کریں۔

۲۔ انقلاب کی کامیابی کے اوائل سے ہی دشمنوں کی ایک سازش یہ رہی ہے کہ ملک کے اندرونی غدار عناصر کے ذریعے ملی معاملات میں جمود اور حرکت پیدا اور تخلیق اور علمی و عملی اختلافات میں تعطل پیدا کر دیا جائے خوش قسمتی سے حضرت امام قدس سرہ کے بار بار ہوشیار کرنے میں وہ ناکام رہی ہے۔ اس نازک موقع پر جب کہ دشمن اسلامی

جمہوریہ کے نظام میں تخریب کاری کے لئے سب سے زیادہ سوچ بچار کر رہے ہیں ضروری ہے کہ قوم کی ہمہ گیر ہوشیاری سے یہ سازش پھر نا کام بنادی جائے دشمن کی خواہش کے برعکس ان دنوں میں اسلامی جمہوریہ کے نظام حکومت کے پہیئے ہمیشہ سے بہتر اور زیادہ رواں دواں متحرک ہونے چاہئیں۔

۳۔ عوام کے دوسرے طبقوں اور اسلامی جمہوریہ کے نظام حکومت کے دوسرے کارندوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ مسلح افواج پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی افرادی قوت اور آلات جنگ کی استعداد اور ان کی تیاری کو اہمیت دیں۔ اگر چہ گذشتہ دس سالہ تجربے نے ہمارے تمام دشمنوں پر یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ ہمارے انقلابی ملک وقوم پر فوجی حملے خود حملہ آوروں کے لئے نقصان اور شکست کا سبب بنے گا۔

۴۔ محرم، آئمہ جمعہ، صوبوں، شہروں اور بیرون ممالک میں حضرت امام اقدس کے سیاسی و مالی نمائندے، حکومتی ادارے، انقلابی تنظیمیں، اسلامی جمہوری افواج، سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی، اسلامی انقلابی کمیٹیاں، پولیس، ہلال احمر، اوقاف ائمہ، جمعہ کا وفاقی سکریٹریٹ، پریس اور یونیورسٹیوں کے نمائندہ علماء یہ سب سابقہ انداز میں بحال ہیں۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مقرر فرائض بڑے اہتمام اور احتیاط سے بجالائیں۔

۵۔ میں خاص طور پر شہیدوں کے بچوں، جنگی قیدوں کے قابل احترام اہل خاندان ان بہادر قیدیوں کو جو ابھی تک اسیری کی تکلیف برداشت کر رہے ہیں۔ ان کے عزیزوں کو تہہ دل سے تعزیت پیش کرتا ہوں جن پر ہمارے رہبر کبیر خصوصی شفقت فرمایا کرتے تھے۔

۶۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ رہبر کبیر کے معزز گھرانے ان کی خاندان اور خصوصاً خمینی کے متعلق اپنے احترام قدر دانی کے گہرے جذبات کا اظہار کروں اگر امام کے کام اور ان کی زندگی کے سلسلے میں ان کی جدت طبع کارفرمانہ ہوتی تو شاید ہم مدتوں پہلے رہبر کبیر کے وجود کی نعمت سے محروم ہو چکے ہوتے۔

میں بے پناہ تشکر و قدر دانی کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے خدائے بزرگ و برتر سے ان کے روز افزوں توفیقات کے لئے دعا گو ہوں۔ اسی طرح میں میڈیکل بورڈ کے تمام جاں نثاروں بھائیوں اور تمام ڈاکٹروں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے گزشتہ سالوں کی طویل مدت میں باقاعدگی سے امام کی خدمت کی انشاء اللہ تائید الٰہی آپ کے شاملِ حال ہوگی۔'' (۱۳)

۱۵ خرداد (۵ جون ۱۹۸۹ء) کے دن صبح سے رات تک تہرانی باشندوں سمیت دیگر شہروں اور دیہاتوں سے آنے والے لاکھوں سوگوار تہران کے عظیم مصلیٰ (عیدگاہ) میں جمع ہوئے تا کہ آخری مرتبہ امام خمینی کے جسد کو الوداع کہہ سکیں۔ آپ کے جسد کو سبز چادر میں لپیٹ کر ایک بلند مقام پر رکھا گیا تھا۔ شاہراہ اور مصلیٰ کی طرف جانے

والی تمام سڑکوں پر سیاہ پوش عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آرہا تھا۔ رات ہوئی تو مصلیٰ (عیدگاہ) کے وسیع میدان اور اس کے اطراف میں واقع ٹیلوں پر امام خمینی کی روشن کردہ شمع کی یاد میں ہزاروں شمعیں جلائی گئیں، عقیدت مندوں نے امام خمینی کے جنازے کے پاس صبح تک رات گزاری ۱۶ اخرداد (۶ جون) کو صبح سویرے لاکھوں افراد نے پرنم آنکھوں کے ساتھ امام خمینی کی نماز جنازہ میں شرکت کی، آیت اللہ گلپائیگانی نے نماز جنازہ پڑھی۔ (۱۴)

حیرت کی بات یہ ہے کہ معتبر عالمی خبر رساں ایجنسیوں نے ۱۳۵۷ھ ش (۱۹۷۹ء) میں وطن واپسی کے دوران امام خمینی کے استقبالیہ جلوس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد ساٹھ لاکھ بتائی تھی اور اب آپ کی تشییع جنازہ کے شرکاء کی تعداد کا اندازہ نوے لاکھ تک لگایا گیا۔ یہ صورت حال ایسے حالات میں پیش آئی کہ امام خمینی کے گیارہ سالہ دورحکومت میں انقلاب کے خلاف معاندانہ کاروائیوں کے لئے مغربی اور مشرقی ممالک کے اتحاد ان کی دیگر سازشوں خاص طور پر آٹھ سال تک مسلط کردہ جنگ کی وجہ سے ایرانی عوام نے بہت زیادہ تکلیفیں اٹھائیں، مصیبتیں جھیلیں اور اس راہ میں اپنے بے شمار عزیزوں کو کردیا تھا۔ لہٰذا فطری طور پر انہیں تھک ہار کر بے حس ہونا چاہئے تھا لیکن ایسا نہ ہوا۔ امام خمینی کی رحلت کے پہلے سال میں آپ کے سوئم، ہفتم، چہلم وغیرہ مراسم ادا کی گئی اور ہر سال ۱۴ اخرداد (۴ جون) کو امام خمینی کی برسی منائی جاتی ہے۔

امام خمینی کے علمی آثار کا جائزہ:

امام خمینی کی مصروف زندگی میں علمی کاوشوں کی طرف توجہ ایک دشوار مسئلہ تھا اور ایسے مصروف دور میں بھی انہوں نے اس امر کو انجام دیا ہے وہ آج بھی ان افراد کے لئے خاص طور سے حیرت وتعجب ہے جو امام خمینی کو صرف ایک سیاسی لیڈر یا حکومت پسند سمجھتے ہیں۔

ان کے علمی آثار کا جائزہ لیا جائے تو مختلف موضوعات پر ان کی متعدد کتب موجود ہیں۔ مثلاً فقہ، اخلاق، عرفان، حکومت، تفسیر، امامت وروحانیت، اشعار وغیرہ جو عربی اور فارسی زبان میں تحریر کیں۔ آپ کے علمی آثار کے لئے ایران میں ایک دفتر تحقیقات بنام موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی ہر جگہ قائم ہے بلکہ بعض شہروں میں دو تین شاخیں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کے علمی آثار کو جمع کرکے ان کے بیانات وتقاریر کو کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔ ان کی کافی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں بعض کتب وہ بھی ہیں کہ جنہیں آیت اللہ خمینی نے تصنیف کی ہیں اور بعض ان کی تقاریر کا مجموعہ ہیں۔ ان تمام تر توجہات اور کاوشوں کے باوجود ان کی کتب کی صحیح اور کامل فہرست آج تک ترتیب نہ پاسکی۔ کیونکہ آپ کے بعض مقالات اور تصانیف کرائے کے مکانوں سے منتقلی اور قم میں آپ کے گھر اور لائبریری پر شاہی خفیہ ایجنسی ساواک کے متعدد حملوں کے دوران ضائع ہو گئیں۔

امام خمینی کی کتب وآثار کا جائزہ:

شرح دعائے سحر:

امام خمینی نے یہ کتاب جو گہرے عرفانی، فلسفی اور اسلامی نکات پر مشتمل ہے قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں دعائے مباہلہ معروف بہ دعائے سحر کی شرح ہے، ۱۹۲۸ء میں عربی میں لکھی ہے۔اس کا ترجمہ سید احمد فہری نے فارسی میں کیا اور یہ کئی بار شائع ہو چکی ہے۔

شرح حدیث راس الجالوت:

حدیث راس الجالوت امام رضا کے مختلف ادیان و مذاہب کے رہنماؤں بالخصوص یہودی عالم دین راس الجالوت کے ساتھ مناظرے پر امام خمینی کی شرح ہے۔ یہ کتاب ۱۹۲۹ء میں لکھی گئی ہے۔

حاشیہ بر شرح فوائد الرضویہ:

اس عرفانی کتاب میں امام خمینی نے مرحوم قاضی سید قمی کی کتاب شرح فوائد الرضویہ پر اپنی آراء حاشیے کے طور پر لکھی ہیں۔

شرح جنود عقل وجہل:

یہ علم اخلاقیات میں امام خمینی کی گرانقدر کتاب ہے۔اس کتاب میں آپ کے کلامی، اخلاقی اور عرفانی نظریات واضح انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔

مصباح الہدایہ الی الخلافۃ والولایۃ:

یہ کتاب عرفان اسلامی کے موضوع پر عصر حاضر میں لکھی جانے والی بنیادی اور نمایاں ترین کتب میں سے ایک ہے۔اسے امام خمینی نے ۲۸ سال کی عمر میں تکمیل کی تھی۔ جدید ترین اشاعت انتشارات موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی تہران نے کی ہے۔ کتاب مجموعی طور پر ۳۱۵ صفحات پر مشتمل ہے، جن میں اصل کتاب کے علاوہ استاد جلال الدین آشتانی کی تمہید بھی شامل ہے جو کتاب پر شرح کی صورت میں سپرد قلم کی گئی ہے۔

حاشیہ بہ فصوص الحکم:

کتاب فصوص الحکم عالم اسلام کے عظیم عرفانی شخصیت محی الدین ابن عربی کی تصنیف ہے جس پر اب تک بہت سی شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ان میں شرح قیصری بہترین شرح تصور کی جاتی ہے۔

امام خمینی نے ۱۹۳۶ء میں شرح فصوص الحکم پر عربی زبان میں اپنا حاشیہ مکمل کیا۔ یہ کتاب شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، قونوی، ملا عبدالرزاق کاشانی فرغانی اور عراقی جیسی عظیم شخصیات کے نظریات پر امام خمینی کے تسلط

کی نشاندہی کرتی ہے۔

حاشیہ بر مصباح الانس:

کتاب ''مصباح الانس بین المعقول والمشہود'' محی الدین ابن عربی کے نامور شاگرد ابوالمعالی محمد ابن اسحاق قونوی کی کتاب مفتاح الغیب پر محمد بن حمزہ بن محمد فنادی کی شرح ہے جو نظریاتی عرفان وسلوک پر لکھی گئی ہے۔

امام خمینی نے ۱۹۳۶ء میں مذکورہ کتاب کے ایک تہائی حصے پر اپنی آراء اور علمی تنقید لکھی ہے۔ شرح فصوص الحکم اور مصباح الانس پر لکھے گئے امام کے دو حاشیے جو ۳۲۹ صفحات پر مشتمل ہیں تعلیمات علی شرح فصوص الحکم و مصباح الانس کے نام سے ۱۹۸۶ء میں ادارہ پاسداران سلام قم کی طرف سے شائع ہو گئے ہیں۔ (۳۷)

شرح چہل حدیث:

''اربعین حدیث یا شرح چہل حدیث'' امام خمینی کی اخلاقی وعرفانی کتابوں میں سے ایک ہے جو ۱۹۳۹ء میں فارسی میں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب میں کتاب اصول کافی سے بزرگان دین کی چالیس احادیث کی شرح تفصیل کے ساتھ سلیس زبان میں کی گئی ہے۔ گیارہویں حدیث کو چھوڑ کر باقی ابتدائی ۳۴ احادیث کا تعلق اخلاقیات سے متعلق ہے اور آخری حدیثیں اعتقادی مسائل کے بارے میں ہے۔ جدید ترین اشاعت انتشارات موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی تہران نے کی ہے۔

سر الصلاۃ (صلاۃ العارفین ومعراج السالکین):

یہ نماز کے روحانی اور عرفانی اسرار و رموز کے بارے میں ایک عرفانی کتاب ہے جو ۱۹۳۹ء میں فارسی میں لکھی گئی۔ نظریاتی عرفان وطریقت پر امام خمینی کے تسلط اور عملی طور پر عرفانی منزلیں طے کرنے کی حقیقتیں اس کتاب کی گہری مباحث اور سابقہ کتب سے دریافت کی جاسکتی ہے۔ اس کی جدید ترین اشاعت: انتشارات موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی ۱۹۹۰ء کتاب کے مجموعی صفحات کی تعداد ۲۶۶ ہے جس میں آیت اللہ جواد آملی کی ایک تمہید، اصل کتاب، فہرست اور قلمی نسخے کی مکمل نقل شامل ہے۔

آداب نماز (آداب الصلوۃ):

یہ کتاب ۱۹۴۲ء میں اور کتاب سرّ الصلواۃ کی تصنیف کے بعد لکھی گئی ہے۔ امام خمینی نے کتاب کی ابتداء میں لکھا ہے:

''چند مہینے پہلے میں نے ایک کتابچہ مرتب کیا کیونکہ یہ عام لوگوں کے لئے موزوں نہیں ہے لہٰذا

میں نے فیصلہ کیا کہ اس روحانی معراج (نماز) کی قلبی کیفیت اور آداب پر مشتمل ایک کتاب آداب الصلواۃ نماز کے روحانی اسرار و رموز پر مفصل لکھوں۔'' (۱۵)

جدید ترین اشاعت: تہران۔ انتشارات موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی ۱۹۹۳ء۔ کتاب کے صفحات کی تعداد ۱۳۶ ہے جس میں تمہید اصل کتاب، فہرست اور قلمی نسخے کی مکمل نقل شامل ہے اس کی دوسری اشاعت قلمی نسخے کے بغیر ۴۲۱ صفحوں پر مشتمل ہے۔

رسالۃ لقاء اللہ:

یہ فارسی میں عرفانی مسائل پر ہے جو ضمیمے کے طور پر آیت اللہ حاج مرزا جواد ملکی تبریزی کی کتاب رسالہ لقاء اللہ پر آخر میں فیض کاشانی اشاعتی ادارہ تہران نے شائع کیا ہے اس کی چوتھی اشاعت ۱۹۹۱ء میں شائع ہو گئی ہے۔

حاشیہ بر اسفار:

امام خمینی نے کئی سال تک قم میں مشہور فلسفی ملا صدرالدین شیرازی کی کتاب ''اسفار اربعہ'' کی تدریس کے علاوہ اس کی بعض مباحث پر حاشیہ لکھا تھا لیکن اس کا نسخہ اب تک نہیں ملا ہے البتہ آپ کے درسِ فلسفہ کے لیکچروں سے جو آپ کے شاگردوں کے ہاتھوں مرتب کئے گئے ہیں جن میں سے بعض لیکچر اس ادارے کے پاس موجود ہیں۔

کشف الاسرار:

کشف الاسرار ایک سیاسی، عقیدتی اور معاشرتی کتاب ہے۔ امام خمینی نے یہ کتاب احمد کسروی کے شاگرد علی اکبر حکیمی زادہ نامی شخص کے کتابچہ ''اسرار ہزار سالہ'' میں شائع شدہ شکوک وشبہات کا جواب دیتے ہوئے قدیم یونانی فلسفہ، مسلمان فلسفہ اور مغرب کے مقاصد فلسفہ کے نظریات کے جائزہ اور تنقید کے ذریعے علمائے اسلام کے تعمیری کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی کتاب میں اسلامی حکومت اور غیبت امام کے دور میں ولایت فقیہ کا نظریہ پیش کیا گیا ہے اس میں رضا خان پہلوی اور اس دور کے اسلامی ممالک میں اس کے ہم خیال لوگوں کی غیر قومی اور لادینیت پر مبنی پالیسیوں کو بھی تفصیلی طور پر ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ (طبع: انتشارات آزادی قم)

انوار الھدایۃ فی التعلیقۃ علی الکفایۃ:

جو علم اصول کی عقلی مباحث پر عربی زبان میں امام خمینی کی کتاب ہے انہوں نے ۱۹۴۹ء میں آیت اللہ آخوند خراسانی کی کتاب کفایۃ الاصول پر حاشیے کے طور پر اس کی تصنیف کی۔ اس کتاب کے علاوہ کتاب منہاج

الاصول اوراصولی مسائل امام خمینی کے دیگر کتابچوں سے بڑی حد تک امام خمینی کے اصلی نظریہ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ کتاب پہلی بار دو جلدوں میں انتشارات موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی کی طرف ۱۹۹۳ء میں شائع ہوگئی ہے۔

بدائع الدرفی قاعدۃ نفی الضرر:

یہ عربی زبان میں ایک اہم ترین فقہی ''اصول وقاعدۂ لاضرر'' پرامام خمینی کا تحقیقی کتابچہ ہے۔آپ نے یہ کتابچہ ۱۹۵۰ء میں لکھا ہے یہ کتابچہ آپ کے بعض اور اصولی کتابوں، کتابچوں کے ساتھ الرسائل کے نام سے ۱۹۶۵ء کو قم میں چھپ چکا ہے۔

رسالۃ الاستصحاب:

یہ علم اصول فقہ کی بہت اہم بحث واستصحاب'' پر عربی زبان میں مفصل اوراجتہادکا کتابچہ ہےامام خمینی نے اس کی تصنیف مکمل کی ہے۔

رسالۃ فی التعادل والتراجیح:

امام خمینی کے ہاتھوں اس کتاب کی تاریخ تصنیف ۱۹۵۱ء ہے تعادل وتراجیح علم اصول فقہ کی آخری مباحث میں شامل ہیں جن میں دلائل کے ٹکراؤ کی صورت میں انتخاب دلیل کے معیاروں پر بحث کی جاتی ہے۔

رسالۃ الاجتہاد والتقلید:

اجتہاد اور تقلید بھی علم اصول فقہ کی اہم اور آخری مباحث میں شامل ہیں۔امام خمینی نے اس اجتہادی رسالے میں اپنی آراء کو مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔

مناھج الاصول الی علم الاصول:

علم اصول فقہ کے الفاظ کے موضوع پر عربی میں امام خمینی کی یہ ایک تحقیقی اوراجتہادی کتاب ہے جس کی تصنیف ۱۹۵۱ء کے بعد کی گئی ہے پہلی بار ۱۹۹۳ء کو دوجلدوں میں تعلیقات فہرست اور آیت اللہ فاضل لنکرانی کی تمہید کے ساتھ انتشارات موئسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی کی طرف سے شائع ہوئی۔

رسالۃ فی الطلب والارادۃ:

اصول فقہ، فلسفہ اور عرفان وسلوک کے موضوعات پر امام خمینی کی یہ کتاب ۱۹۵۲ء میں عربی میں لکھی گئی ہے۔یہ کتاب فارسی ترجمے کے ساتھ ۱۵۷ صفحے پر ۱۹۸۳ء میں مرکز انتشارات علمی وفرہنگی تہران کے ذریعے شائع ہوگئی ہے۔

رسالۃ فی التقیۃ:

یہ تقیہ کے موضوع پر امام خمینی کی ایک فقہی اجتہادی کتاب ہے جسے عربی زبان میں ۱۹۵۳ء کو تصنیف کی گئی اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تقیہ واجب قرار دینے کا فلسفہ دین کی حفاظت کے لئے ہے اس کو مٹانے کے لئے نہیں یہ کتاب ۱۳۵۰ھ بمطابق ۱۹۶۵ء میں قم سے شائع ہونے والے مجموعہ الرسائل میں چھپ چکی ہے۔

رسالۃ فی قاعدۃ من ملک:

یہ کتاب ''قاعدہ من ملک'' نامی فقہی قاعدہ پر امام خمینی کی اجتہادی تصنیف ہے۔

رسالۃ فی تعیین الفجر فی اللیالی المقمرۃ:

یہ چاندنی راتوں میں وقت فجر کے تعین کے موضوع پر فقہی اور استدلالی کتاب ہے جو اسی عنوان سے ۱۹۸۸ء میں قم سے شائع ہو گئی ہے۔

کتاب الطہارۃ:

علم فقہ کے باب الطہارۃ کے مباحث کے بارے میں استدلالی اور اجتہادی فقہ کی روش پر لکھی جانے والی یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے جو امام خمینی کے قلم سے عربی میں ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۸ء کے برسوں میں لکھی گئی اس کتاب کی دو جلدیں ۱۳۶۷ھ کو قم سے اور دیگر دو جلدیں ۱۳۸۹ھ میں نجف اشرف عراق سے شائع ہو گئی تھیں۔

تعلیقۃ علی العروۃ الوثقیٰ:

یہ آیت اللہ سید محمد کاظم یزدی کی مشہور کتاب ''عروۃ الوثقیٰ'' کے تمام مسائل پر امام خمینی کا حاشیہ ہے یہ کتاب ۱۹۵۶ء میں لکھی گئی اور فقہ کے مختلف ابواب میں امام خمینی کے فقہی فتاوے پر مشتمل ہے جو علیحدہ صورت میں بھی کئی بار طبع ہو گئی اور عروۃ الوثقیٰ کے ساتھ بھی کئی مرتبہ شائع ہو گئی ہے۔

مکاسب محرمہ:

حرام پیشوں اور ان سے متعلق مسائل کے بارے میں استدلالی فقہ کے موضوع پر یہ امام خمینی کی اجتہادی کتاب ہے۔ یہ کتاب ۳۱۲ صفحات پر دو جلدوں میں شائع ہو گئی تھی۔ اس کتاب میں موسیقی، گانا، مصوری اور مجسمہ سازی کے احکام دلچسپ نکات کی صورت میں بیان کئے گئے۔

تعلیقۃ علی وسیلۃ النجاۃ:

یہ کتاب امام خمینی کے فقہی فتاوے پر مشتمل ہے جو آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی کی کتاب ''وسیلۃ النجاۃ'' پر حاشیے کی صورت میں لکھی گئی ہے۔ ۱۹۶۱ء میں قم سے شائع ہو گئی ہے۔

حاشیہ بر رسالہ ارث:

یہ حاشیہ ارث کے احکام سے متعلق امام خمینی کے فقہی فتاوے پر مشتمل ہے جنہیں آپ نے منتخب التواریخ مرحوم حاج ملا ہاشم خراسانی کے رسالہ ارث پر حاشیے کی صورت میں تحریر کیا ہے۔ یہ حاشیہ مذکورہ رسالہ کے متن کے ساتھ فارسی میں قم میں شائع ہوگئی۔

تقریرات درس اصول:

امام خمینی نے اس کتاب میں آیت اللہ بروجردی کے دروس علم اصول فقہ کو اپنے قلم سے عربی میں درج کیا ہے پہلی بار انتشارات موئسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی کی طرف سے اس کتاب پر تحقیق اور طباعت کے امور انجام دیئے جارہے ہیں۔

توضیح المسائل:

یہ فارسی میں مختلف فقہی ابواب کے بارے میں امام خمینی کے فتاوے پر مشتمل کتاب ہے۔ آپ کے مقلدین بحیثیت رسالہ عملیہ اس سے استفادہ اور رجوع کرتے ہیں۔ اس کتاب کی لاکھوں کاپیاں اب تک مکمل رسالہ عملیہ کے طور پر یا منتخب (مسائل) اور مصنوعی صورت میں متعدد اشاعتی اداروں کی طرف سے اسلامی انقلاب کی کامیابی سے پہلے اور بعد میں شائع کی گئی ہیں۔

مناسک حج:

مناسک حج اور اعمال حج سے متعلق امام خمینی کے فتاوے ہیں۔ جدید ترین اشاعت: ۱۹۹۱ء یکے از مطبوعات موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی

تحریر الوسیلہ:

یہ عربی میں امام خمینی کے فقہی نظریات پر مشتمل کتاب ہے۔ امام خمینی نے اسے ۶۵۔۱۹۶۴ء کو ترکی میں جلاوطنی کے دوران لکھا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار نجف اشرف میں طبع ہوگئی۔ اس کے بعد متعدد بار نجف اشرف، بیروت اور ایران سے شائع ہوتی رہی ہے۔

کتاب البیع:

یہ خرید وفروخت اور تجارتی معاملات سے متعلق استدلالی فقہ کے ابواب پر امام خمینی کی کتاب ہے جو ۱۹۶۱ء سے ۱۹۷۶ء کے درمیان زیادہ تر نجف اشرف میں لکھی گئی۔ اس کی پہلی اشاعت بھی نجف اشرف ہی سے پانچ جلدوں میں کی گئی تھی۔

تقریرات دروس امام خمینی:

فقہ اور اصول فقہ کے موضوعات پر امام خمینی کی تصانیف کے علاوہ آپ کے شاگردوں کے ذریعے آپ کے حلقہ ہائے دروس کے لیکچرز لکھے گئے ہیں جنہیں تقریرات کہتے ہیں۔

کتاب الخلل فی الصلواۃ:

یہ خلل نمازوں کے متعلق فقہی احکام کے موضوع پر عربی میں امام خمینی کی اجتہادی اور استدلالی آراء پر مشتمل کتاب ہے جسے آپ نے نجف اشرف میں قیام کے آخری برسوں میں سپرد قلم کیا ہے یہ کتاب قم سے شائع ہوگئی ہے۔

ولایت فقیہ (حکومت اسلامی):

یہ کتاب جو اسلامی انقلاب کی کامیابی سے پہلے اور بعد میں کئی بار عربی اور فارسی میں شائع ہوگئی ہے۔ مندرجہ ذیل موضوعات پر امام خمینی کے اجتہادی نظریات پر مشتمل ہے۔ اسلامی حکومت دین اور سیاست کا لازم و ملزوم ہونا غیبت (امام) کے زمانے میں ولایت فقیہ۔ یہ کتاب دراصل نجف اشرف میں دیا جانے والا امام خمینی کا سلسلہ دروس ہے جو بعد میں کتابی شکل میں مرتب کر کے شائع کیا گیا۔ اس کتاب کی جدید ترین اشاعت موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی کی طرف سے تمہید، توضیحات اور فہرست کے ساتھ ۱۹۹۳ء میں شائع کی گئی ہے۔

جہاد اکبر یا مبارزۂ نفس:

یہ تزکیہ نفس کی اہمیت اور ضرورت سے متعلق امام خمینی کے ان دروس پر مشتمل ہیں جو نجف اشرف میں دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سے تربیتی اور سیاسی نکات اپنے اندر سموئی ہوئی ہے۔ ۱۹۹۳ء میں موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی کی طرف سے تمہید اور توضیحات کے ساتھ طبع ہوگئی ہے۔

تفسیر سورہ حمد:

یہ کتاب سورۃ مبارکہ حمد کی عرفانی تفسیر ہے۔ امام خمینی نے ۱۹۷۹ء میں چند درسی حلقوں میں یہ تفسیر بیان کی جو اسی نام پر کتابی شکل میں مختلف اشاعتی اداروں کی طرف سے کئی بار شائع ہوئی ہے۔

استفتاءات:

استفتاءات مختلف فقہی ابواب بالخصوص جدید مسائل سے متعلق عوام کے شرعی سوالات کے جواب میں دیئے گئے امام خمینی کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے اس کی دو جلدیں جامع مدرسین حوزہ علمیہ قم کے مطبوعاتی ادارے کی طرف سے ۱۹۸۷ء اور ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا ہے۔

دیوان شعر:

امام خمینی نے جوانی کے دور سے ہی عرفانی، سیاسی اور بعض معاشرتی موضوعات پر شعر کہا تھا آپ کے پرانا کلام کا بیشتر حصہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و انتقال اور آپ کے گھر اور لائبریری پر ساواک کے کارندوں کے حملے کے دوران اور بعض دیگر وجوہات کی بناء پر ضائع ہوگیا ہے آپ نے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد غزل، رباعی اور دوبیتی وغیرہ کی اصناف میں شعر کہا ہے۔ آپ کا جدید کلام باقیماندہ پرانے اشعار کے ساتھ ''دیوان امام'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس سے پہلے آپ کا کلام ''سبوئے عشق، محرم راز، بادہ عشق اور نقطہ عطف'' کے عناوین سے طبع ہو چکا ہے۔

دیوان کی تمہید میں آپ کے اشعار کی نوعیت، طرز کلام اور اس کی مختصر تاریخ کے بارے میں جامع معلومات دی گئی ہیں۔ اسی طرح دیوان کے ضمیمے میں آپ کے کلام کی فنی اور ادبی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

۱۹۹۳ء میں یہ کتاب پہلی بار موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی کی طرف سے شائع ہوئی اور اس کے بعد اس کی کئی اشاعتیں منظر عام پر آئی ہیں۔ واضح رہے امام خمینی کے کلام کی عرفانی اصطلاحات کے سلسلے میں ''فرہنگ دیوان'' کے عنوان سے اسی ادارے کی طرف سے ایک تحقیقی کتاب بھی شائع ہوگئی ہے۔

امام خمینی نے اپنے رشتہ داروں کے نام اخلاقی نصیحتوں اور عرفانی نکات سے بھرپور خطوط لکھے ہیں۔ جن کے بعض نمونے موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی کی طرف سے شائع ہونے والی کتابوں: محرم راز، راہ عشق، اور نقطہ عطف کے علاوہ بنیاد شہید انقلاب اسلامی کی شائع کردہ کتاب اور جلوہائے رحمانی میں دیئے گئے ہیں۔

پیغامات، خطابات، انٹرویوز، احکامات اور خطوط:

امام خمینی نے کشف الاسرار حکومت، اسلامی اور سیاسی الٰہی وصیت نامہ جیسی کتابوں کے علاوہ اپنی سیاسی، معاشرتی اور دینی آراء اور ہدایتوں کو انقلابی جدوجہد کے برسوں کے دوران اور اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد سینکڑوں تقریروں، پیغامات، احکام اور خطوط کی صورت میں پیش کیا ہے۔ یہ ہدایات مختلف انداز اور عنوانات سے اور بیسیوں کتابوں کی صورت میں شائع ہوگئی ہیں۔ ۲۲ جلدوں پر مشتمل کتاب ''صحیفہ نور'' اس سلسلے میں اب تک شائع ہونے والی جامع ترین کتاب ہے۔

امام خمینی کے احکامات، بیانات، غیر ملکی سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کے نام خطوط، ایران کے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کے نام خطوط اور پیغامات کا ایک مجموعی سیٹ ۳۲۰۰ صفحات پر مشتمل پانچ جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔

امام خمینی کا سیاسی الٰہی وصیت نامہ:

یہ موجودہ اور آنے والی نسلوں کے نام امام خمینی کا سب سے اہم زندہ پیغام ہے جس میں امام خمینی نے اپنے حق پر مبنی عقائد بیان کرنے کے علاوہ عالم اسلام اور انسانی معاشرے کے سیاسی اور معاشرتی مسائل کے بارے میں اپنی اہم ترین آراء اور تجزیہ و تحلیل کے ساتھ نصیحتوں کے سانچے میں ڈالا ہے۔ امام خمینی کی نظر میں ان کی وصیت صرف ایرانی قوم کیلئے نہیں ہے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

"آنچه لازم است تذکر دهم آن است که وصیت سیاسی-الهی اینجانب اختصاص به ملت عظیم الشان ایران ندارد بلکه توصیه به جمیع ملل اسلامی و مظلومان جهان ازهر ملت و مذهب می باشد۔" (۱۶)

"جس نقطے کی یاددہانی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ میری یہ سیاسی والٰہی وصیت صرف ایران کی عظیم قوم کیلئے مخصوص نہیں بلکہ یہ تمام اسلامی قوموں اور دنیا کے ہر مذہب وملت کے مظلوموں کیلئے ہے۔"

یہ کتاب اب تک مختلف ناشرین، اشاعتی اور انقلابی اداروں اور آپ کے معتقدین کی طرف سے لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئی ہے اور مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کی جدید ترین اشاعت موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی بین الاقوامی امور نے ۲۰۰۵ء میں کی ہے۔

حوالہ جات

(۱) سورہ مائدہ، آیت: ۹۷

(۲) خمینی، روح اللہ، القضیة الفلسطینیة، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، چھاپ اول، ۱۹۹۶، ص: ۹۷

(۳) ایضاً، ص: ۱۵۲

(۴) ایضاً، ص: ۱۵۳

(۵) خمینی، روح اللہ حج اجتماعی وسیاسی عبادت، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۴۱۴ھ، ص: ۱۳۴

(۶) انصاری، حمید، سخن بیداری، موسسہ تنظیم نشر وآثار بین الاقوامی امور، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۳۱

(۷) خمینی، روح اللہ، صحیفہ نور، ج ۲۱، اشارت شرکت سہامی چاپ خانہ، وزارت ارشاد اسلامی، بہمن ۱۳۶۱ش، بمطابق ۱۹۸۲ء، ص: ۱۱۶

(۸) خمینی، روح اللہ، الٰہی سیاسی وصیت نامہ، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، چھاپ اول، تابستان، ۱۳۰۸ش، ص: ۹۰

(۹) انصاری، حمید، سخن بیداری، ص: ۲۸۳

(۱۰) ایضاً، ص: ۲۸۷، ۲۸۸

(۱۱) قادری، اخلاق احمد، تاریخ انقلابات ایران، دارالشعور، مزنگ روڈ بک اسٹریٹ لاہور، ۲۰۱۱ء، ص: ۳۳۷

(۱۲) حیات، شیخ محمد، تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، س ن، ص: ۴۹۰، ۴۹۱

(۱۳) حیات، شیخ محمد، تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران، ص: ۴۹۸

(۱۴) انصاری، حمید، سخن بیداری، ص: ۲۹۰

(۱۵) ایضاً، ص: ۳۰۶

(۱۵) خمینی، روح اللہ، وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینی، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۷ش بمطابق ۲۰۰۸ء، ص: ۱۶

کتابیات

- القرآن: مترجمین- حافظ فرمان علی، مولانا مقبول احمد، علامہ ذیشان حیدر جوادی، شیخ محسن علی نجفی
- ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ج ۲، مترجم: مولانا محمد قاسم امین، مکتبۃ العلم، اردو بازار لاہور، س ن
- ابن خلدون، عبدالرحمٰن، دیوان المبتداء والخبر فی تاریخ العرب والبربر ومن عاصرھم من ملوک التتر، ج ۲، دارالفکر بیروت، ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء
- الخوئی، السید ابوالقاسم الموسوی، منہاج الصالحین، (العبادات والمعاملات) دارالغدیر، للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، طبع: دوم، ۱۴۹۳، (۱۹۷۳ء)، مسئلہ نمبر ۴
- اشرف جناتی، ''مسلمان عورت کی شخصیت کا احیاء اور امام خمینی'، امام خمینی اور احیائے فکر دینی (مجموعہ ہائے مقالہ) امام خمینی اور احیائے فکر دینی، ج ۲
- انصاری، حمید، سخن بیداری، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ایران، ۱۹۹۸ء
- الہندی، ملا متقی، کنز العمال، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۶ء
- بزرگی، احمد جہاں، امام خمینی کا سیاسی نظریہ، (مترجم: عبدالستار)، نور الہدیٰ ٹرسٹ، شعبہ ترجمہ وتحقیق، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء
- بیژن شہرامی، ''اسلامی مکاتب فکر کے درمیان اتحاد کی ضرورت''، امام خمینی اور احیائے فکر دینی (مجموعہ ہائے مقالہ) امام خمینی اور احیائے فکر دینی، ج ۳، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، طبع دوم
- ثانی، مرتضیٰ دوستی ''امام خمینی کی تحریک کے عالمی اسلامی تحریکوں پر اثرات''، امام خمینی اور احیائے فکرِ دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)، ج ۳، مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، طبع دوئم، ۲۰۰۹
- جوان، ڈاکٹر موسیٰ، تاریخ اجتماعی ایران باستان، چاپ خانہ رنگین، تہران، ۱۳۴۰ خورشیدی، بمطابق ۱۹۶۳ء
- جمشیدی، محمد حسین، ''امام خمینی کے سیاسی نظریئے میں مقابلہ ظلم اور اسلام کی عدالت طلبی کی فکر کا احیاء''، امام خمینی اور احیائے فکرِ دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)، ج ۲
- حسین، پروفیسر ڈاکٹر عسکری، انقلاب ایران کی سماجی، سیاسی اور نظریات ہمہ گیری، زرافشا عسکری، گلستان جوہر، بلاک ۷، کراچی، ۲۰۰۲ء

- خمینی، روح اللہ،صحیفہ نور، ج ۱۰،انتشارات شرکت سہامی چاپ خانہ، وزارت ارشاد اسلامی، ایران، ۱۳۶۱ش، بمطابق۱۹۸۲ء
- خمینی، روح اللہ،کلمات قصار، پندھا وحکمت ہا، امام خمینی موسسہ تنظیم ونشرآثار، امام خمینی، چاپ ہفتم زمستان،۱۳۷۸ش بمطابق۱۹۹۹ء
- خمینی، روح اللہ،کوثر، ج ا،خطبات امام خمینی،موسسہ تنظیم ونشرآثارامام خمینی، بین الاقوامی امور،۱۹۹۶ء
- خمینی، روح اللہ،تحریرالوسیلہ،ج ا،موسسہ تنظیم ونشرآثارامام خمینی نمائندگی برصغیر،۱۴۱۳ھ
- خمینی، روح اللہ،الحکومۃ الاسلامیۃ، کتاب خانہ بزرگ اسلامی ایران،تہران،س ن
- خمینی، روح اللہ، وصیت نامہ سیاسی الٰہی امام خمینی،موسسہ تنظیم ونشرآثارامام خمینی،تہران، ۱۳۸۷ش بمطابق۲۰۰۸ء
- خمینی، آیت روح اللہ امام خمینی، ولایت فقیہ،موسسہ تنظیم ونشرآثارامام خمینی،امور بین الملل ،تہران، س ن
- خمینی، روح اللہ، جہاد اکبر،موسسہ تنظیم ونشرآثارامام خمینی،تہران،۱۴۱۱ھ
- خمینی، روح اللہ، وحدت اسلامی،(مترجم: ثاقب نقوی) موسسہ تنظیم ونشرآثار امام خمینی، تہران، ۱۴۱۳ھ
- خمینی، روح اللہ، رسالہ نوین ۔۴۔ مسائل سیاسی وحقوقی، (ترجمہ وتوضیح: عبدالکریم بی آزادشیرازی)، موسسہ انجام، تہران،۱۳۶۰ش،۱۴۰۱ھ
- خمینی، روح اللہ،القضیۃ الفلسطینیہ فی احادیث الامام الخمینی ،موسسہ تنظیم ونشرالاثار الامام خمینی، قسم الشؤہ دولیۃ، (طبعۃ الرابع)،۱۴۲۶ق
- خمینی، روح اللہ، اسلام ناب درکلام و پیام،موسسہ تنظیم ونشرآثارامور بین الملل ،۱۳۷۴ش، بمطابق ۱۹۹۵ء
- خمینی، روح اللہ،نسل کوثر،تحقیق اسلامی ثقافتی مرکز،مترجم: معارف اسلام پبلشرز،نور مطاف، ایران، چھاپ سوئم،۱۳۸۳ش بمطابق۲۰۰۴ء
- خمینی، سید احمد، سید احمد خمینی کی آراء ونظریات،موسسہ نشروآثارامام خمینی، بین الاقوامی امور،۱۹۹۶ء
- خمینی، روح اللہ، حج اجتماعی اور سیاسی عبادت،موسسہ نشروآثارامام خمینی، بین الاقوامی امور،۱۴۱۴ھ

- خمینی، روح اللہ، سیاست خارجی وروابطہ بین الملل، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۳۸۱اش، بمطابق ۲۰۰۲ء
- چمران، ڈاکٹر مصطفیٰ، لبنان، (مترجم: سید سجاد رضوی)، امامیہ پبلی کیشنز، اسلام پورہ لاہور، س ن، ۴۱۶
- رضائی، ڈاکٹر عبدالعظیم، تاریخ تمدن و فرہنگ ایران، کتاب خانہ ملی، ایران، اشاعت چہارم، ۱۳۸۶اش، بمطابق ۱۹۶۳ء
- روحانی، سید حمید، بررسی وتحلیلی از نہضت امام خمینی، انتشارات دارالفکر، انتشارات دار العلوم، خیابان، ایران، (قم)، س ن
- زاہدی، زاہد علی، حکومت اسلامی تجزیہ ولایت فقیہ، (غیر مطبوعہ) کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی
- سبحانی، آیت اللہ جعفر، مبانی حکومت اسلامی، مترجم: جاوید اقبال قزلباش، مصباح الہدیٰ پبلی کیشنز، ۱۴۱۴ھ، ص: ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸
- سیستانی، آیت اللہ سید علی حسینی، ولایت مشہد، چہار راہ شہداء بہشت باغ نادری، ۱۳۸۶اش بمطابق ۲۰۰۷ء
- سلیم علوی، اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ امام خمینی کی نظر میں، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۷اش بمطابق ۲۰۰۸
- شیخ، محمد حیات، تاریخ اسلامی جمہوریہ ایران، مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور، س ن
- شیرازی، ناصر مکارم، تفسیر نمونہ، ج۹ (مترجم: صفدر حسین نجفی)، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور، ۱۴۱۷ھ
- صدوق، ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ، کمال الدین و تمام النعمۃ، ج۲ الکساء پبلشرز، کراچی، ۱۹۹۹ء
- عاملی، شیخ حر، وسائل الشیع، ج۷، کتاب القضاء، باب ۳، حدیث ۳، موسسہ اہل البیت الاحیاء التراث، بیروت، س ن
- غزالی، ابوحامد، احیاء العلوم، ج۱، (مترجم: مولانا محمد احسن نانوتوی)، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، س ن

- فاطمہ رجبی، ''معاشرتی زندگی میں عورت کے حقوق اور اعلیٰ مقام پر یقین اور اجتماعی تعلقات میں تسلط پسندانہ سوچ کی نفی،'' امام خمینی اور احیائے فکر دینی (مجموعہ ہائے مقالہ)، ج ۳
- فرہنگ جہانگ بخش، دائرہ المعارف، بزرگ زرین، ج ۱، گروہ مترجمین، انتشارات زرین، تہران، اشاعت اول، ۱۳۷۷ش، بمطابق ۱۹۹۸ء
- قادری، اخلاق احمد، تاریخ انقلابات ایران، دارالشعور، مزنگ روڈ بک اسٹریٹ لاہور، ۲۰۱۱ء، ص: ۳۲۹، ۳۳۰
- گروہ مصنفین، رفقائے امام خمینی، نہضت امام، مترجم: افق اجمیری، نظارۃ المعارف، کراچی، س ن
- لوئیس معلوف، المنجد عربی بہ فارسی، مترجم: احمد سیاح، اشارات اسلام، تہران، چاپ دوم: ۱۳۷۸ش بمطابق ۱۹۹۹ء
- لوئیس معلوف، المنجد (عربی اردو) مادہ 'رجع یرجع' (لوٹنا، پھیرنا)، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۹ء
- مسیح مہاجری، اسلامی انقلاب اور اقوام عالم کا مستقبل، مترجم: شیخ سرور حسین، سازمان تبلیغات اسلامی، روابط بین الملل، تہران، ۱۴۰۵ھ
- مصباحی، مولانا بدرالقادر، اسلام اور خمینی مذہب، تنظیم اہل سنت پاکستان، س، ن
- منتظری، آیت اللہ حسین علی، ولایت فقیہ، (مترجم: سید صفدر حسین نجفی)، مصباح الہدیٰ پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت اول: ۱۹۸۹ء
- مرتضیٰ مطہری، ایران اور مصر میں کتب سوزی، مترجم: سید عارف نوشاہی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی، جولائی ۱۹۸۱ء
- ناصری، طبقات، منہاج سراج، ج ۱، (مترجم: غلام رسول مہر)، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء
- نجفی، شیخ محسن علی، اسلامی جمہوریہ ایران کا آئین، مرکز تحقیقات ایران و پاکستان، ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۰
- نیا، حسن پیر، تاریخ ایران از آغاز انقلاب ساسانیان، انتشارات کتاب خانہ خیام، (تہران) س ن
- یزدی، آیت اللہ مصباح، ولایت فقیہ پر اجمالی نظر، (مترجم: سید وصی حیدر رضوی)، مجمع جہانی اہل بیت، قم، س ن، ص: ۱۵۴

انگریزی کتابیں

- Algar Hamid, Islam and Revolution, London, KPL, Limited, 1985
- Muhammad Raza Shah Pahlavi, Mission of my Country, New York, 1961
- Religion and Politics from Imam Khumai's viewpoint (Collection of articles) international affairs department, the institute for competition and publication of Imam Khumaini's works. 2007

رسائل وجرائد واخبارات

- مشمولہ: وحدت اسلامی، دفتر قونصل اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد، شمارہ ۸۷، مئی، جون ۱۹۹۱ء
- مشمولہ: روزنامہ اطلاعات، تہران، ۴ر دسمبر ۱۹۹۱ء
- مشمولہ: روزنامہ کیہان (تہران)، مورخہ ۱/ ۱۸/ ۱۳۵۹، بمطابق ۱۹۸۰ء
- مشمولہ: مجلّہ توحید، ج ۷، شمارہ: ۴، قم، جمہوری اسلامی ایران، ۱۹۹۰ء
- مشمولہ: دعوت توحید، امام خمینی کا خط گورباچوف کے نام، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۴۱۴ھ، ربیع الثانی

انگریزی کتابیں

- Algar Hamid, Islam and Revolution, London, KPL, Limited, 1985
- Muhammad Raza Shah Pahlavi, Mission of my Country, New York, 1961
- Religion and Politics from Imam Khumai's viewpoint (Collection of articles) international affairs department, the institute for competition and publication of Imam Khumaini's works. 2007

رسائل وجرائد واخبارات

- مشمولہ: وحدت اسلامی، دفتر قونصل اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد، شمارہ ۸۷، مئی، جون ۱۹۹۱ء
- مشمولہ: روزنامہ اطلاعات، تہران، ۴ر دسمبر ۱۹۹۱ء
- مشمولہ: روزنامہ کیہان (تہران)، مورخہ ۱/ ۱۸/ ۱۳۵۹، بمطابق ۱۹۸۰ء
- مشمولہ: مجلّہ توحید، ج ۷، شمارہ: ۴، قم، جمہوری اسلامی ایران، ۱۹۹۰ء
- مشمولہ: دعوت توحید، امام خمینی کا خط گورباچوف کے نام، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، ۱۴۱۴ھ، ربیع الثانی